کتاب الرُّوح
www.islamiurdubook.blogspot.com
علامہ حافظ ابن قیم
www.islamiurdubook.blogspot.com
شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور

کتاب الروح

روح امرِ ربی ہے اس کی حقیقت
کیا ہے انسانی زندگی میں روح کا کیا مقام
ہے حیات کا اس سے کیا تعلق ہے
غرضیکہ روح کے بارے میں جاننے کے لیے
کتاب الروح ایک لاجواب تحفہ ہے

علامہ حافظ ابن قیم

مترجم
مولانا محمد شریف نوری نقشبندی

شبیر برادرز
اردو بازار — لاہور

نام کتاب ـــــــــــ کتاب الرّوح

مُصنّف ـــــــــــ علاّمہ حافظ ابن قیم

ترجمہ ـــــــــــ مولانا محمد شریف نوری نقشبندی

اشاعت اوّل ـــــــــــ ۱۹۹۷ء

تعداد ـــــــــــ ۶۰۰

طابع ـــــــــــ ایم اشتیاق پریس لاہور

ناشر ـــــــــــ شبیر برادرز لاہور

قیمت ـــــــــــ /- روپے

عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الروح جو حقیقت میں عربی زبان کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ جس کے پڑھنے سے علمی دنیا کے پردے چاک ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابن قیم جو اپنے وقت کے عظیم محدث و محقق گذرے ہیں۔ موصوف نے یہ کتاب لکھ کر اُمت مسلمہ پہ عظیم احسان فرمایا ہے جو رہتی دن تک زندہ و تابندہ رہے گا۔ اس موضوع پر یہ منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ یہ ایک اس قدر مشکل موضوع ہے کہ جس پر چل کر پل صراط پار کرنا پڑتا ہے۔ علامہ موصوف نے قرآن و حدیث سے استدلال کر کے ایک ایسا شاہکار پیش کیا ہے جس کی نظیر محال ہے۔ علامہ موصوف نے اہل سنت کے عقیدے کے مطابق تمام اسباق کو اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کا قاری چاہے عربی دان ہو یا فارسی دان ہو یا اُردو دان ہو پڑھنے سے تنگ دلی محسوس نہیں کرتا۔ جوں جوں پڑھتا جاتا ہے اس کے دل کی دنیا آباد ہوتی جاتی ہے۔ اس کے سامنے کسی قسم کا حجاب باقی نہیں رہتا۔ علامہ موصوف نے کوئی ایسا پہلو نہیں چھوڑا جس کو اس کتاب میں درج نہ کیا ہو۔ عربی زبان کی سلاست اس قدر عظیم ہے کہ قاری کے سامنے سے تمام حجابات چاک چاک ہو جاتے ہیں یہ ایک ایسا موضوع تھا جس پر قلم اٹھانا لوہے کے دانے چبانے کے برابر تھا۔ کتاب اپنا تعارف خود ہی کروا دیتی ہے۔ علامہ موصوف نے جو مسودہ تحریر کیا تھا اس کی ترتیب نہیں دی تھی۔ کچھ زمانہ بعد عربی کتاب کی اشاعت کرنے والے صاحب نے اس کی ترتیب دی اور مختلف ابواب میں مدون کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں

علامہ موصوف نے مذہبی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنا ہی رنگ اختیار کیا جس میں کوئی مذہب بھی معترض نہیں ہے۔ آخر انسان خطا کا پتلا ہے یا تو قاری کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی اور اعتراض کرنا شروع کر دیتا ہے یا پھر بغض و عناد کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر باتیں بنانا شروع کر دیتا ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے ضمیر کی بات کرتا ہے۔ انصاف کا پہلو ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ ایک نقطہ کی خطا کو پہاڑ کے برابر بنا کر پیش کر دیتا ہے۔ ایسا کرنا دانشوروں کے لائق نہیں ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ اپنی کم علمی کے تحت جس قدر کیا وہ میرے اپنے ضمیر کی بات ہے۔ کسی کے ضمیر کی معرفت کا حصول اتنا آسان نہیں کہ جس پر چاہا کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا۔ کتاب الروح کا مطالعہ دین و دنیا کے پردے چاک کر دیتا ہے۔ علامہ موصوف نے اول سے آخر تک قرآن و حدیث کی روشنی میں فلسفیانہ طور پر ایسے انداز میں بیان کیا ہے کہ یہ ہر طرح سے بے مثال ہے۔ متعدد علماء کرام اس کتاب کو حوالہ بناتے ہیں حضرت پیر و مرشد اعجاز ہادی سید غلام رسول شاہ صاحب خاکی رحمتہ اللہ علیہ اسے قلائد الجواہر سمجھا کرتے تھے۔ یہ جواہرات کا مرقع جس نے پڑھا وہ علمی دنیا کا بادشاہ بنا۔ تمام عالم اسلام میں اس کتاب کا ثانی نظر نہیں آتا۔ ابو الطیب محمد شریف عارف نوری نقشبندی قادری رضوی نے اس میں مزید اضافہ کے ساتھ ابواب کے عنوانات لگا کر مزین و مدون کیا ہے۔ اس سے قبل مترجم کتاب میں یہ بات نہیں ملتی۔ انہوں نے جس بات کو ضروری جانا عامر وقت کے مطابق زیور الفاظ سے آراستہ کیا۔

یہ عربی زبان میں دو ناموں سے متعارف تھی جو دو نام عربی کی کتاب پر مندرج ہیں ان میں ایک نام کتاب الروح ہے اور دوسرا نام سر الروح ہے۔ بالآخر کتاب الروح نام معروف ہو گیا اور عالم اسلام نے اسے پسند کیا۔ ناظرین کی خدمت میں پر زور اپیل ہے کہ اگر ترجمہ میں الفاظ کو نازیبا جانیں یا کتابت کی غلطی نظر آئے تو اصلاح

فرمائے ہوئے سمت فرما دیں۔ یہ بھی ایک عظیم نیکی ہے۔ بجائے تنقید کے اصلاح کرنا ہی اچھا کام ہے۔ جو لوگ صرف تنقید کا دامن تھامے رہتے ہیں وہ دنیا میں سرخروئی حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ گناہوں کا بوجھ اپنے سر پہ اٹھا کر قبر میں ساتھ لے جاتے ہیں اور جو لوگ اصلاح کے پہلو کو دامن گیر رکھتے ہیں وہ دین و دنیا میں سلامت رہ جاتے ہیں۔ جس کا دین و دنیا خراب ہو وہ نامراد ہے۔ اچھی مراد کا حصول ایک راز ہے جسے رب تعالیٰ عطا فرمائے۔

اپریل ۱۹۹۶ء

ضمیر احمد اچھرہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

تواب الفتوح اُردو ترجمہ کتاب الروح نظر سے گذری تو جوں جوں اسے دیکھا دل مدوش ہو گیا۔ فاضل مصنف نے قرآن و حدیث سے استدلال کر کے وہ کام کیا اور اَبَدالآباد تک زندہ رہے گا۔ اس سے قبل اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی جو کما حقہٗ ایک ہی موضوع کی نشاندہی کرتی ہو۔ ارواح کی دنیا پر ایک ایسا بے مثل مجموعہ ہے جو ارواح کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ عارف نوری نے اس کا آسان پیرائے میں ترجمہ کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے تاکہ اس سے ہر قاری نفع حاصل کر سکے۔ اس کتاب کا ہر گھر میں ہونا ایسا ہے جیسا کہ گلے میں جواہرات کا ہار پہنا ہوا ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب لبیب سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے طفیل فاضل مصنف اور مترجم کو مزید ایسے تراجم کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

حکیم فقیر حسین قادری رضوی
فاروق آباد

مارچ ۱۹۹۶ء

باب اوّل

اہلِ قبور کی معرفت وسماعت

سوال :- کیا مُردے اہلِ زیارت کو پہچانتے اور ان کا سلام سنتے ہیں ؟

جواب :- حضور سیّد عالم نورِ مجسّم احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان کسی ایسے شخص کی قبر کے نزدیک سے گزرتا ہے جسے وہ حیاتی میں جانتا تھا اور اس پر سلام کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کی رُوح لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ پتہ چلا کہ مُردہ اہلِ زیارت کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔

الحاصل الکلام :- مختلف اسناد سے شیخین (مسلم وبخاری) میں روایت ہے کہ حضور نبی کریم وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے امر سے بدری مقتول کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا تھا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس گڑھے کے قریب آکر کھڑے ہوئے اور ان کے ناموں کے ساتھ فرمایا کیا تم نے اپنے پروردگار کے عہد کو سچا پایا حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا آپ ان سے خطاب فرما رہے ہیں جن کی لاشیں بھی سڑ چکی ہیں۔ حضور سیّد عالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اے عمر اس خالقِ برحق کی قسم جس نے مجھے رسول برحق بناکر مبعوث فرمایا ہے میری بات تم بھی ان سے زائد نہیں سنتے جس قدر کہ وہ سنتے ہیں مگر

جواب دینے سے قاصر ہیں۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب لوگ مردہ کو دفن کرنے کے بعد واپس آتے ہیں تو مُردہ ان کے جوتوں کی آوازیں سنتا ہے۔ اس کے علاوہ حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی اُمت کو یہ تعلیم بھی دی ہے کہ جب وہ مردوں کو سلام کریں تو خطاب کے ساتھ سلام کریں یہ کہا کریں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ۔ اسے اہل ایمان تم پر سلامتی ہو۔ اس نوع کا خطاب اس سے کیا جاتا ہے جو سماعت و معرفت رکھتا ہو۔ ورنہ یہ خطاب ایسا ہو گا جیسا کہ معدوم جمادات سے کیا جاتا ہے۔ اسلاف اس پر متفق ہیں کہ مردے اہل زیارت کو پہچانتے اور ان سے خوش ہوتے ہیں۔ یہ سلام اور یہ خطاب اور یہ ندا صاحب سماعت موجود مخاطب کے لیے ہے جو سلام کا جواب دے۔ کہتے ہیں کہ صاحب سلام اس کا جواب نہ سن سکے۔ اگر کوئی صاحب میت کے قریب نماز پڑھتا ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے اور اسے نماز کی خبر ہو جاتی ہے۔ اور اس پر نماز کی وجہ سے رشک کرتے ہیں۔

قبر سے آواز آنا:۔ ابو عثمان عبدالرحمٰن ہندی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دن ابن ساس ایک جنازے کے ہمراہ تھے۔ معمولی کپڑے زیب تن تھے کہتے ہیں کہ میں نے ایک قبر کے پاس دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر میں اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا واللہ! میرا دل بیدار تھا۔ قبر سے آواز آئی یہاں سے ہٹ جاؤ مجھے تکلیف نہ دو۔ تم لوگ عمل کر سکتے ہو مگر یہاں کے حالات کی خبر نہیں رکھتے ہو۔ اور ہم حالات کی خبر رکھتے ہیں مگر عمل نہیں کر سکتے۔ مجھے تمہاری جیسی دو رکعات فلاں فلاں چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔

الحاصل الکلام:۔ دیکھئے اس صاحب قبر کو معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص اس کی قبر سے ٹیک لگائے ہوئے ہے اور اسے اس کی نماز کا بھی پتہ چل گیا۔

صاحب قبر کا شکوہ کرنا:۔ ابو قلابہ نے بیان کیا ہے کہ میں شام سے بصرہ آیا اور ایک جگہ ٹھہر گیا۔ رات کو میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں قبر والے کو دیکھا کہ شکایت کر رہا ہے کہ آج رات

تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ پھر کہا کہ تم عمل کرتے ہو اور حالات کی خبر نہیں رکھتے ہو اور ہم حالات کی خبر رکھتے ہیں مگر عمل نہیں کر سکتے۔ پھر کہا کہ تم نے جو دو رکعت نماز پڑھی یہ دنیا جہان سے بہتر ہے۔ پھر کہا اللہ تعالیٰ اہلِ دنیا کو بہتر جزا دے۔ ہماری طرف سے انھیں سلام کہہ دینا۔ ان کی دعاؤں سے ہمیں پہاڑوں جیسا نور حاصل ہوتا ہے۔

آیۂ کریمہ کا کمال: زید بن وہب کا بیان ہے کہ میں ایک قبرستان میں گیا۔ اتنے میں ایک شخص نے آ کر قبر برابر کی۔ پھر میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا یہ کس کی قبر ہے۔ اس نے کہا کہ یہ میرے بھائی کی قبر ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ تمہارے سگے بھائی کی قبر ہے۔ اس نے کہا نہیں میرے اسلامی بھائی کی قبر ہے۔ میں نے اُسے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا سب تعریف اللہ کے لیے ہے آپ تو حیات ہیں۔ کہا سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ جو آیت تم نے پڑھی اگر میں اسے پڑھ سکتا تو یہ مجھے تمام دنیا جہان سے عزیز تھی۔ پھر کہا کہ تم خبر نہیں رکھتے ہو جس جگہ مجھے مسلمانوں نے دفن کیا تھا فلاں شخص نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ کاش میں ان دو رکعات پر اختیار رکھتا تو مجھے یہ دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہیں۔

صبر کا ثمرہ: مؤلف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم موسمِ بہار میں سیر کے لیے نکلے۔ ہمارے راستے میں ایک قبرستان تھا۔ ہم نے خیال کیا کہ جمعہ کے روز اس میں جائیں گے۔ بالآخر جمعہ کے روز ہم اس میں گئے تو وہاں ایک جنازہ دیکھا۔ میں نے خیال کیا کہ اس جنازے میں شرکت کروں۔ بالآخر میں نے اس میں شرکت کی۔ پھر میں قبر کے پاس ہی ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ پھر میں نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ دوگانہ کا حق ادا نہیں ہوا۔ پھر مجھے اونگھ آ گئی۔ خواب میں قبر والے کو دیکھا وہ کہہ رہا تھا کہ دوگانہ تم نے ادا کیا جس کا تمہارے خیال میں حق ادا نہ ہوا۔ میں نے کہا یہ بالکل درست ہے۔ صاحبِ قبر نے کہا کہ تم عمل کر سکتے ہو اور حالات

کی خبر نہیں رکھتے ہو۔ اور ہم حالات کا علم رکھتے ہیں مگر عمل کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر میں تمہارے دوگانہ پر قادر ہوتا تو مجھے یہ دنیا کی تمام دولت سے عزیز تھا۔ میں نے دریافت کیا یہاں کون ہیں۔ اس نے کہا یہاں سب مسلمان ہیں اور تمام کے تمام صالحین ہیں۔ دریافت کیا سب سے بلند مقام والا کون ہے تو انہوں نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی الٰہی اسے میرے پاس بھیج دے کہ میں اس سے کچھ گفتگو کروں۔ اتنے میں اس قبر سے ایک نوجوان نمودار ہوا۔ میں نے اس سے دریافت کیا تم تمام اہل قبور سے افضل ہو۔ اس نے کہا لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا تم نے کونسا عمل کیا ہے عمر تو بتاتی ہے کہ نہ ہی زیادہ حج اور عمرے کیے ہوں گے یا پھر فی سبیل اللہ جہاد کیا ہوگا اور بڑے بڑے عمل کیے ہوں گے۔ اس نے کہا میں دنیا میں مصائب میں گرفتار رہتا تھا اور مصائب پر صبر کرتا تھا۔ اسی وجہ سے میرا مقام سب سے بلند ہے۔

اس سے قبل جو خواب بیان کیے گئے وہ اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے دلیل نہیں لیکن اس موضوع پر بہت سے خواب ہیں اور حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا میری رائے میں تمہارے خواب اس بات پر متفق ہیں کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ میں ہے۔ پتہ چلا کہ کسی مسئلہ پر اہل ایمان کے خوابوں کی موافقت ان کی روایت اور ان کی رائے کے قائم مقام ہے اور اللہ کے نزدیک بھی وہ چیز بہتر ہوتی ہے جو ان کے نزدیک کہتر بہتر ہے۔ اس کے علاوہ یہ مسئلہ برہان سے بھی ثابت کیا گیا ہے۔ خوابوں کے واقعات تو گواہی کے طور پر ہیں۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے

مُردوں کا حاضرین سے اُنس حاصل کرنا: کہ مُردہ دفن کیے جانے کے بعد جنازے میں شرکت کرنے والوں سے مانوس ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ عمرو بن العاص مرض الموت میں دیوار کی طرف منہ پھیر کر کافی دیر تک روتے رہے۔ آپ کے بیٹے نے کہا

اے باپ تم کیوں روتے ہو کیا رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے آپ کو فلاں فلاں خوشخبری نہیں دی تھی۔ کہا کہ ہم سب سے افضل اللہ اور اُس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقرار کو سمجھتے تھے۔ میری حالتِ زندگی تین مختلف حالتوں سے گذری ہے۔ ایک زمانہ میں تو مجھے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات سے بہت زیادہ دشمنی تھی۔ اور آپ کے قتل کرنے سے زیادہ مجھے کوئی بات بھی پسند نہیں تھی۔ خدا نہ کرے کہ اگر اس حالت میں میں لقمۂ اجل ہو جاتا تو یقیناً دوزخ میں جاتا۔ پھر جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کا بیت ڈالی تو میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ آپ اپنا ہاتھ مبارک پھیلائیں تاکہ میں بیعت کر لوں۔ آپ نے دایاں ہاتھ پھیلا دیا۔ لیکن میں نے اپنا ہاتھ اکٹھا کر لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت کیا عمرو کیا بات ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ایک شرط ہے۔ آپ نے فرمایا کیا شرط ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ شرط یہ ہے کہ میرے تمام گناہ باطل ہو جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اے عمرو کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام، ہجرت اور حج سے تمام پہلے گناہ باطل ہو جاتے ہیں اب آپ مجھے سب سے زیادہ پیارے اور میری نظر میں سب سے زیادہ قدر والے تھے۔ آپ کی شانِ جلالت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ دریافت کرتا تو بتانے سے عاجز تھا۔ کیونکہ شانِ جلالت کے سبب اچھی طرح دیکھتا ہی نہیں تھا۔ اگر میں ایسی حالت میں لقمۂ اجل ہو جاتا تو میں جانتا تھا بہشتی ہوتا۔ پھر مجھے ایسے حالات کا سامنا ہوا کہ میں نہیں جانتا کہ ان کی وجہ سے میرا انجام کیا ہو۔ جب میں مر جاؤں تو میرے جنازے پر نوحہ خوانی نہ کی جائے اور نہ ہی آگ ہو۔ جب تم مجھے دفن کر لو تو میری قبر کے چاروں طرف اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر اونٹنی ذبح کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے تاکہ میں تم سے مانوس رہوں اور مجھے پتہ چل جائے کہ میرے پروردگار کے قاصد کیا لے کر جاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ مردہ حاضرین قبر سے مانوس اور خوش ہوتا ہے

بعد از دفن آیت قرآنی تلاوت کرنا: صالحین کے ایک گروہ سے نقل ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ بعد از دفن ان کی قبر کے پاس قرآن پڑھا جائے۔ عبدالحق سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حکم کیا تھا کہ میری قبر پر سورۂ بقر کی تلاوت کی جائے۔ معلی بن عبدالرحمٰن کی بھی یہی رائے تھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابتداءً میں قائل نہیں تھے کیونکہ یہ اثر انہیں نہیں پہنچا تھا مگر اس کے بعد وہ قائل ہو گئے تھے۔ علاء بن لجلاج نے کہا کہ میرے باپ نے وصیت کی کہ جب میں انتقال کر جاؤں تو مجھے لحد میں دفن کرنا اور مجھے لحد میں اتارتے ہوئے بسم اللہ وعلیٰ سنۃ رسول اللہ پڑھنا اور مٹی ڈال کر قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی پہلی آیات تلاوت کرنا کیونکہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

قبر پر قرآن خوانی کرنا: عباس دوری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ قبر پر قرآن خوانی کے بارے میں کوئی روایت محفوظ ہے تو انہوں نے کہا نہیں۔ اور جب یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ علی بن موسیٰ الحداد سے مروی ہے کہ میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن قدامۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ایک جنازے میں شریک تھا۔ دفن سے فارغ ہو کر ایک اندھا قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کرنے لگا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قبر کے پاس تلاوت قرآن بدعت ہے پھر جب ہم قبرستان سے باہر آئے تو محمد بن قدامۃ نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ مبشر حلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا ثقہ ہیں۔ دریافت کیا آپ نے ان سے کچھ روایات رقم کی ہیں۔ کہا ہاں۔ ابن قدامہ نے کہا مجھے مبشر نے عبدالرحمٰن بن العلاء بن لجلاج سے انہوں نے اپنے والد سے خبر دی کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ دفن کرنے کے بعد ان کے سرہانے سورہ بقرہ کا پہلا اور آخری رکوع پڑھا جائے اور کہا تھا کہ میں نے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سُنا تھا کہ آپ نے بھی یہی وصیت کی تھی۔ پھر ان سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نابینا سے جا کر کہہ دو کہ قرآن کی تلاوت کرے۔

حسن بن صباح سے روایت ہے کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے قبر کے پاس قرآن خوانی کے بارے میں دریافت کیا کوئی حرج نہیں۔ شعبی نے کہا کہ جب انصار کا کوئی عزیز لقمۂ اجل ہو جاتا تو وہ اس کی قبر کے پاس آکر تلاوتِ قرآن مجید کیا کرتے تھے۔

قرآن خوانی سے نفع رسانی:۔ حسن بن جروی نے کہا کہ میں نے اپنی ہمشیرہ کی قبر کے پاس سورہ ملک پڑھی۔ پھر ایک آدمی نے مجھ سے آکر کہا کہ میں نے تمہاری بہن کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہتی تھیں کہ اللہ انھیں بہتر صلہ دے ان کی قرآن خوانی نے مجھے نفع پہنچایا۔

سورۂ یٰسین سے نفع رسانی:۔ مروی ہے کہ ایک شخص اپنی ماں کی قبر پر جا کر ہر جمعہ کے روز سورۂ یٰسین کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ ایک روز اس نے سورۂ یٰسین تلاوت کرکے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی الٰہی اگر تیرے نزدیک اس سورۃ سے ثواب ملتا ہے تو اس قبرستان کے مُردوں کو ثواب پہنچا۔ دوسرے جمعہ کے روز اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے دریافت کیا کہ تم فلاں بن فلاں ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ اس نے کہا میری ایک لڑکی لقمۂ اجل ہو گئی ہے۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ اپنی قبر کے کنارے پر بیٹھی ہے۔ میں نے لڑکی سے دریافت کیا یہاں کس لیے بیٹھی ہو۔ لڑکی نے آپ کا نام لے کر کہا کہ وہ ماں کی قبر پر آئے اور انہوں نے سورۂ یٰسین پڑھ کر اس کا ثواب سب کے سب مُردوں کو بخش دیا اس میں سے کچھ ثواب مجھے بھی ملا۔

فرمانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء:۔ حضور سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ تم اپنے مُردوں کے پاس

سورۂ یٰسین پڑھا کرو۔ اس کے دو معنی ہیں وہ یہ کہ مرنے والوں کے پاس پڑھو یا ان کی قبور پر پڑھو۔ پہلا مطلب زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ اس کی نظیر آپ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ پھر مرنے والوں کو اس سے نفع ہوتا ہے کیونکہ اس میں توحید اور آخرت کا بیان ہے۔ اور توحید پرستوں کے لیے بہشت کی خوشخبری ہے اور توحید پر ختم ہونے والوں پر رشک ہے۔ فرمایا کاش کہ میری قوم کو بھی پتہ چل جاتا کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے اہل آبرو میں شامل کر دیا۔ یہ خوشخبری سن کر روح خوش ہوتی ہے اور لقائے الٰہی چاہتی ہے۔ پھر اللہ بھی اس سے لقاء پسند فرماتا ہے۔ سورہ یٰسین قرآن کا دل ہے اگر یہ مرنے والے کے پاس تلاوت کی جائے گی تو یہ عجیب خاصیت کی حامل ہو گی۔

علامہ ابن جوزی نے بیان کیا کہ ہم اپنے بزرگ

علامہ ابن جوزی کا بیان:- ابو الوقت عبد الاول کی سکرات کے وقت موجود تھے۔ موت سے کچھ دیر پہلے آپ نے آفاق کی طرف دیکھا اور مسکرا کر آیت شریف تلاوت کی یا لیت قومی یعلمون الخ اور سدھار گئے۔ لوگوں کی زمانۂ قدیم سے یہ عادت چلی آ رہی ہے کہ اہل موت کے پاس سورۂ یٰسین پڑھا کرتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اگر صحابہ کرام اس حدیث سے یہ مطلب سمجھتے کہ مردوں کی قبور پر سورۂ یٰسین پڑھنے کا حکم ہے تو ارشاد کی تعمیل کرتے۔ اور یہ عمل ان میں معروف ہوتا اور ان کی عادت میں بھی داخل ہوتا۔ پانچویں یہ کہ سورۂ یٰسین کی قرأت و تلاوت سے اہل موت کو نفع پہنچانا اور تلاوت قرآن مجید کے وقت اس کے دل اور اس کے ذہن کی طرف متوجہ کرنا مقصد ہوتا ہے تاکہ تلاوتِ قرآنی سماعت کرتے ہوئے موت واقع ہو جائے۔ لیکن قبر پر پڑھنے سے کیا فائدہ کیونکہ یا تو ثواب قرآن خوانی سے ملتا ہے یا قرآن کی سماعت سنے۔ دونوں صورتوں میں عمل ہے۔ اور جو قبر میں چلا گیا اس کا عمل ختم ہو گیا۔ حافظ

ابو محمد عبد الحق اشبیلی نے بھی اس موضوع پر بات چیت کی ہے اور یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مُردے زندوں سے سوال کرتے ہیں اور ان کے اقوال و اعمال کا علم رکھتے ہیں۔ اور یہ حدیث لائے ہیں کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات کا فرمان عالی شان ہے کہ جو شخص اپنے جاننے پہچاننے والے کے کسی مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور اس پر سلام کرتا ہے تو وہ اسے یقیناً شناخت کر لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر اجنبی پر سلام کرتا ہے تو وہ بھی اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ جو شخص مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور قبر کے پاس بیٹھتا ہے تو جب تک وہ بیٹھا رہتا ہے وہ اس سے مانوس رہتا ہے۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے یہ حجت پیش کی ہے کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا جو مجھ پر سلام کرتا ہے اللہ میری روح لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔

قبر میں سلام کا جواب دینا:۔ حضرت سلیمان بن نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور دریافت کیا اے اللہ کے محبوب لوگ آپ کی قبر کے پاس آتے اور سلام کرتے ہیں کیا آپ کو خبر ہو جاتی ہے! آپ نے فرمایا ہاں مجھے اس کی خبر ہو جاتی ہے اور میں ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔ قبرستان میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم اہل الدیار الخ پڑھا جاتا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ قبر والے کو سلام کرنے کی اور اس کی دعا کا علم ہو جاتا ہے۔

فضل بن موفق کا بیان:۔ ایک شخص فضل بن موفق نامی نے کہا کہ میں بکثرت اپنے باپ کی قبر پر جاتا تھا۔ ایک روز ایک جنازے میں شریک ہوا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ قبر پر نہ جا سکا۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے باپ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ تم آج میرے پاس کیوں نہیں آئے میں نے باپ سے دریافت کیا کہ آپ کو میرے آنے کی خبر ہو جاتی ہے۔ باپ نے کہا

ہاں ہاں۔ واللہ میں برابر آگاہ رہتا ہوں۔ جب تم پل سے اتر کر میرے پاس آ کر بیٹھتے ہو پھر اٹھ کر واپس جاتے ہو تو میں تمہیں برابر دیکھتا رہتا ہوں جب تک کہ تم پل کو پار نہیں کر جاتے۔

حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے

اہل وعیال کے حالات سے باخبر رہنا۔ کہا کہ مرنے والا اپنے اہل وعیال کے حالات سے باخبر رہتا ہے اسے ان کے غسل دینے اور کفنانے کا بھی علم ہوتا ہے اور وہ انھیں دیکھتا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ مردہ اپنی اولاد کی نیکیوں سے قبر میں خوش ہوتا ہے۔

زمانۂ قدیم سے اب تک یہ رواج جاری وساری ہے کہ

قبر پر نام لے کر پکارنا۔ قبر میں میت کو تلقین کی جاتی ہے۔ اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ مردہ سنتا ہے اور تلقین سے اسے نفع حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ تلقین بے سود ہو جاتی ہے۔ اس معاملے میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے تلقین کو اچھا جانا اور لوگوں کے عمل سے دلیل پکڑی۔ اس کے بارے میں ایک ضعیف حدیث بھی آئی ہے کہ حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ مردے پر مٹی ڈالنے کے بعد ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر قبر والے کو اس کا نام اور اس کی والدہ کے نام سے پکارے پھر دوسری دفعہ نام لے کر پکارے گا تو وہ جواب دے گا لیکن تم [illegible] کا جواب نہیں سن سکو گے۔ الٰہی اس پر رحم فرما۔ ہماری جہانی سے نفع اٹھاؤ پھر کہیے کہ تم جس اقرار توحید ورسالت پر دنیا سے سدھارے وہ یاد کرو یعنی کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ذہن میں رکھو اور یہ بھی کہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دین اسلام سے، نبوت محمدیہ سے اور قرآن کے رہبر ورہنما ہونے سے راضی تھے۔ یہ تلقین سن کر منکر نکیر ہٹ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آؤ واپس چلو۔ اس کے پاس ٹھہرنا اچھا نہیں۔ اسے اس کی حجت یاد دلادی گئی اور اس کے درمیان جھگڑنے کے لیے اللہ اور اس کا رسول آ گیا۔ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ اگر کسی کو

قبر والے کی ماں کا نام یاد نہ ہو۔ تو فرمایا کہ ایسی صورت میں اس کی ماں حوّا کا نام لے لے۔ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا کوئی ثبوت نہیں لیکن تمام شہروں اور ہر زمانے میں بلا انکار اس پر عمل برابر ہوتا ہے۔ اور یہی بات اس پر عمل کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ ناممکن ہے روئے زمین کی اُمت جو اپنی عقل اور وسیع معلومات میں کامل ترین ہے۔ ایسے لوگوں سے خطاب کرنے پر اتفاق کرے جو نہ سن سکتے ہوں اور نہ سمجھ سکتے ہوں اور اسے بہتر سمجھا اور اس کا کوئی انکار نہ کرے بلکہ پہلے اور آنے والوں کے لیے طریقہ جاری کر جائیں اور اس بات میں پہلے اور آنے والوں کے قدم بقدم چلیں۔ اگر مخاطب میں سننے اور سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو تو یہ خطاب ایسا ہے جیسے کوئی مٹی لکڑی پتھر اور معدوم سے خطاب کرتا ہے۔ ایسے خطاب کو کوئی بیوقوف اچھا جانے مگر تمام اہل علم تو اچھا نہیں جان سکتے۔

امام الانبیاء کا شرکت فرمانا۔ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنازے میں شرکت فرمائی۔ آپ نے دفن کرنے کے بعد فرمایا اپنے بھائی کے لیے ثابت قدمی کی دعا کیجئے۔ کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے۔

الحاصل کلام۔ معلوم ہوا کہ جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ تلقین بھی سنتا ہے۔ یہ بات بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ قبر والا واپس ہونے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

دُعا کا کمال۔ ایک صالح آدمی نے بیان کیا کہ میرا بھائی لقمۂ اجل ہو گیا۔ میں نے اُسے خواب میں دیکھا اور اُس سے دریافت کیا کہ جب تم دفن کیے گئے تو کیا ماجرا ہوا۔ اس نے کہا آ[illegible] میرے پاس آگ کا ایک شعلہ لے کر آیا۔ اگر دُعا کرنے والے میرے لیے دعا نہ کرتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔

ہلاکت سے نجات کا سبب۔ عبد الحق، شبیب بن شیبت نے کہا کہ مرتے وقت میری ماں نے مجھے [illegible] کی کہ

مجھے دفن کرنے کے بعد میری قبر پر ٹھہر کر کہنا کہ اے شبیب کی ماں لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔ کہتے ہیں کہ پھر تدفین کے بعد میں نے ان کی قبر پر ٹھہر کر ان کی وصیت کو پورا کیا۔ پھر رات کو انھیں خواب میں دیکھا کہ فرما رہی ہیں کہ اگر لا الٰہ الا اللہ مجھے نہ سنبھالتا تو میں ہلاک ہو جاتی۔ شاباش بیٹا تم نے میری وصیت کو فراموش نہ کیا۔

خواب میں زیارت سے خوشخبری دینا:- تما ضر بنت سہل ایوب بن عینیہ کی بیوی کا بیان ہے کہ میں نے سفیان بن عینیہ کو خواب میں دیکھا کہہ رہے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میرے بھائی کو بہتر جزا دے وہ میری بکثرت زیارت کرتے ہیں۔ وہ آج بھی میرے پاس آئے تھے۔ ایوب نے یہ سن کر کہا واقعی آج بھی وہ قبرستان گئے تھے اور سفیان کی قبر پر بھی گئے تھے۔

قرضہ کی واپسی کروانا:- ابن ابی الدنیا سے مروی ہے کہ صعب و عوف دونوں باہم بھائی بھائی تھے اور وہ یقین رکھتے تھے کہ ہم میں سے جو پہلے لقمۂ اجل ہو جائے تو جب بھی یہ باہمی محبت ختم نہیں ہو گی اور خواب میں ہی ملاقات ہو جایا کرے گی۔ صعب پہلے انتقال کر گیا اور عوف نے انھیں خواب میں دیکھا کہ وہ آئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا اے میرے بھائی آپ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔ بھائی نے کہا مصیبتوں کے بعد ہمیں بخش دیا گیا۔ میں نے ان کی گردن میں ایک سیاہ دھبہ دیکھا اور دریافت کیا کہ یہ سیاہ دھبہ کیسا ہے تو انھوں نے کہا یہ دس دینار ہیں جو میں نے فلاں یہودی سے قرض لیے تھے وہ میرے پاس جو سینگ تھا اس میں ہیں انھیں نکال کر اسے دے دیجئے۔ میرے گھر میں جو جو واقعات رونما ہوتے ہیں مجھے ان سب کا علم ہوتا ہے یہاں تک کہ آج سے کچھ روز پہلے ہماری بلی مر گئی تھی وہ بھی میرے علم میں ہے۔ دیکھئے میری بچی چھ روز کے بعد انتقال کر جائے گی اس لیے اس کی خدمت کیجئے۔ پھر میں صبح کو ان کے گھر گیا۔ گھر والوں نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی شکایت بھی کر دی کہ آپ کا اپنے

بھائی کے پسماندگان کے ساتھ یہی سلوک رہ گیا ہے کہ صعب کے انتقال کے بعد سے آج تک آج ہی آپ کی صورت دیکھی ہے۔ میں نے معذرت طلب کرتے ہوئے سینگ اٹھایا اور اس میں سے ایک دیناروں والی تھیلی برآمد ہوئی۔ پھر میں نے یہودی کو بلوا کر دریافت کیا کہ تم نے صعب کو کچھ قرض دیا تھا جو ابھی تک ادا نہیں ہوا۔ یہودی نے کہا اللہ صعب پر رحم فرمائے وہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء کے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ میں نے ان سے جو کچھ لینا تھا وہ انھیں معاف کر دیا۔ میں نے یہودی سے کہا کہ بتاؤ بالآخر کتنا قرضہ تھا یہودی نے کہا دس دینار تھے۔ میں نے وہ دس دینار اسے دے دیئے۔ یہودی نے کہا واللہ! یہی وہ دینار ہیں جو میں نے اسے دیئے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ خواب کی ایک بات تو حقیقت بنی۔ پھر میں نے اہل خانہ سے دریافت کیا کہ صعب کے مرنے کے بعد گھر میں کچھ نئے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ اہل خانہ نے بتایا کہ فلاں فلاں واقعہ رونما ہوا حتیٰ کہ بلی کی موت کا واقعہ بھی بتایا۔ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ دو باتیں تو حقیقت ہوئیں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ میری بھتیجی کہاں ہے انھوں نے کہا کھیل رہی ہے میں نے اس کے قریب جا کر اُسے ہاتھ لگایا تو اس کا جسم ابھی گرم تھا اور اسے بخار تھا۔ میں نے کہا تم اس کی خوب خدمت کرو۔ بالآخر چھ روز کے بعد لقمۂ اجل ہو گئی۔

الحاصل کلام: ایک شخص عوف نامی صحابی تھے نہایت عقلمند تھے۔ موت کے بعد خواب میں جو صعب نے انھیں وصیت کی تھی اسے چند قرائن سے صحیح سمجھ کر ان کی وصیت نافذ کر دی۔ مثلاً خواب میں بتا دیا گیا تھا کہ دس دینار ہیں اور سینگ میں ہیں۔ پھر یہودی سے پوچھنے پر خواب کی تصدیق بھی ہو گئی اور عوف نے خواب کی حقیقت کو صحیح جانتے ہوئے یہودی کو دینار بھی دے دیئے۔ یہ بھی ایک قسم کی فقہ ہے جو ذہن وسیع معلومات والے علماء کا حصہ ہے اور وہ تو صحابی تھے۔ ممکن ہے کہ آج کل کے لوگ

اسے ماننے سے انکار کردیں اور یہ حجت پیش کریں کہ عوف نے مصعب کے ترکہ کے دس دینار جو اب مصعب کے یتیم بچوں کے تھے ایک خواب کے موجب یہودی کو کس دلیل سے دے دیئے۔ یہ ان کے لیے روا نہیں تھا۔ اس فقر کی جس سے اللہ نے اپنے خاص خاص بندوں کو نوازا ہے۔ نظیر میں ثابت بن قیس کا واقعہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ان سے فرمایا تھا کہ ثابت کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمہاری زندگی قابل تعریف ہو۔ شہادت کی موت ہو اور بہشت میں داخل ہوجاؤ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے

اعمال کا برباد ہوجانا: کہ ثابت نامی شخص جنگ یمامہ میں شہید ہوا۔ ثابت کی ایک بیٹی کا بیان ہے کہ جب آیت یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ الخ اے ایمان والو نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو' اتری تو میرے باپ گھر میں آکر مکان کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ جب حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے انھیں نہیں دیکھا تو ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا۔ تو انھوں نے کہا میری آواز بلند ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے عمل برباد ہو گئے ہوں۔ فرمایا نہیں نہیں! تم ان میں سے نہیں ہو بلکہ تمہارا جینا اور تمہارا مرنا بہتر ہے۔ پھر جب آیت مبارکہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اللہ ہر مغرور اور شیخی بگھارنے والے کو پسند نہیں کرتا نازل ہوئی تو مکان کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے اور رونے لگے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں نہ دیکھا اور ان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا۔ کہا یا رسول اللہ مجھے جمال محبوب ہے اور اپنی قوم کی سرداری بھی محبوب ہے۔ فرمایا تم مغروروں میں سے نہیں ہو بلکہ تمہارا زندہ رہنا تعریف کے لائق ہے اور موت بھی شہادت کی ہے اور تم بہشتی بھی ہو۔ فرماتی ہیں کہ میرے باپ جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے

ہمراہ تھے۔ جب مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کی افواج میں مڈبھیڑ ہوئی اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ثابت اور سالم مولیٰ ابو حذیفہ نے فرمایا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔ پھر دونوں نے گڑھے کھودے اور ان میں جم کر آخر دم تک لڑتے رہے بالآخر شہادت کا جام نوش فرمایا۔ اس جنگ میں حضرت ثابت کے جسم پر ایک عمدہ زرہ تھی۔ ایک مسلمان نے ان کی لاش کے پاس آکر زرہ اتار لی پھر کسی دوسرے مسلمان نے انھیں خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں خبردار خواب کی وصیت سمجھ کر اسے ضائع نہ کرنا۔ کل میرے قتل کیے جانے کے بعد ایک مسلمان نے میری زرہ اتار لی ہے اس کا مکان آبادی کے آخر پر ہے اور اس کے خیمہ کے پاس ایک لمبی رسی میں گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اس نے زرہ پر ایک ہانڈی اوندھا دی ہے اور ہانڈی کے اوپر کجاوہ ہے تم خالد کے پاس جاکر ان سے کہو کہ وہ زرہ کسی آدمی کو بھیج کر منگوا لیں۔ اور جب تم مدینہ میں جاؤ تو اللہ کے محبوب کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر کہو کہ مجھ پر اتنا قرضہ ہے اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد ہے۔ وہ آدمی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں اپنا خواب سنایا تو انھوں نے ایک آدمی کو بھیجا اور زرہ منگوالی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خواب بیان کیا تو آپ نے بھی ان کی وصیت جاری فرمائی سوائے حضرت ثابت کے ہمیں کوئی اور ایسا شخص معلوم نہیں کہ جس کے انتقال کے بعد وصیت کو جاری کیا گیا ہو۔

الحاصل کلام: حاصل کلام یہ کہ اس خواب کی وصیت پر عمل کرنے پر حضرت خالد بن ولید اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ نے رضا دیگر صحابہ کرام نے اتفاق کیا جب کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میاں بیوی میں سے مدعی کے اس قول کو جو اس کے لیے مناسب ہے۔ اس کے صدق کے قرینے سے مان لیتے ہیں تو خواب

کی وصیت بدرجہ اولیٰ ماننی پڑے گی۔ اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دعویدار دیوار کا قول مان لیتے ہیں جبکہ اس کی طرف اینٹیں اور ریاں پڑی ہوئی ہوں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کی قسم پر قرینہ کی موجودگی میں عورت پر حد مشروع فرمادی ہے کیونکہ یہ خاوند کی سچائی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ قسامہ میں دعویداروں کی قسموں سے قرینہ قتل کی موجودگی میں ملزم کو قتل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سفر میں انتقال کرتے وقت دو غیر مسلموں کو وصیت کر جائے اور ان کی خیانت کی وارثین کو خبر ہو جائے تو وارث چرائی ہوئی چیز پر قسم کھا کر اس کے حقدار بن سکتے ہیں۔ اور ان کی قسم وصیت کیے جانے والوں کی اقسام سے اولیٰ ہے۔ یہ حکم سورۂ مائدہ میں ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی اور اس حکم کی تنسیخ کرنے والا کوئی حکم نازل نہیں ہوا اور اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام بھی عامل رہے۔ اس سے پتہ چلا کہ مالی معاملات میں اتہام کی بناء پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جب صرف اتہام سے قسامت میں خون مباح ہے تو اگر مالی معاملات میں روشن قرینوں کی بنا پر الزام کے سلسلے میں قدم اٹھایا جائے تو بدرجہ اولیٰ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی پر چوری معلوم کرنے میں انصاف پسند منصفوں کا عمل ہے اور اس کے منکر بھی حکام سے تعاون کر کے اپنے مال برآمد کرا لیتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے گواہی کا واقعہ سورۂ یوسف میں بیان فرمایا ہے جس نے قرینہ سے یوسف صدیق اور عزیز کی عورت کے درمیان فیصلہ کیا تھا اور کہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور عورت جھوٹی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اسے برقرار رکھنے کے لیے بیان فرمایا ہے۔

ایک اور واقعہ عجوبہ:

اسی طرح حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کہ دو عورتوں کے درمیان ایک لڑکے کا جھگڑا تھا۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا چھری لاؤ

میں لڑکے کو کاٹ کر آدھا آدھا دونوں کو دے دیتا ہوں۔ بڑی عورت نے کہا یہ فیصلہ مجھے منظور ہے۔ لیکن چھوٹی عورت نے کہا اللہ کے لیے اسے کاٹیے نہیں بڑی کو ہی دے دیجئے۔ بالآخر آپ نے چھوٹی عورت کو بچہ دے دیا کیونکہ اس کے کاٹنے سے اس کے دل پر تکلیف ہوئی اور اس نے سوچا کہ اگر بڑی عورت کے پاس رہا تو زندہ رہے گا اور میرا دل ٹھنڈا رہے گا۔ یہ طریقہ بہت بہتر اور منصفانہ ہے اسلام نے اسے ترجیح دی ہے اور اس کی صحت کی شہادت دی ہے۔ البتہ مشابہت کی بناء پر قیافہ و اندازہ سے حکم لگانا اور اس سے نسبت ملانا بھی درست ہے۔ کیونکہ اس میں اکثر اشتباہ رہتا ہے۔ غرضیکہ جب قبر والا ان تمام تفصیلات و جزئیات کا عالم بنا دیا جاتا ہے تو اہل زیارت سے اور اس کی دعا اور اس کے سلام سے بدرجہ اولیٰ عالم بنا دیا جاتا ہے۔

باب دوم

ارواح کا باہم ملاقات کرنا

سوال:- کیا ارواح باہم زیارت و ملاقات اور مذاکرہ کرتے ہیں؟

جواب:- جاننا چاہیے کہ ارواح دو اقسام میں منقسم ہیں۔ سجین والی ارواح اور علیین والی ارواح۔ سجین والی ارواح تو عذاب میں مبتلا ہیں۔ یہ چلنے پھرنے سے عاجز ہیں لیکن جو صاحب عمل اور آزاد ارواح ہیں وہ باہم ملتی جلتی ہیں اور دنیا میں ان پر جو واقعات گزرے ہیں انہیں یاد کرتی ہیں اور ان واقعات پر بھی بات چیت کرتی ہیں جو اہل دنیا کو پیش آتے رہتے ہیں۔

لقائے روح کا راز ہر روح اپنے رفیق یعنی اپنے ہم شکل عمل والی روح کے ساتھ ملتی ہے۔ اسی لیے حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک رفیق اعلیٰ میں ہے۔ ارشاد باری ہے: وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ الخ اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کا انعام ہے یعنی انبیاء، صدیق، شہید اور صالح حضرات کے ساتھ اور وہ بہترین ساتھی ہیں۔ مل جل کر رہنا دنیا میں بھی پایا جاتا ہے اور برزخ و عالم آخرت میں بھی پایا جائے گا ان تینوں مقامات میں انسان اپنے احباب کے ہمراہ رہتا ہے۔

حضرت مسروق سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں دنیا میں ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کی جدائی گوارا نہیں۔ لیکن دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد آپ تو اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے اور ہم آپ کے دیدار کو ترسیں گے اس پر آیۂ مذکورہ نازل ہوئی۔

امام شعبی سے مروی ہے کہ ایک انصاری روتا ہوا حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے انصاری سے دریافت کیا اے انصاری تم کیوں روتے ہو۔ انصاری نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں آپ کو اپنے مال و جان اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ واللہ! میں آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔ جب آپ مجھے گھر میں یاد آتے ہیں تو آپ کو دیکھے بغیر مجھے سکون حاصل نہیں ہوتا۔ پھر جب مجھے اپنی اور آپ کی موت یاد آجاتی ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ جب مجھے دنیا ہی میں آپ کی ملاقات نصیب ہے تو پھر آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے مابین اٹھایا جائے گا۔ اور اگر مجھے جنت حاصل ہوئی تو آپ کے مقام سے نیچے والا مقام ملے گا۔ اس پر آپ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ مذکورہ بالا آیت مبارکہ نازل ہوئی یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ اے اطمینان والی روح۔ خوشی خوشی اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا۔ تمہارا پروردگار بھی تم سے راضی ہے اور میرے بندوں میں اور میرے بہشت میں داخل ہو جا۔ اور انہیں کے ساتھ مل جل کر رہ۔ یہ موت کے وقت روح سے کہا جاتا ہے۔

انبیا سے ملاقات کا راز

قصہ معراج میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور کچھ دیر تک باہم گفتگو کی۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا القیامت سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھ سے ایک وعدہ فرمایا

ہے۔ پھر آپ نے دجال کے نکلنے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ پھر میں آسمان سے اتروں گا اور دجال کو
قتل کروں گا۔ اور لوگ اپنے اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ انہیں یاجوج ماجوج ملیں گے
جو ہر بلندی سے اترتے ہوں گے۔ پانی سے گزریں گے تو اسے پی کر ختم کر دیں گے۔ غرضیکہ
جس چیز سے گزریں گے اسے تباہ کر دیں گے۔ لوگ میرے پاس ان کا شکوہ کریں گے۔ میں
ان کے لیے اللہ سے بد دعا کروں گا۔ اللہ انہیں مار دے گا۔ ان کی بدبو سے زمین بھی اللہ سے
شکوہ کرے گی اور لوگ بھی مجھ سے شکایت کریں گے۔ بالآخر میں اللہ سے دعا کروں گا۔
پھر عنایت الٰہی سے پانی برسے گا جس سے ان کی لاشیں بہہ کر سمندر میں چلی جائیں گی پھر
پہاڑ بکھیر دیئے جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح کھینچ دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے
مجھ سے عہد کیا ہے کہ جب یہاں تک نوبت آجائے گی تو حشر پورے دنوں کی طرح حاملہ کی
طرح ہو گی کہ نامعلوم صبح اور شام میں کس وقت اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے۔

حاصل کلام یہ کہ حدیث اجتماع ارواح پر اور مذاکرہ علم پر واضح

الحاصل کلام: دلیل و برہان ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں
فرمایا کہ وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے وہ اپنے پیچھے
رہ جانے والوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اور نعمت خداوندی اور فضل الٰہی سے بھی خوش
ہوتے ہیں۔ اس سے تین صورتوں سے ارواح کے باہمی ملاقات کا ثبوت ملتا ہے۔
چونکہ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور زندہ ہیں۔ آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ نیز اپنے بھائیوں
کے آنے سے اور ان کی ملاقات سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ لغت میں
استبشار تباشر کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی ایک دوسرے کو خوشخبری سناتا ہے
تو اثر خواب سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔

صالح بن بشیر بصری نے کہا ہے کہ میں نے

خواب میں بشارت سنانا۔ عطاء سلمی کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا

اللہ تم پر رحم فرمائے تم دنیا میں بہت غمگین رہتے تھے۔ فرمایا واللہ! اس لمبے غم کے بعد اللہ نے مجھے لمبی خوشی اور ہمیشہ کا سرور عطا فرمادیا۔ میں نے دریافت کیا آپ کس درجے میں ہیں فرمایا میں انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین کے ہمراہ ہوں۔

لقائے نبوی کا حصول: ابن مبارک نے کہا کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ فرمایا میں نے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے اور آپ کے ساتھیوں سے ملاقات کرلی۔

مغفرت کا راز عجوبہ: معمر بن راشد نے کہا کہ میں نے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ نے وصال تو نہیں فرمایا۔ فرمایا کیوں نہیں۔ میں نے دریافت کیا پھر اللہ نے آپ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ فرمایا مجھے بخش دیا اس طرح بخشا کہ مجھ پر کوئی گناہ باقی نہ رہا۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا واہ واہ وہ تو انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین کے ہمراہ ہیں۔

خواب میں صالحین کی زیارت ہونا: یحییٰ بن راشد نے کہا کہ مروان عجلی میرے ہمسائے تھے۔ آپ قاضی اور مجتہد تھے۔ قضائے کار وصال کر گئے۔ ان کے وصال کا مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں نے انہیں خواب میں دیکھ کر ان سے دریافت کیا کہ بتائیے تمہارا کیا حال ہے۔ فرمایا مجھے رب ذوالجلال نے جنت میں جگہ دی۔ میں نے دریافت کیا اور کیا کچھ ملا۔ فرمایا میرا درجہ اصحاب یمین تک بلند کر دیا گیا۔ پھر میں نے دریافت کیا اور کیا کچھ ملا۔ فرمایا مجھے مقرب حضرات تک چڑھا دیا گیا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے کس کس بھائی کو دیکھا۔ فرمایا میں نے حسن بصری، ابن سیرین اور میمون بن سیاہ کو دیکھا۔

مروان کے جنازہ کا گزرنا۔ ام عبداللہ بصری نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا جیسا کہ میں ایک عجیب صورت گھر میں داخل ہوئی۔ پھر ایک باغ میں گئی جو انتہائی سجا ہوا تھا۔ میں نے اس میں ایک شخص کو دیکھا جو سونے کے تخت پر آرام سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور اس کے چاروں طرف جام لیے ہوئے غلام کھڑے ہیں۔ میں وہاں کی خوبصورتی دیکھ کر حیران ہو گئی اتنے میں کہا گیا کہ مروان محلمی آ رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ شخص سیدھا بیٹھ گیا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو میرے دروازے کے پاس سے مروان کا جنازہ گزر رہا تھا۔ صریح احادیث سے بھی ارواح کی باہمی ملاقات اور ان کے باہمی تعلق کا ثبوت ہے۔

مُردوں کو سلام بھجوانا۔ ابولبیبہ نے کہا کہ بشر بن معرور کے وصال سے بشر کی ماں کو سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ مرنے والا خاندان سلمہ سے ہی زیادہ تر مرتا ہے۔ کیا مردے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اگر ایسا ہے تو میں بشر کو سلام بھیجوں صلعم فرمایا اے بشر کی ماں واللہ مردے ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے درختوں پر پرندے پہچان لیے جاتے ہیں۔ پھر جو خاندان سلمہ کا آدمی رحلت کر جاتا تو بشر کی ماں اس کے پاس جا کر سلام کے بعد کہتیں کہ بشر سے میرا سلام کہہ دینا۔

مُردوں سے دریافتگی۔ عبید بن عمیر نے کہا کہ ارواح انبیاء کے اختلاط میں رہتی ہیں۔ پھر جب کسی کے پاس سے کوئی مردہ آتا ہے تو وہ اس سے دریافت کرتی ہیں کہ فلاں فلاں کس حال میں ہے۔ وہ کہتا ہے بالکل ٹھیک ہے اگر مر چکا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔ کہتی ہیں نہیں۔ یہ انا للہ پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے دوسری راہ سے لے جایا گیا۔ صالح المری نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ موت کے وقت ارواح باہم ملتی ہیں اور آنے والی ارواح سے پوچھتی ہیں کہ تمہارا ٹھکانا

کونسا ہے تم اپنے حجرے میں تھیں یا برے میں۔ پھر صالح کی ماں تے روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

ارواح کا استقبال کرنا۔ عبید بن عمیر نے کہا کہ ارواح اہل موت کی روح کا استقبال کرتی ہیں اور اس سے اپنے اعزہ و اقربا کے بارے میں معلوم کرتی ہیں جیسے کوئی غریب الدیار اپنے اعزہ و اقرباء کی آنے جانے والے سے خیریت دریافت کرتا ہے کہ فلاں فلاں کا کیا حال ہے۔ اگر آنے والی روح کہتی ہے کہ وہ انتقال کر گیا کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا تو ارواح کہتی ہیں کہ اسے اس کی ماں ہاویہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔

سعید بن مسیب کا فرمان۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب انسان وصال کر جاتا ہے تو جیسے غائب کا استقبال کیا جاتا ہے اسی طرح اس کے باپ استقبال کرتے ہیں۔

مومن کی روح کی کیفیت۔ عبید بن عمیر نے کہا کہ اگر میں اپنے اہل خانہ کی ارواح کی ملاقات سے ناامید ہو جاتا تو انتقال غم کے مارے مر جاتا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روح قبض کیے جانے کے بعد مومن کی روح کا اللہ کے پاس جانے رحمت کے فرشتے اس طرح استقبال کرتے ہیں جیسے دنیا میں بشارت دینے والے کا استقبال کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ اپنے بھائی کو سکون کر لینے دو کیونکہ یہ سخت بے چینی میں تھے۔ پھر اس سے عام لوگ دریافت کرتے ہیں کہ فلاں مرد یا فلاں عورت کا کیا حال ہے کیا فلاں عورت کا نکاح ہو گیا ہے۔ پھر جب اس سے ایسے شخص کے متعلق دریافت کرتے ہیں جو اس سے پہلے وصال کر چکا ہوتا ہے تو یہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے وصال کر چکے ہیں۔ پھر یہ انا للہ کہہ کر کہتی ہیں کہ اسے اس کی ماں ہاویہ کی طرف لے جایا گیا۔ ماں بھی بہت بری تھی اور اس کی گود میں جانے والا بھی ایسا ہی تھا۔

باب سوئم

لقائے ارواح

سوال :۔ کیا زندوں اور مردوں کی ارواح باہم ملاقات کرتی ہیں ؟
جواب :۔ یہ بے شمار براہین پر مشتمل ہے اور حس و واقعات سب سے بڑے گواہ ہیں ۔
زندوں اور مردوں کی ارواح باہم ملتی جلتی ہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَللّٰہ یتوفی
الانفس حین موتھا الخ اللہ موت کے وقت ان ارواح کو بھی جن کی ابھی موت
نہیں آئی ۔ پھر جن پر موت کا حکم فرما چکا انہیں روک لیتا ہے اور دوسری ارواح کو
ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ
ابن عباس کا فرمان :۔ خواب میں زندوں اور مردوں کی ارواح ملتی ہیں اور باہم
ایک دوسرے سے دریافت کرتی ہیں ۔ پھر اللہ مردوں کی ارواح کو روک لیتا ہے اور زندوں
کی ارواح کو چھوڑ دیتا ہے ۔
سدی نے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حالت
حالت نیند میں ارواح کی کیفیت :۔ نیند میں بھی ارواح قبض کر لیتا ہے

پھر زندوں اور مردوں کی ارواح مل کر باہم پہچانتی ہیں اور مذاکرہ کرتی ہیں۔ پھر زندوں
کی ارواح ان کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں۔ مگر مردوں کی ارواح جب اپنے جسم
کی طرف لوٹنے کا ارادہ کرتی ہیں تو انہیں روک دیا جاتا ہے۔
حاصل کلام یہ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جو مرا اس کی روح روک لی جاتی
الحاصل کلام: ہے اور جو زندہ ہے اس کی روح جسے نیند میں قبض کیا تھا چھوڑ دی جاتی
ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ روکی ہوئی اور چھوڑی ہوئی دونوں قسم کی ارواح زندوں ہی
کی ہیں پھر جس کی مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے اس کی روح روک لی جاتی ہے اور قیامت
سے پہلے جسم کی طرف نہیں لوٹائی جاتی اور جس کا وقت پورا نہیں ہوا اسے اس کے جسم کی طرف
مقررہ مدت پوری کرنے کے لیے لوٹا دیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام نے بھی یہی مطلب پسند کیا
ہے اور کہا ہے کہ اسی پر قرآن و حدیث دونوں دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ نے جن ارواح کو
نیند جیسی وفات دی ہے ان میں سے جن پر موت کا فیصلہ فرما دیا ہے انہیں کے روکنے کا حکم
دیا ہے اور نہ ہی انہیں چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ بلکہ یہ تیسری نوع کی ارواح ہیں۔ لیکن ترجیح
پہلے مطلب کو ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دو وفات بیان کی ہیں۔ وفات کبریٰ یعنی موت
اور وفات صغریٰ یعنی نیند اور ارواح کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو وہ قسم جن کی
موت کا حکم صادر ہو چکا انہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پاس روک لیا ہے اور وفات
موت عطا فرما دی اور ایک وہ نوع جس کی ابھی مقررہ مدت باقی ہے انہیں اللہ نے
عمر کی تکمیل کے لیے جسم کی طرف لوٹا دیا اور مذکورہ بالا وفات کے دو حکم بیان فرمائے اور
بتایا کہ زندہ وہ روح ہے جسے نیند والی وفات دی گئی ہے۔ اگر وفات کی صرف دو اقسام
ہوتیں تو وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا لانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ قبض ہی وقت
مر جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ نے کہا ہے کہ دوسری نہیں تو پھر فیمسک التی قضی علیہا
الموت کیسے صحیح ہو سکتا۔ جواب دینے والا یہ جواب دے سکتا ہے کہ وفات نیند

کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے موت کا فیصلہ فرمایا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آیت وفات کی لفظ اقسام میں شامل ہے کیونکہ اس میں دو وفات کا بیان ہے۔ پھر مرنے والے کی رُوح کو روکنے اور دوسری رُوح کو چھوڑنے کا ذکر ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اہلِ موت کی رُوح روک لیتا ہے خواہ وہ سوتے سوتے مر جائے یا بیداری میں اور زندوں اور مردوں کی اَرواح کے ملنے کا یہ ثبوت بھی ہے کہ زندہ لوگ خواب میں مُردوں کو دیکھتے ہیں اور ان سے حالات معلوم کرتے ہیں اور مردے نامعلوم حالات بتاتے ہیں جن کا آنے والے زمانے میں اُسی طرح ظہور ہو جاتا ہے اور کبھی پہلے زمانے میں بھی مر چکا ہوتا ہے۔ کبھی اہلِ موت اپنا گڑا ہوا مال بتاتا ہے جس کی اُس کے سوا کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ اور کبھی اپنے قرض کی اطلاع کرتا ہے اور اس کے قرائن بھی بیان کرتا ہے۔ کبھی ایسے عمل سے باخبر کرتا ہے جس کی اُس کے سوا کسی کو بھی خبر نہیں تھی۔ کبھی یہ بتاتا ہے کہ ہمارے پاس فلاں فلاں وقت آؤ گے اور اس کی خبر سچی ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسی باتوں کی خبر دیتا ہے کہ جن کے متعلق زندوں کو یقین ہوتا ہے کہ انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اور اس سے پہلے مصعب عوف، ثابت بن قیس، صدقہ بن سلیمان جعفری، شبیب بن شیبہ اور فضل بن موفق کے واقعات مذکور ہو چکے ہیں۔

اَرواح کا باہم ملاقات کرنا۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ملاقات ہوئی اور دونوں میں یہ اقرار ہوا کہ جو پہلے مر جائے وہ اپنے حالات کی خبر دے۔ دونوں نے یہ بھی کہا کہ زندوں اور مردوں کی اَرواح کی ملاقات ہوتی ہے اور صالحین کی ارواح بہشت میں ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں آخر ان میں سے فلاں فوت ہو گیا اور دوسرے سے خواب میں مل کر کہا کہ اللہ کے توکل پہ قائم ہو اور خوش ہو جاؤ میں نے توکل جیسا کوئی عمل نہیں پایا۔

پیشانی سے پسینہ صاف کرنا۔ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میری آرزو تھی کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھوں بالآخر میں نے آپ کے شہید ہونے کے ایک سال بعد آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں اب میں فارغ ہوا ہوں۔ معلوم ہو رہا تھا کہ میری چھت دھماکے سے گر جائے گی اگر مجھے انتہائی شفیق اور مہربان اللہ نہ سنبھالتا تو میں اللہ کے رحم و کرم سے بچ گیا ورنہ ہلاک ہو جاتا۔

بعد از وفات حالات سے آگاہی۔ حضرت عفیف بن حارث شریح بن عابد شمالی کی سکرات کے وقت ان کے پاس گئے اور درخواست کی کہ اگر وفات کے بعد ہمارے پاس آ سکیں اور ہمیں اپنے حالات سے آگاہ کر سکیں تو ایسا ضرور کرنا۔ یہ کلمہ اہل فقہ میں مقبول تھا۔ بعد از وصال ایک زمانے تک تو انہوں نے خواب میں نہیں دیکھا۔ پھر انہوں نے ایک دن خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ آپ فوت نہیں ہو گئے تھے۔ فرمایا کیوں نہیں۔ دریافت کیا اچھا تو اب کیا حال ہے؟ فرمایا میرے پروردگار نے میرے گناہوں کو درگزر فرمایا چنانچہ ہم میں سے سوائے احراض کے اور کوئی ہلاک نہیں ہوا۔ دریافت کیا کیا احراض کون ہے؟ فرمایا جن کی طرف کسی بات کے سلسلے میں انگلیوں سے اشارہ کیا جائے۔

استغفار کا ثمرہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ کو خواب میں دیکھا جیسے آپ کسی باغ میں ہیں۔ اور آپ نے مجھے چند سیب دیئے ہیں۔ میں نے دریافت کیا آپ نے کونسا عمل افضل پایا فرمایا استغفار۔ میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ میرے بیٹے ہوں گے۔ مسلمہ بن عبد الملک نے عمر بن عبد العزیز کو خواب میں دیکھا اور پوچھا

بکر امیر المومنین کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ کے وصال کے بعد کیا حالات پیش آئے۔ فرمایا اے مسلمہ اب میں فارغ ہوا ہوں۔ واللہ اب میں سستایا ہوں۔ دریافت کیا اب آپ کہاں ہیں فرمایا ہادی اماموں کے ہمراہ جنت عدن میں ہوں۔

صالح براد نے کہا کہ میں نے زرارہ بن اوفیٰ

افضل عمل کی شناخت کرانا: کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ سے کیا دریافت کیا گیا اور آپ نے کیا جواب دیا۔ آپ نے مجھ سے منہ پھیر لیا۔ میں نے دریافت کیا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جواب دیا اپنے نہایت کرم اور بخشش سے مجھ پر مہربانی فرمائی۔ میں نے دریافت کیا اور ابو العلاء بن یزید مطرف کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ فرمایا وہ تو ارفع واعلیٰ مقام میں ہیں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک کونسا عمل افضل ہے فرمایا میرے نزدیک افضل عمل توکل اور قصر امل ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

مالک بن دینار کا عالم بیہوشی میں گر جانا: نے کہا کہ میں نے مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور سلام کیا مگر انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ فرمایا میں مردہ ہوں تمہارے سلام کا جواب نہیں دے سکتا۔ میں نے دریافت کیا موت کے بعد حالات کیسے پیش آئے فرمایا اللہ میں نے بہت سخت دہشتیں اور زلزلے دیکھے۔ پھر میں نے دریافت کیا پھر اس کے بعد کیا ہوا فرمایا کریم سے جو تم خیال کرتے ہو وہی ہوا۔ اس نے نیکیاں قبول کریں اور گناہوں کو معاف فرمادیا اور خود تاوانوں کا ضامن بن گیا۔ پھر مالک چیخ مار کر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ بیمار رہے۔ پھر ان کا دل پھٹ گیا اور وصال فرماگئے۔

گناہوں کا مٹ جانا: حضرت سہیل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حضرت مالک

بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ اللہ کے پاس کیا لے کر گئے۔ کہا بہت سے گناہ لے کر گیا تھا مگر میرا اللہ کے ساتھ جو اچھا گمان تھا اس نے سارے گناہ مٹا دیئے۔

جنت کے دروازے پر بھیڑ ہونا: ایک عابدہ خاتون نے ایک بزرگ جن کا نام رجا بن حیوۃ تھا انھیں ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ تم کس چیز کی طرف لوٹے فرمایا بھلائی کی طرف لیکن تمہارے بعد ہم گھبرا گئے اور ہم نے خیال کیا کہ قیامت آگئی۔ دریافت کیا کیوں؟ فرمایا جراح اور ان کے رفقاء اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ جنت میں داخل ہو رہے تھے یہاں تک کہ جنت کے دروازے پر بھیڑ ہو گئی تھی۔

جنت کی خوشخبری دینا: جمیل بن مرۃ نے کہا کہ مورق عجلی میرے دوست تھے ہم نے باہم اقرار کر لیا تھا کہ جو پہلے وصال کر جائے وہی اپنے دوست کے پاس خواب میں آکر اپنا حال بیان کرے۔ چنانچہ مورق نے پہلے وصال کیا۔ انھیں میری بیوی نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے پاس حسب عادت آئے ہیں اور دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ میں اپنی عادت کے مطابق اٹھ کر دروازہ کھول دیتی ہوں اور عرض کرتی ہوں کہ اپنے دوست کے گھر میں تشریف لایئے۔ کہا کیسے آؤں میں تو مر چکا ہوں۔ میں اپنے دوست کو اللہ کی مہربانی کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ انھیں بتا دیا کہ اللہ نے مجھے اپنے مقبول بندوں میں شامل کر لیا ہے۔

حضرت حسن بصری کے حالات سے آگاہی: علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد کچھ لوگوں کو انتہائی فکر ہوا۔ انھوں نے آپ کو خواب میں بہت بہتر حالت میں دیکھا اور دریافت کیا کہ آپ کا حال دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ حسن بصری کا حال بیان کیجئے۔ فرمایا وہ مجھ سے

ستر درجہ بلند ہیں۔ میں نے دریافت کیا کیسے؟ ہم تو آپ کو افضل سمجھتے تھے۔ فرمایا وہ جنتی کے لیے غمگین رہتے تھے۔

حضرت سفیان ثوری کی وصیت: ابن عیینہ نے حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور کہا حضرت کچھ وصیت فرمائیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اے ابن عیینہ لوگوں سے جان پہچان کم کیجئے۔

حسن گمان کا راز: عمار بن سیف نے کہا کہ میں نے حسن بن صالح کو خواب میں دیکھا اور کہا میں تو آپ سے ملنے کی آرزو رکھتا تھا۔ اپنے حالات سے آگاہ کیجئے۔ فرمایا خوش ہو جاؤ۔ میں نے اپنے رب کے ساتھ حسن گمان جیسا کوئی عمل نہیں پایا۔

حقیقت دعا: ایک شخص جس کا نام ضیغم عابد تھا، کو کسی نے خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ تم میرے لیے دعا کیوں نہیں کرتے۔ دیکھنے والے نے معذرت کی۔ فرمایا اگر میرے لیے دعا کرتے تو بہتر ہوتا۔

مردوں کا خواب میں تلقین کرنا: حضرت رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہا کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور دبیز ریشمی دوپٹہ ہے۔ آپ کو کمبل کے ایک جبہ اور دوپٹہ میں دفن کیا گیا تھا۔ دیکھنے والی نے دریافت کیا تمہارا کمبل والا کفن کیا ہوا۔ فرمایا مجھ سے اتار کر اس کے بدلے یہ لباس پہنا دیا گیا اور اسے لپیٹ کر اس پر مہر کر دی گئی اور علیین میں رکھ دیا گیا تا کہ بروز محشر مجھے اس کا ثواب ملے۔ انہوں نے دریافت کیا کیا آپ اسی غرض سے دنیا میں عمل کیا کرتی تھیں۔ فرمایا میرے خیال میں اللہ کے دوستوں کا یہی اکرام نہیں ہے۔ دریافت کیا عبدۃ بنت ابی کلاب کا کیا حال ہے۔ فرمایا واللہ وہ تو ہم سے بلند

درجات کی طرف پہل کر گئیں۔ دریافت کیا کیوں۔ لوگوں کی نظروں میں تو آپ سب سے زیادہ عابدہ تھیں۔ فرمایا انھیں دنیا میں جس حال میں بھی تھیں کوئی پرواہ نہ تھی۔ دریافت کیا ابومالک کا کیا حال ہے؟ فرمایا جب چاہتے ہیں زیارت الٰہی کرتے ہیں۔ دریافت کیا بشر بن منصور کا حال ہے۔ فرمایا بہت اچھا انھیں تو اللہ تعالیٰ نے امیدوں سے زیادہ عطا فرما دیا۔ درخواست کی کہ تقرب کا کوئی عمل بتائیے۔ فرمایا زیادہ سے زیادہ ذکر الٰہی کرتی رہوں۔ اس سے قبر میں تمھاری رشک حالت ہوگی۔

موتیوں کا تاج پہنانا۔ حضرت عبدالعزیز بن سلیمان عابد کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ جسم پر سبز کپڑے ہیں اور سر پر موتیوں کا تاج ہے۔ دریافت کیا حال ہے۔ موت کیسی رہی اور کیا دیکھا؟ فرمایا موت کی شدت و بے قراری نہ دریافت کیجئے مگر اللہ کی رحمت نے ہر عیب پر پردہ ڈال دیا اور اپنے فضل ہی سے ہماری خدمت کی۔

دنیا میں فکر کا ثمرہ۔ حضرت صالح بن بشر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے عطاء سلمی کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ کیا آپ مرے نہیں ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ دریافت کیا موت کے بعد کیا معاملہ در پیش ہوا۔ انھوں نے کہا واللہ آپ دنیا میں ہر وقت فکر مند نہیں کرتے تھے۔ مسکرا کر کہنے۔ ماشاء اللہ! اس کے عوض مجھے ہمیشہ کا سکون اور خوشی مل گئی۔ دریافت کیا اب آپ کہاں ہیں؟ فرمایا انبیاء اولیاء صدیق اور شہداء کے ہمراہ ہوں۔

جمعہ اور جمعرات کو ارواح کی ملاقات۔ ایک بزرگ عاصم جحدری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے کسی عزیز نے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کیا آپ مرے نہیں تھے۔ کیوں نہیں؟ دریافت کیا اب آپ کہاں ہیں فرمایا واللہ! میں جنت کے باغ میں ہوں۔ میں اور میرے ساتھی جمعہ کے جمعرات کو اور صبح کو بکر بن عبداللہ مزنی کے پاس جمع ہوتے ہیں اور تمھارے حالات معلوم کرتے

کرتے ہیں۔ دریافت کیا اجسام کے ساتھ یا صرف ارواح جمع ہوتی ہیں۔ فرمایا جسم تو بوسیدہ ہو چکے۔ بس ارواح ملتی ہیں۔

اللہ کی بے پرواہی۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ میں نے بندے کے حق میں اس کے پروردگار سے زیادہ کسی کو بہتر نہیں پایا۔

پیشانی کا روشن ہونا۔ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ جن کا نام نامی اسم گرامی مرّہ ہمدانی تھا۔ یہ بزرگ اتنے طویل سجدے کیا کرتے تھے کہ ان کی پیشانی پر مٹی کے نشانات ظاہر ہو گئے تھے۔ آپ کو آپ کے کسی عزیز نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے سجدے کی جگہ روشن و تاباں ہے۔ دریافت کیا کہ آپ کے چہرہ پر یہ کیسی روشنی ہے۔ فرمایا مٹی کے نشانات کے سبب میری پیشانی کو نورانی کیا گیا۔ دریافت کیا آخرت میں آپ کا کیا درجہ ہے۔ فرمایا بہترین منزل نصیب ہے اور ایسا گھر جس سے اس کے مکین منتقل ہوں گے اور مریں گے نہیں۔

حضرت اویس قرنی کا وصیت کرنا۔ ابو یعقوب قاری نے کہا کہ میں نے خواب میں ایک گندمی رنگ کا آدمی دیکھا جس کے پیچھے پیچھے بہت سے لوگ تھے۔ دریافت کیا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت اویس قرنی ہیں۔ بالآخر میں بھی ان کے پیچھے چل پڑا اور عرض کی کہ حضرت کچھ وصیت فرمایئے اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نے میری طرف غور سے دیکھا۔ میں نے کہا میں ہدایت کی تلاش میں ہوں میری رہنمائی فرمایئے اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ بالآخر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اللہ کی رحمت اس کی اطاعت کے پاس ڈھونڈو۔ اور گناہوں کے پاس اس کا عذاب ہے ان سے اجتناب کیجئے اور اس کے مابین اپنی امیدیں اللہ سے منقطع نہ کرو۔ پھر آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

افضل ذکر کی تلقین: ابن سماک نے کہا کہ میں نے مسعر کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا ذکر کی مجالس قائم کرنا افضل ترین عمل ہے۔

تہجد کی تلقین کرنا: اجلح نے کہا کہ میں نے سلمہ بن کہیل رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک کون سا عمل افضل ہے فرمایا تہجد کی نماز۔

خوف الٰہی کا راز: ابو بکر بن ابی مریم نے کہا کہ میں نے وفا بن بشر کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ فرمایا ہر مشقت سے خلاصی مل گئی۔ دریافت کیا کہ کون سا عمل تیرے نزدیک افضل ہے۔ فرمایا میرے نزدیک اللہ کے خوف سے رونا سب سے افضل عمل ہے۔

نیکیوں اور بدیوں کا دکھایا جانا: موسیٰ بن وردان نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی حبیبہ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ میری نیکیاں اور برائیاں دکھائی گئیں۔ میں نے اپنی نیکیوں میں انار کے وہ دانے بھی دیکھے جو زمین پر گرے پڑے تھے اور میں نے انہیں اٹھا کر کھا لیا تھا اور برائیوں میں ریشم کے وہ دو ڈورے بھی دیکھے جو میری ٹوپی میں تھے۔

حور کا نمودار ہونا: جویریہ بن اسماء نے کہا کہ ہم عبادان میں رہتے تھے ہمارے قریب ہی ایک کوئی نوجوان آ کر رہنے لگا۔ وہ بہت بڑا عابد تھا۔ قضائے کار فوت ہو گیا۔ شدت کی گرمی تھی۔ خیال یہ تھا کہ کچھ موسم خنک ہو جائے تو اسے دفن کیا جائے۔ تدفین سے پہلے میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا جیسے میں قبرستان میں ہوں وہاں موتی کا ایک بند گنبد ہے جو نہایت خوبصورت ہے۔

میں اسے دیکھ رہی تھی کہ دیکھتے ہی وہ پھٹا اور اس میں سے ایک نوجوان حور جو نہایت حسین و جمیل تھی جگمگاتی ہوئی برآمد ہوئی اور اس نے میرے پاس آ کر کہا واللہ! ام ظہر کے وقت سے زیادہ انھیں ہمارے پاس آنے سے نہ روکنا۔ گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی پھر ان کے دفن کرنے اور کفنانے میں لگ گیا۔ اور میں نے اسی جگہ ان کی قبر کھدوائی جہاں گنبد دیکھا تھا۔ بالآخر انھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔

رضائے خداوندی کا راز: عبد الملک بن عتاب لیثی نے کہا کہ میں نے عامر بن عبد قیس کو خواب میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ کے نزدیک کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا میرے نزدیک سب سے افضل عمل رضائے الٰہی ہے۔

منصور کے محل کا دیکھنا: یزید بن ہارون نے کہا کہ میں نے ابوالعلا ایوب علیہ الرحمۃ جو سکین کا بیٹا تھا، کو خواب میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ اللہ نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا اللہ نے میری مغفرت فرما دی۔ دریافت کیا کن اعمال سے۔ فرمایا نماز اور روزے سے۔ پھر دریافت کیا منصور بن راذان کے متعلق خبر دیجیے۔ فرمایا ان کا محل تو ہم دور سے دیکھتے ہیں۔

دو رکعت کا ثمرہ: یزید بن نعامہ نے کہا کہ ایک بچی وبائی طاعون میں وصال کر گئی۔ اس کے باپ نے اسے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ آخرت کی باتیں بتاؤ۔ اس نے کہا اے میرے باپ ہم ایک ایسی شان دار جگہ پر پہنچ گئے ہیں کہ ہم جانتے تو ہیں مگر عمل نہیں کر سکتے لیکن تم عمل کر سکتے ہو مگر جانتے نہیں ہو۔ واللہ! ایک دو تسبیحات اور ایک دو رکعات جو میرے اعمال نامے میں ہوں مجھے دنیا جہان سے زیادہ عزیز ہیں۔

سجدوں کا ثمرۂ آخرت: کثیر بن مرہ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا جیسے

میں جنت کے کسی درجہ میں داخل ہوگیا ہوں۔ اور اسے چل پھر کر دیکھ رہا ہوں اور خوش ہو رہا ہوں۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ اس کے ایک گوشے میں مسجد کی کچھ مستورات ہیں۔ میں نے انھیں جا کر سلام کیا اور ان سے دریافت کیا کہ تم نے کس عمل سے یہ مقام حاصل کیا۔ انہوں نے سجدوں اور تکبیرات کی وجہ سے یہ مقام ملا۔

سرکار دو عالم کی صحابہ سمیت زیارت کرنا۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی

عبدالملک کی بیٹی فاطمہ اور حضرت

زوجہ محترمہ کا بیان ہے کہ ایک شب کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جاگ کر فرمایا کہ میں نے ایک بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ میں نے کہا میں قربان جاؤں سنائیے۔ فرمایا صبح تک بیان نہیں کروں گا۔ پھر صبح صادق کے بعد مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ پھر واپس اپنی جگہ پر تشریف لے آئے۔ میں نے یہ تنہائی غنیمت جانی اور خواب سنانے کی بڑے ذوق شوق سے درخواست کی۔ فرمایا۔ میں نے دیکھا جیسے کوئی مجھے ایک سرسبز و شاداب اور وسیع زمین پر لے گیا۔ وہاں ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے زمردیں فرش بچھا ہوا ہے۔ اتنے میں میں نے اس میں ایک سفید چاندی جیسا محل دیکھا۔ پھر کیا دیکھا کہ اس سے ایک شخص باہر آ کر چیخ کر اعلان کرتا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں۔ اتنے میں دیکھا کہ آپ تشریف لے آئے اور اس محل میں داخل ہو گئے پھر اس محل سے دوسرا شخص باہر آ کر چیخ کر کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کہاں ہیں۔ پھر دیکھا کہ ایک اور شخص نکل کر اعلان کرتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں۔ اتنے میں کیا دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور اس میں داخل ہو گئے۔ پھر ایک اور شخص نکل کر اعلان کرتا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہاں ہیں۔ آپ بھی آ کر اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک اور شخص نکل کر اعلان کرتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں

آپ بھی تشریف لاکر اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک اور شخص نکل کر اعلان کرتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ بالآخر میں بھی اٹھ کر اس میں داخل ہو جاتا ہوں۔

میں آپ کے پاس پہنچتا ہوں۔ آپ کے صحابہ کرام آپ کے چاروں طرف ہیں۔ میں دل ہی دل میں خیال کر رہا ہوں کہ کہاں بیٹھوں۔ بالآخر اپنے نانا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔ پھر غور سے دیکھتا ہوں تو آپ کے دائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور بائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ مزید غور کیا تو کیا دیکھا کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مابین ایک اور صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ دریافت کیا کہ یہ صاحب کون ہیں تو فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر مجھے نور کے پردے کے پیچھے سے ایک آواز آتی ہے کہ اے عمر بن عبد العزیز! جس راہ پر تم قائم ہو اسے مضبوطی سے تھامے رہو اور اس پر جمے رہو۔ پھر مجھے باہر آنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو اچانک میرے پیچھے پیچھے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے کہ جس نے میری استعانت فرمائی۔ اور آپ کے پیچھے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے۔ اللہ نے مجھے معاف فرما دیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے پاس حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی آپ کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا اور انہیں مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں برابر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہاں سے بہت جلد حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ کعبہ کے رب کی قسم میرے جھگڑے کا فیصلہ ہو گیا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ کعبہ کے رب کی قسم اللہ نے میری مغفرت فرما دی۔

حضرت فاروق اعظم کی گریہ زاری: ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ

عنہ کے ہاں آکر کہا کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے دائیں جانب حضرت ابوبکر اور بائیں جانب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور دو شخص جھگڑتے ہوئے آئے ہیں۔ آپ ان دونوں کے آگے تشریف فرما ہیں۔ پھر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عمر جب تم عمل کرو تو ان دونوں جیسے عمل کرنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے قسم کھلا کر دریافت کیا کہ تم نے جو یہ خواب دیکھا ہے اس نے قسم کھا کر یقین دلایا۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گریہ زاری کرنے لگے۔

وعدہ الٰہی کا راز:۔ عبد الرحمٰن بن غنم رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تین برس کے بعد خواب میں ایک چت کبرے گھوڑے پر سوار دیکھا۔ ان کے پیچھے کچھ سفید آدمی ہیں جو سبز کپڑوں میں ملبوس چت کبرے گھوڑوں پر سوار ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ کاش میری مغفرت اور میرے عزت و احترام کی لوگوں کو بھی خبر ہو جائے۔ پھر اپنے دائیں بائیں دیکھ کر فرماتے ہیں اے ابن رواحہ اے ابن مظعون الحمد للہ الذی صدقنا الخ الحمد للہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور ہمیں اس سرزمین کا وارث بنا دیا۔ ہم بہشت میں جہاں چاہتے ہیں آرام سے رہتے ہیں۔ اہل عمل کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔ پھر مجھ سے مصافحہ کیا اور سلام کیا۔

دیدار الٰہی کا راز:۔ قبیصہ بن عقبہ نے کہا کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ آپ نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے ؎

نَظَرْتُ اِلٰی رَبِّیْ عَیَانًا فَقَالَ لِیْ
هَنِیْئًا رِضَایَ عَنْكَ یَا ابْنَ سَعِیْدٍ
فَقَدْ كُنْتَ قَوَّامًا اِذَا اللَّیْلُ قَدْ دَجَا
بِعَبْرَةِ مَحْزُوْنٍ وَّ قَلْبِ عَمِیْدٍ

نَظَرْتُ إِلَيْكَ فَاخْتَرْ أَيَّ قَصْرٍ تُرِيدُهُ
وَزُرْنِي فَإِنِّي مِنْكَ غَيْرُ بَعِيدٍ

ترجمہ:۔ میں نے اپنے پروردگار کو اپنے روبرو دیکھا۔ میرے رب نے فرمایا اے ابن سعید میری رضا تمہیں مبارک ہو۔ کیونکہ شب تاریک میں تم تہجد پڑھا کرتے تھے۔ تمہاری آنکھ سے غم کے آنسو جاری تھے اور دل میں درد تھا۔ اب تمہیں اختیار ہے جو محل چاہو چن لو اور میرا دیدار کرتے رہو کیونکہ میں تمہارے قریب ہوں۔

ارواح کا پرواز کرنا:۔ ابن عیینہ نے کہا کہ میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں کھجور کے درخت سے اڑ کر کسی اور درخت پر جا بیٹھتے ہیں۔ پھر اس سے اڑ کر کھجور کے درخت پر آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس جیسی نعمت کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہیئے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ کن اعمال سے جنت حاصل ہوئی۔ فرمایا تقویٰ و پرہیزگاری سے۔ پھر دریافت کیا گیا کہ علی بن عاصم کس حال میں ہیں۔ فرمایا ہم انھیں تارے کی طرح دیکھتے ہیں۔

رب راضی سب جگ راضی:۔ شعبۃ بن حجاج اور مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ دونوں حافظ تھے اور دونوں نہایت صالح آدمی تھے۔ ابو احمد یزیدی کہتے ہیں کہ میں نے دونوں کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ ابو بسطام اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں میرے یہ اشعار یاد کرنے کی توفیق دے۔ ؎

حَبَانِيْ إِلٰهِيْ فِي الْجِنَانِ بِقُبَّةٍ
لَهَا أَلْفُ بَابٍ مِّنَ اللُّجَيْنِ وَجَوْهَرَا
وَقَالَ لِيَ الرَّحْمٰنُ يَا شُعْبَةُ الَّذِيْ
تَبَحَّرَ فِيْ جَمْعِ الْعُلُوْمِ فَأَكْثَرَا

تَنَعَّمْ بِقُرْبِیْ اِنَّنِیْ عَنْكَ ذُوْ رِضًا
وَعَنْ عَبْدِیَ الْقَوَّامِ فِی اللَّیْلِ مِسْعَرًا
كَفٰی مِسْعَرًا عِزًّا بِاَنْ سَیَزُوْرُنِیْ
وَاَكْشِفُ عَنْ وَجْهِیَ الْكَرِیْمِ لِیَنْظُرَا
وَهٰذَا فَعَالِیْ بِالَّذِیْنَ تَنَسَّكُوْا
وَلَمْ یَاْلَفُوْا فِیْ سَالِفِ الدَّهْرِ مُنْكَرًا

ترجمہ: مجھے میرے رب تعالیٰ نے جنتوں میں ایسا گنبد عطا کیا ہے جس کے ایک ہزار دروازے ہیں اور چاندی اور موتی کا ہے اور مجھ سے رحمٰن اللہ نے فرمایا کہ اے شعبہ جو کثرت علوم کے جمع کرنے میں ماہر تھا۔ اب میرے پاس موج اڑا میں تجھ سے راضی ہوں اور اپنے بندے مسعر سے بھی جو تہجد گزار تھا مسعر کے لیے یہی عزت کافی ہے کہ اُسے میرا دیدار حاصل ہے اور اس کے لیے میں اپنا عزت والا چہرہ کھول دیتا ہوں۔ عبادت کرنے والوں کے ساتھ میرا یہی سلوک ہے جو ماضی میں بری باتوں کے عادی نہیں تھے۔

دیدار کی لطف اندوزی

احمد بن محمد لبدی نے کہا کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا میری مغفرت فرمادی اور فرمایا اے احمد یاد ہے کہ تم نے میری خاطر ساٹھ کوڑے کھائے تھے۔ بولے یاد ہے۔ فرمایا میں نے اپنا چہرہ تمہارے لیے مباح کر دیا ہے اب اس کے دیدار کا لطف اٹھاتے رہو۔

زیورات سے آراستہ کرنا

ایک دفعہ ایک طرطوسی نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی الٰہی مجھے اہل قبور کی زیارت کرا تاکہ میں ان کے احوال کے بارے میں دریافت کروں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ پھر میں نے

دس برس کے بعد خواب میں دیکھا جیسے اہلِ قبور اپنی قبروں سے نکل آئے ہیں اور مجھ سے ہر شخص پہلے بات کرنا چاہتا ہے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم دس برس سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کر رہے ہو کہ اللہ تمھیں ہمیں دکھلائے اور تم ایک ایسے شخص کے متعلق ہم سے دریافت کرو جو تم سے جس وقت جدا ہوا ہے اُسی وقت سے اسے فرشتے طوبیٰ کے درخت کے نیچے زیورات سے آراستہ کر رہے ہیں۔

الحاصل کلام: ابو محمد عبدالحق فرماتے ہیں کہ یہ خبر آپ کے درجہ کی بلندی پر آپ کے مقام کی بلندی پر اور آپ کے مرتبہ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ فرشتے آپ کے حال کا وصف انھیں الفاظ میں بیان کر سکے۔ اور اسی عبارت سے آپ کی شان کی بلندی کی تعبیر کر سکے۔

کلیم اللہ سے لقائے شرف کا حصول: ایک سقار ابو جعفر رفیق بشر بن حارث نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا جیسے کہیں سے آ رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آ رہے ہیں۔ فرمایا جنت الفردوس میں کلیم اللہ سے ملاقات کر کے آ رہے ہیں۔

روزی کھانا پینا: عاصم جذری نے کہا کہ میں نے خواب میں حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ ابو نصر آپ کہاں سے آ رہے ہیں۔ فرمایا علیین سے آ رہا ہوں۔ میں نے پوچھا امام احمد بن حنبل کس حالت میں ہیں فرمایا میں نے انھیں اس وقت حضرت عبدالوہاب وراق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اللہ کے آگے چھوڑا ہے۔ دونوں کھاتے پیتے ہیں۔ دریافت کیا اور آپ۔ فرمایا اللہ کو معلوم تھا کہ مجھے خورد و نوش کی کچھ زیادہ رغبت نہیں۔ اس لیے اس نے اپنا دیدار میرے لیے جائز فرما دیا۔

اہلِ جنازہ کی مغفرت: ابو جعفر سقار نے کہا کہ میں نے حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ کو

خواب میں دیکھا اور اُس سے دریافت کیا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا مجھ پر لطف وکرم اور رحم فرمایا۔ اور فرمایا اے بشر! اگر تم میرے لیے آگ کے انگاروں پر بھی سجدہ کرتے تو میں نے جو تمھاری محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے اس کا بھی شکر ادا نہ کر پاتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے میرے لیے آدھی جنت روا فرما دی ہے کہ میں اس میں جہاں چاہوں آرام سے کھاؤں پیوں اور اس نے میرے جنازے میں جو شریک تھے سب کی مغفرت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ میں نے پوچھا اے ابونصر تم کس حال میں ہو۔ فرمایا وہ اپنے صبر و فاقہ کے سبب لوگوں سے اوپر ہیں۔

الحاصل کلام: عبدالحق فرماتے ہیں کہ غالباً آدھی جنت سے جنت کی آدھی نعمتیں مراد ہیں کیونکہ جنت کی نعمتوں کے دو حصے ہیں۔ نصف روحانی ہیں اور نصف جسمانی ہیں۔ بہشتی عالم برزخ میں تو روحانی نعماء سے لذت اندوز ہوں گے۔ اور قیامت کے روز جب ارواح اپنے اجسام میں چلی جائیں گی تو ان روحانی نعماء پر جسمانی نعماء کا بھی اضافہ کر دیا جائے گا۔ بعض کے نزدیک جنت کی نعماء علم و عمل پر مرتب ہوتی ہیں۔ لہٰذا بشر کا علمی نعمتوں کی بہ نسبت عملی نعمتوں میں زیادہ حصہ ہے۔

زرق برق لباس پہننا: اہل اللہ میں سے کسی نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ رصافہ میں اس جگہ خوب صورت لباس میں تشریف فرما ہیں جہاں اکثر بیٹھتے تھے۔ فرماتے ہیں میں نے آپ کی طرف بڑھ کر سلام کیا اور سامنے بیٹھ کر دریافت کیا کہ آپ کا خاص ساتھی کون ہے؟ فرمایا جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرتا ہے، سب سے زیادہ حقوق اللہ کی حفاظت کرتا ہے اور اللہ کی رضا تلاش کرنے میں سب سے زیادہ آگے ہے۔

یسرہ بن سلیم کی وصیت: ابو عبدالرحمٰن ساحلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حضرت یسرہ علیہ الرحمۃ جو سلیم کے بیٹے تھے، کو

خواب میں دیکھا اور کہا کہ آپ ایک لمبے عرصہ تک غائب رہے۔ فرمایا سفر بہت طویل ہے دریافت کیا رب کے ہاں کیا معاملہ پیش آیا۔ فرمایا رخصت مل گئی کیونکہ ہم رخصتوں پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ میں نے کہا مجھے کیا حکم ہے فرمایا سنتِ نبوی اور اتباع اولیاء کی صحبت سے آگ سے نجات مل جاتی ہے اور قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے۔

ابوجعفر مزیرہ نے کہا کہ میں نے حضرت عیسیٰ بن زاذان

خواب میں ملاقاتِ عجوبہ:۔ کو خواب میں دیکھا اور پھر دریافت کیا کہ اللہ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ تو آپ نے درج ذیل شعر پڑھے ؎

لَوْ رَأَيْتَ الْحِسَانَ فِي الْخُلْدِ حَوْلِي
وَ أَكَاوِيْبَ مَعَهَا لِلشَّرَابِ
يَتَرَنَّمْنَ بِالْكِتَابِ جَمِيْعًا
يَتَمَشَّيْنَ مُسْبَلَاتِ الثِّيَابِ

ترجمہ:۔ کاش تم جنت میں خوبصورتوں کو میرے ارد گرد دیکھتے جن کے پاس مشروبات کے جام لبالب ہیں جو نہایت عمدگی سے کتاب پڑھ رہے ہیں اور جو کپڑے گھسیٹتی ہوئی چلی آرہی ہیں۔

بعض رفقائے ابن جریر نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا

قبور پر شامیانے ہونا:۔ کہ میں مکہ کے قبرستان میں ہوں۔ میں نے ہر قبر پر شامیانہ تنا ہوا دیکھا۔ مگر ایک قبرستان پر شامیانہ کے ساتھ خیمہ بھی دیکھا اور بیری کا درخت بھی دیکھا۔ میں خیمہ کے دروازے پر آیا اور سلام کر کے جو اندر گیا تو وہاں مسلم بن خالد زنجی کو دیکھا۔ میں نے ان کو سلام کرنے کے بعد دریافت کیا۔ اے خالد کے باپ یہ کیا بات ہے کہ سب قبور پر شامیانے ہیں مگر تمہاری قبر پر شامیانے کے ساتھ خیمہ بھی ہے اور بیری کا درخت بھی ہے۔ فرمایا میں بکثرت روزے رکھا کرتا تھا۔ میں نے دریافت کیا ابن جریر کی قبر

قبر کون سی ہے اور ان کا مقام کونسا ہے۔ میں ان کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا۔ میں اب انہیں سلام کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے ہاتھ سے شہادت کی انگلی گھما کر فرمایا۔ ابن جریج کی قبر کہاں ہے۔ ان کا اعمالنامہ تو علیین میں اٹھا لیا گیا۔

دائمی سکون کا عطا ہونا: حضرت حماد بن سلمۃ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں اپنے کسی ساتھی کو دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا مجھ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا تم دنیا میں تو تکالیف اٹھاتے رہے آج میں تمہیں اور دکھ اٹھانے والوں کو ہمیشہ کا سکون بخشتا ہوں۔ یہ موضوع بہت فراخ ہے۔

اصل کلام: یاد رہے اگر تمہارا دل اس کی تصدیق گوارا کرے اور یہ کہہ کر نظر انداز کر دو کہ یہ تو خواب ہی ہیں۔ نہ معلوم غلط ہوں یا صحیح ہوں تو اس کے خواب میں غور کیجئے۔ جس نے اپنے کسی ساتھی کو یا اپنے کسی عزیز کو یا کسی اور کو خواب میں دیکھا اور اسے ایسی باتوں کی خبر سے باخبر کیا جن کو اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ یا اسے اپنا گاڑا ہوا خزانہ بتایا یا کسی آنے والی آفت کی اطلاع دی یا مستقبل میں کوئی خوشخبری سنائی اور اس کی اسی طرح تصدیق ہو گئی یا یہ بتایا کہ وہ یا اس کے گھر کا کوئی شخص اتنے عرصہ میں مر جائے گا۔ پھر اسی طرح ہوا ابھی یا اسے ارزانی یا قحط کی خبر دی یا دشمن کے حملہ یا کسی آنے والی وبا کی خبر دی۔ یا کسی بیماری کی خبر دی یا اپنے قرض کی خبر دی اور خبر کے مطابق تمام باتوں کا ظہور ہوا۔ اس قسم کے واقعات شمار سے باہر ہیں اور لوگ ان میں مشترک ہیں۔ ہم نے اور دوسروں نے اس بارے میں عجائبات کا مشاہدہ کیا ہے۔ جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ تمام خیالات و اعتقادات ہیں غلط ہے بلکہ محال ہے کیونکہ نفس میں کبھی ان باتوں کے جاننے کی صلاحیت نہیں جو خواب میں جانی گئی ہیں۔ بلکہ وہ خیال میں بھی نہیں ہوتیں اور نہ نفس کے پاس ان کی کوئی نشانی

ہوتی ہے۔ ہم اس کے منکر نہیں ہیں کہ کبھی خیالات بھی خواب کا سبب بنتے ہیں کیونکہ بعض خیالات و اعتقادات سے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کے اکثر خواب صرف ان کے خیالات و اعتقادات کی صورتیں ہوتی ہیں۔ خواہ واقعہ کے مطابق ہوں یا واقعہ کے مطابق نہ ہوں۔

اقسام خواب:- خواب تین اقسام میں منقسم ہے۔ بعض خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ بعض شیطان کی طرف سے اور بعض خیالات ہوتے ہیں۔

سچے خواب چند اقسام میں منقسم ہیں۔ الہامی خواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کے دل میں نیند میں کوئی بات ڈال دیتا ہے۔ گویا اللہ تبارک و تعالیٰ خواب میں اپنے بندے سے کلام فرماتا ہے جیسا کہ عبادہ بن صامت وغیرہ کا قول ہے۔ تمثیلی خواب یہ ہے کہ خواب کا فرشتہ تمثیلی رنگ میں کوئی بات بتاتا ہے۔ ارواح کی طرف سے خواب یعنی سونے والے کی روح اپنے کسی مردہ عزیز دوست کی روح سے ملتی ہے اور وہ روح اسے کوئی بات بتاتی ہے۔ عروجی خواب یعنی سونے والے کی روح اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف پرواز کرتی ہے اور خواب نظر آتا ہے۔ جنتی خواب یعنی سونے والے کی روح جنت میں جا پہنچتی ہے اور اسے دیکھتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ زندوں اور مردوں کی ارواح کا اجتماع بھی سچے خواب کی ایک قسم ہے جو لوگوں کے نزدیک محسوس کی جنس سے ہے۔ اس مسئلہ میں لوگوں میں اختلاف ہے۔

روح اور معرفت روح:- بعض کے نزدیک روح میں تمام علوم پائے جاتے ہیں لیکن اسے عالم کی مصروفیتوں نے ان کے مطالعہ سے روک رکھا ہے۔ پھر جب نیند کی وجہ سے روح آزاد ہو جاتی ہے تو اپنی صلاحیت کے مطابق ان میں سے کسی بات کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اور چونکہ موت سے پوری آزادی مل جاتی ہے اس لیے اب روح کے علوم و معارف بہ کمال پہنچ جاتے ہیں

مگر یہ بات کچھ صحیح بھی ہے اور کچھ غلط بھی ہے۔ کیونکہ روح کی آزادی روح کو ان علوم و معارف سے آگاہ کرتی ہے۔ جن پر آگاہی آزادی کے بغیر محال ہے لیکن اگر روح پوری طرح آزاد ہو جائے تو پھر بھی اللہ کے اس علم پر مطلع نہیں ہو سکتی جسے اس نے اپنے رسولان عظام کو عطا فرما کر مبعوث فرمایا ہے اور نہ ہی ان تفصیلات پر جن کی اللہ نے خبر دی ہے یعنی گزرے ہوئے انبیاء کی امتوں کی قوموں کی تفصیلات پر۔ اسی طرح معاد پر۔ شروط قیامت پر۔ اچھے اور برے امور پر۔ اسمائے حسنیٰ پر۔ صفات و افعال پر۔ غرضیکہ شریعت کی تمام جزئیات پر آگاہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تمام باتیں وحی سے معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں روح کی آزادی ان باتوں کی معرفت پر روح کی معاون ضرور بن جاتی ہیں۔ لیکن انھیں بدن کی مصروفیات میں دبی روح کے حاصل کردہ معلومات کی نسبت سے۔ ان کے معدن سے حاصل کرنا زیادہ آسان انتہائی قریب اور زیادہ سے زیادہ ہے۔

خواب کی علمی حیثیت: بعض کے نزدیک خواب وہ علوم ہیں جن کو اللہ نے کسی سبب کے بغیر انسانی نفس میں شروع ہی شروع میں پیدا فرما دیا ہے۔ یہ قول ان کا ہے جو اسباب و حکمات کے قائل نہیں ہیں مگر شریعت فطرت اور عقل کے خلاف ہے۔

خواب اور تمثیل: اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کی صلاحیت کے مطابق بندے کو کوئی بات مثالی رنگ میں بتاتا ہے لہٰذا کبھی تو مثالی رنگ میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی جو کچھ دکھائی دیتا ہے بعینہٖ اس کا ظہور ہو جاتا ہے اور کبھی خواب واقع کے مطابق اسی طرح ہوتے ہیں جس طرح علم و علوم کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ قول پہلے دونوں اقوال سے اچھا ہے لیکن خواب اسی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے اور بھی اسباب ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

سوالات مجوبہ اور جوابات مجوبہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ایک مرتبہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ اکثر اوقات حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں مگر ہم نہیں ہوتے اور کبھی ہم ہوتے ہیں آپ نہیں ہوتے۔ میں آپ سے تین سوال کرتا ہوں۔ اگر آپ کو جوابات معلوم ہوں تو بتا دیجئے۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا دریافت کیجئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے حالانکہ وہ اس کا کوئی سلوک نہیں دیکھتا۔ اور کسی کو کسی سے دشمنی ہوتی ہے حالانکہ اس نے اس سے کوئی برائی نہیں دیکھی۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ ارواح جمع شدہ لشکر ہیں اور فضا میں ملتی جلتی ہیں۔ پھر جن ارواح میں تعارف ہو جاتا ہے ان میں اُنس پیدا ہو جاتا ہے اور جن میں اجنبیت رہتی ہے ان میں دنیا میں بھی اجنبیت ہی رہتی ہے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک کا تو جواب ہوا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا انسان بات کرتا کرتا کوئی بات بھول جاتا ہے۔ پھر اسے اچانک بات یاد آجاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہاں میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے۔ ہر دل کے لیے چاند کے بادل کی طرح بادل ہوتا ہے۔ پھر جیسے چاند پر بادل چھا کر اس کی روشنی مٹا دیتا ہے اور جب ہٹ جاتا ہے تو پھر چاند روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ذہن انسانی پر گفتگو کے دوران بادل چھا جاتا ہے اور وہ بات بھول جاتا ہے اور جب ہٹ جاتا ہے تو اسے وہ بات یاد آجاتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا دو کا جواب ہوا۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان خواب دیکھتا ہے پھر کوئی خواب تو سچا ہوتا ہے اور کوئی جھوٹا ہوتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ جب

انسان گہری نیند سو جاتا ہے تو اس کی رُوح عرش تک چڑھتی ہے۔ پھر جو عرش کے ورے بیدار نہیں ہوتا تو اس کا وہ خواب سچا ہوتا ہے ورنہ جھوٹا ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ الحمدللہ! میں نے موت سے پہلے تینوں کا جواب پالیا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حیرت کی بات ہے کہ کبھی انسان خواب میں ایسی بات دیکھتا ہے جس کا اس کے دل میں کھٹکا بھی نہیں گزرا تھا۔ اور اس کا وہ خواب سچا ہو جاتا ہے اور بعض خواب کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَ نْفُسَ الخ اللہ موت کے وقت بھی اَرواح قبض کر لیتا ہے۔ اور جو فوت نہیں ہوئے ان کی اَرواح نیند میں بھی قبض کر لیتا ہے۔ پھر وہ اَرواح روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور دوسری اَرواح ایک مقررہ وقت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ جن اَرواح کو نیند میں چڑھایا جاتا ہے وہ جو کچھ آسمان میں دیکھ آتی ہیں وہ باتیں ٹھیک ہوتی ہیں۔ پھر وہ جب اپنے اجسام کی طرف لوٹائی جاتی ہیں تو فضا میں ان کی شیطان سے ملاقات ہو جاتی ہے اور ان کی جھوٹی باتیں بتا دیتے ہیں۔ ایسے خواب جھوٹے ہوتے ہیں۔

اَرواح کا اُوپر چڑھنا:۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی رُوح اُوپر چڑھتی ہے یہاں تک کہ عرش کے پاس جا پہنچتی ہے۔ پھر اگر وہ پاک ہوتا ہے تو رُوح کو سجدے کی اجازت ملتی ہے ورنہ نہیں ملتی۔

اَرواح کا باہم محبت کرنا:۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اَرواح جمع شدہ لشکر ہیں اور باہم ملتی جلتی ہیں۔ پھر بعض ان میں گھوڑوں کی طرح منحوس بھی ہوتی ہیں۔ پھر جب ان اَرواح میں تعارف ہو جاتا ہے تو ان میں محبت ہو جاتی ہے ورنہ اختلاف ہو جاتا ہے۔ لوگ قدیم زمانے سے اب تک یہ بات

جانتے ہیں اور اس کا شاہدہ کرتے چلے آئے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ بسا اوقات انسان زندہ شخص کو بھی خواب میں دیکھ

اجتماعِ اَرواح :- لیتا ہے اور کبھی کبھی دونوں کے مابین کافی فاصلہ ہوتا ہے
ان کی اَرواح کا کس طرح اجتماع ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو مثال ہوتی ہے جسے
خواب کا فرشتہ مثال کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ یا خواب دیکھنے والے کا خیال ہوتا ہے
جو خواب میں اس کے لیے مجرد کر دیا جاتا ہے۔

حبیب بن اوس نے کیا خوب کہا ہے ؎

سُقْيًا لِطَيْفِكَ مِنْ زَوْرٍ أَتَاكَ بِهِ
حَدِيثُ نَفْسِكَ عَنْهُ وَهُوَ مَشْغُولُ

اے عزیز! اللہ تیرے تصور کو شاداب رکھے کہ مجھے اس کی بدولت تیری
زیارت ہو گئی۔

اے میرے تصور میں تجھ پر قربان۔ وہ گویا سامنے ہے اور میں ہوں۔ کبھی دو اَرواح
میں کوئی خاص مناسبت ہوتی ہے۔ اور دونوں کا انتہائی گہرا اور پوشیدہ واسطہ ہوتا
ہے۔ جس کی وجہ سے ہر ایک کو اپنے ساتھی کے بعض واقعات کا شعور ہو جاتا ہے۔ گو
ان کا کسی غیر کو شعور نہ ہو۔ لوگ اس سلسلے میں عجائبات کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ بغرضیکہ
زندوں اور مردوں کی اَرواح کا اجتماع بھی ہوتا ہے اور زندوں زندوں کی ارواح کا
بھی اجتماع ہوتا ہے۔

بعض سلف صالحین کا قول ہے کہ ارواح کی

فرشتہ کو اُم الکتاب کا مل جانا :- فضا میں ملاقات ہو جاتی ہے اور تعارف
ہو جاتا ہے۔ پھر بات چیت ہوتی ہے۔ پھر ان کے پاس خواب کا فرشتہ وہ بھلائی یا برائی
لے آتا ہے جو انہیں لاحق ہونے والی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سچے خوابوں پہ

Marfat.com

ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو ہر ایک شخص سے شناسا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے ہر شخص کے حالات کی تعلیم دی ہے۔ وہ ہر شخص کے آنے والے طبعی دینی و دنیوی انقلابات سے واقف ہوتا ہے اور تمام تفصیلات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ کوئی جزئی اس سے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی وہ اپنے جاننے میں خطا کرتا ہے۔ اس فرشتے کو ام الکتاب سے ان حوادث کی تحریر مل جاتی ہے جو کسی انسان کو پیش آنے والے ہوتے ہیں۔ پھر وہ انھیں کے روبرو محسوسات اور امثال کے رنگ میں اس کی عادت کے مطابق ڈھال دیتا ہے۔ چنانچہ کبھی تو اسے گزرے ہوئے یا آنے والے کی بھلائی کی خوشخبری سنا دیتا ہے۔ اور کبھی ان گناہوں سے جن کا اس نے قصد کیا ہے یا مرتکب ہو چکا ہے ڈراتا ہے اور کبھی ان بری باتوں سے نفرت دلاتا ہے جن کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں تاکہ وہ ایسے اسباب سے ٹکرا جائیں جو انھیں مٹا دیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں اپنی عنایت اور مہربانی سے متنبہ اور بیدار کرنے کے لیے اور بھی مصلحتیں رکھی ہیں۔ اور خواب کا ایک طریقہ ارواح کی آپس میں ملاقات و تعارف کا بھی مقرر فرمایا ہے۔ بہت سے لوگوں کی اصلاح خوابوں ہی سے ہو جاتی ہے۔ اور وہ گناہوں سے خلوص کے ساتھ توبہ کر کے اولیاء اللہ اور طالب حق بن جاتے ہیں۔ اور بہت سے ان کے ذریعہ صاحب ثروت بن جاتے ہیں اور گڑا ہوا خزانہ پا جاتے ہیں۔

خزانہ کا انکشاف: ایک آدمی کا بیان ہے کہ ایک بار ہم تین آدمی سفر پر روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران ہمارا ایک ساتھی سو گیا۔ ہم نے دیکھا اس کی ناک سے چراغ جیسی روشنی نکل کر ایک قریب ہی غار میں چلی جاتی ہے۔ پھر واپس لوٹ کر اس کی ناک میں داخل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس غار میں اتنا اتنا خزانہ ہے۔ چنانچہ ہم اس غار میں جاتے ہیں تو وہاں اتنا ہی خزانہ پاتے ہیں جتنا وہ خواب میں دیکھتا تھا۔

زمزم کا انکشاف :- کہتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو خواب ہی میں زمزم کی جگہ بتائی گئی تھی اور انھیں اس جگہ خزانہ بھی ملا تھا۔

خزانہ کی برآمد گی :- کہتے ہیں کہ عمیر بن وہیب سے خواب میں کہا گیا تھا کہ گھر میں فلاں فلاں جگہ کھود و تمھارے باپ کا گاڑا ہوا مال برآمد ہو گا۔
ان کے باپ نے مال گاڑ دیا تھا اور قبل از موت بتانے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ عمیر خواب دیکھ کر وہی جگہ کھودتے ہیں تو وہاں سے دس ہزار درہم اور بہت سا سونا برآمد ہوا۔
اُنھوں نے اس سے اپنا قرضہ بھی چکا دیا اور خوشحال بھی ہو گئے۔

الحاصل کلام :- یہ واقعہ ان کے مشرف بہ اسلام کے بعد کا ہے۔ جب یہ مال برآمد ہوتا ہے تو ان کی چھوٹی بچی نے کہا اے میرے باپ جس رب کریم نے ہمیں اپنے دین سے زندگی بخشی وہ ہبل اور عزیٰ سے اچھا ہے۔ کیونکہ آپ نے ابھی کچھ دن پہلے اس کی عبادت کا آغاز کیا تھا کہ اس نے آپکو یہ مال دے دیا۔

مال کی دریافتگی کا راز :- حضرت علی بن ابی طالب قیروانی معبرؒ نے بیان کیا کہ عمیر کے خواب کا واقعہ اس قدر حیرت انگیز نہیں جس قدر وہ واقعات حیرت انگیز ہیں جن کا ہم نے اپنے عہد میں اپنے شہر میں اپنی آنکھوں سے ابو محمد عبد اللہ سے مشاہدہ کیا ہے۔

عبد اللہ کی حکمتِ عملی :- کہتے ہیں کہ عبد اللہ ایک صالح آدمی تھے۔ یہ مُردوں کو خواب میں دیکھ کر ان سے خفیہ باتیں معلوم کر لیا کرتے تھے اور ان اہل خانہ اور رفقاء کو بتا دیا کرتے تھے۔ ان میں انھیں کمال حاصل تھا اور دور دور تک معروف تھے۔ لوگ دُور دُور سے ان کے پاس آکر کہتے کہ ہمارا فلاں رفیق مر گیا اس کے پاس مال تھا مگر اسے بتلانے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اب مال کا پتہ نہیں کہ کہاں گڑا ہوا ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہو گا تو مل جائے گا تم

کل آتا۔ پھر یہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کر کے رات کو سو جاتے اور خواب میں اسی مردے کو
دیکھتے۔ پھر اس سے اس کے مال کے بارے میں دریافت کرتے وہ اسے بتا دیتا تھا کہ مال
فلاں جگہ ہے۔

دینار کا مل جانا۔ عبداللہ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بڑی عورت نے وفات پائی جو
نہایت صالحہ تھی۔ ان کے پاس کسی عورت کی سات اشرفیاں امانت
رکھی ہوئی تھی۔ وہ آہ و زاری کرتی ہوئی عبداللہ کی خدمت میں آئی اور ان سے اپنا واقعہ بیان کیا
اور صالحہ کا نام بتا کر چلی گئی۔ پھر دوسرے روز آئی تو عبداللہ نے کہا کہ مجھے خواب میں صالحہ نے
بتایا ہے کہ میرے گھر کی چھت پر سات کڑیاں ہیں۔ ساتویں کڑی میں ایک اونی کپڑے
میں لپٹے ہوئے دینار رکھے ہیں۔ وہاں سے لے لو۔ چنانچہ وہاں سے دینار مل گئے۔

مال کی نشان دہی کرنا۔ ایک شخص نے کہا کہ مجھے ایک معتبر نے بتایا کہ مجھے
ایک عورت مزدوری پر لے گئی کہ میں اس کا گھر مسمار کر کے
نیا گھر بنا دوں۔ میں نے جب اسے گرانے کا قصد کیا تو وہ عورت اور سب کے سب اہل خانہ
باہر آ گئے۔ میں نے اہل خانہ سے دریافت کیا کیا بات ہے۔ عورت بولی میں اس لیے گھر
گرانا چاہتی ہوں کہ میرے باپ صاحب ثروت تھے اللہ کی رضا سے وصال کر گئے نامعلوم
ان کا مال کہاں ہے۔ میں نے سوچا کہ گھر میں ہی گڑا ہوگا شاید مکان گرانے سے مل جائیگا
کسی نے کہا اس سے آسان بات تو تم نے فراموش کر دی۔ اس نے کہا وہ کونسی بات ہے
جو میں بھول گئی۔ وہ بولی فلاں کے پاس جا کر ان سے واقعہ بیان کیجئے شاید وہ خواب میں
تمہارے باپ کو دیکھ کر ان سے دریافت کریں اور تمہیں بغیر خرچہ کے تمہارے باپ
کا مال مل جائے۔ وہ ان کے پاس گئی اور اپنا اور اپنے باپ کا نام بتا آئی۔ دوسرے دن صبح
سویرے ان کے پاس گئی تو انہوں نے بتایا میں نے تمہارے باپ کو خواب میں دیکھا
اور ان سے مال کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ مال محراب میں گڑا ہوا ہے

اُس نے اُسے کھود کر مال نکال لیا۔ لوگوں کو تعجب ہوا چونکہ مال تھوڑا تھا اس لیے وہ پھر ان کے پاس گئی کہ اس جگہ سے بہت کم مال ملا ہے۔ اُنہوں نے کہا کل آنا۔ دوسرے دن پھر وہ گئی تو فرمایا کہ تمہارے باپ نے بتایا ہے کہ اس مربع حوض کے نیچے کھودو جو روغن زیتون کا خزانہ ہے۔ پھر جب اُس نے کمرہ کھولا تو اس کے کونے میں ایک مربع حوض دیکھا وہاں کھودا تو ایک بڑا آب خورہ ملا مگر اب بھی اس عورت کی پیاس نہیں بجھی۔ پھر گئی اور تمام قصہ بیان کیا۔ اُس نے کہا کل پھر آنا۔ کل صبح سویرے پہنچ گئی۔ اُس نے کہا تمہارے باپ نے کہا ہے کہ تمہیں تمہارا مقدر مل گیا باقی مال پر جنّ کا قبضہ ہے وہ جس کے مقدر میں ہوگا اُسے ملے گا۔

مسائل کی دریافتگی: علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ بہت سے ان لوگوں نے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے معتقد نہیں تھے، بیان کیا کہ اُنہوں نے ابن تیمیہ کو خواب میں دیکھا اور فرائض کے پیچیدہ مسائل دریافت کیے اور شیخ نے انہیں حل کر بتا دیا۔

—

باب چہارم

رُوح و بدن کا بیان

سوال :۔ کیا روح و جسم دونوں موت کا ذائقہ چکھیں گے؟

جواب :۔ بعض نے کہا ہے کہ اَرواح کو بھی موت ہے کیونکہ رُوح بھی نفس ہے اور ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ معلوم ہوا اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی بھی موت کا ذائقہ چکھے نہیں رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ الخ جو روئے زمین پر ہیں سب فانی ہیں۔ پس آپ کی عزت و عظمت و جلالت والا رب ہی باقی رہے گا کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ماسوی اللہ ہر چیز فانی ہو جائے گی۔ جب فرشتوں کو موت ہے تو اَرواحِ بشریہ کو بدرجۂ اولیٰ موت ہے نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہنمیوں کی طرف سے نقل فرمایا ہے کہ وہ کہیں گے اے پروردگار تو نے دو بار ہمیں موت دی اور دو بار ہی زندہ کیا۔ لہٰذا ان دونوں موتوں میں سے پہلی موت تو جسم کی ہے اور دوسری موت رُوح کی ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک اَرواح کو موت نہیں ہے کیونکہ انھیں زندگی ہی کے لیے تخلیق کیا گیا ہے پس جسم ہی کو موت ہے کیونکہ جسم سے الگ ہونے کے بعد پھر بدن میں آنے تک روح پر عذاب و ثواب ہوتا ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ اگر اَرواح

بھی مر جائیں تو پھر ان پر عذاب و ثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا الخ تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ انھیں رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں دیا ہے وہ اس سے خوش ہیں۔ اور اپنے پسماندگان سے جو ان سے نہیں ملے ہیں خوش ہیں حالانکہ ان کی ارواح اجسام سے الگ ہو چکیں اور وہ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

ارواح کا ابدان سے جدا ہونا: اگر ارواح کی موت سے ان کا ابدان سے الگ ہونا مراد ہے تو بلاشبہ ارواح بھی مرتی ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ وہ بھی اجسام کی طرح عدم محض میں گم ہو جاتی ہیں تو بلاشبہ ارواح نہیں مرتیں بلکہ پیدائش کے بعد بھی ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہیں خواہ ثواب میں رہیں یا عذاب میں رہیں۔ انشاء اللہ اسے مفصل طور پر بیان کیا جائے گا اور صریح دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارواح عالم برزخ میں عذاب و ثواب میں رہتی ہیں۔ جب تک اللہ پھر انھیں ان کے اجسام میں نہ لوٹا دے۔ احمد حسین کندی نے اس اختلاف کو دو اشعار میں بیان کر دیا ہے کہ لوگوں میں حتیٰ کہ اختلاف ہے کہ سوائے موت کے کسی بات میں بھی اتفاق نہیں بلکہ موت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ روح صحیح سلامت رہے گی اور بعض کہتے ہیں کہ روح کو بھی موت ہے۔

ارواح کی موت و حیات: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ الخ اور صور پھونکا جائے گا پھر تمام ارض و سماوات والے مر جائیں گے مگر جنہیں اللہ تعالیٰ زندہ رکھنا چاہے۔ بعض کے نزدیک موت سے مستثنیٰ شہید ہیں۔ بعض کے نزدیک چاروں بڑے فرشتے۔ بعض کے نزدیک حوریں اور جنتی اور جہنم کے محافظ وغیرہ۔ امام احمد سے منقول ہے کہ نفخ صور کے وقت حور و غلمان نہیں مریں گے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى

کہ جنتی جنت میں موت نہیں چکھیں گے۔ پس انہیں دنیا میں موت آ چکی ورنہ دو موتیں ہو جائیں گی۔ رہا جنمیوں کا یہ قول کہ اے پروردگار تو نے ہمیں دوبارہ موت دی اور دوبارہ زندہ کیا۔ اس کی تفسیر سورہ بقرہ والی آیت کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ الخ میں ہے یعنی تم اللہ کا کیسے انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے۔ پھر اللہ نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر وہ تمہیں مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ یعنی باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے پیٹوں میں نطفوں کی شکلوں میں مردہ تھے۔ ازاں بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے زندہ کیا۔ پھر مار کر یوم حشر زندہ کرے گا۔ اس آیہ شریفہ میں حشر سے قبل نفخ صور سے ارواح کو مارنا مراد نہیں ہے بلکہ تین اموات جمع ہو جائیں گی۔ نفخ صور کے وقت ارواح کے بیہوش ہو جانے سے ان کی موت لازم نہیں آتی۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ لوگ حشر کے روز بیہوش ہو جائیں گے۔ پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں حضرت موسیٰ کو عرش کا پایہ پکڑے پاؤں گا۔ نا معلوم آپ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا طور پر بیہوشی کے بدلے میں بیہوش ہی نہیں ہوئے۔

ہوشی اور بیہوشی کا راز:۔ موقف میں جب اللہ تبارک و تعالیٰ فیصلے کے لیے آئے گا اور اس کے نور سے زمین نورانی ہو جائے گی اس وقت بھی سب بیہوش ہو جائیں گے۔ پس اگر یہ بیہوشی موت ہے تو ایک نئی موت لازم آتی ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا ذہن اس کی طرف منتقل ہوا ہے۔ چنانچہ قرطبی کا قول ہے کہ ظاہر طور پر اس حدیث سے مراد موت نہیں۔ شیخ احمد بن عمرو کا بیان ہے کہ بظاہر دوسری بار نفخ صور کے بعد بیہوشی ہو گی۔ اور آیات قرآنیہ کا تقاضا ہے کہ یہ استثناء بیہوشی والے نفخ صور کے بعد ہے۔ اسی سبب سے بعض علماء کا قول ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ فوت ہی نہ ہوئے ہوں مگر یہ غلط ہے۔ قاضی عیاض اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ممکن ہے اس بیہوشی سے قبروں سے اٹھنے کے بعد موقف کی گھبراہٹ کی بیہوشی مراد ہو۔ جب زمین اور آسمان شق ہو رہے ہوں گے۔

علامہ قرطبی کا قول ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول غلط ہے جس کی غلطی حدیث کے ان الفاظ سے ثابت ہوتی ہے کہ جب آپ اپنی قبر سے باہر آئیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پائیں گے۔ یہ حال گھبراہٹ میں ڈال دینے والے نفخ صور کے وقت ہوگا۔

موت کی حقیقی پوزیشن:۔ ایک بزرگ نامی احمد بن عمرو نے فرمایا کہ یہ پیچیدگی انشاء اللہ اس بیان سے حل ہو جائے گا کہ موت عدم نہیں ہے بلکہ انتقال مکانی ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ شہید قتل اور موت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں۔ نعمت خداوندی سے لطف حاصل کرتے ہیں اور دنیاوی احباب واقارب سے بھی خوش ہوتے ہیں۔ پھر جب شہداء کی برزخی حیاتی ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں۔ مزید برآں حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام نہیں کھاتی۔ اور یہ بھی کہ آپ اسرا کی رات آپ بیت المقدس میں انبیائے کرام علیہم السلام کے اجتماع میں شریک ہوئے اور آسمان میں بھی انبیائے کرام علیہم السلام سے ملے خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔ اور یہ بھی آپ کا فرمان عالی شان ہے کہ جو مسلمان مجھے سلام کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے میری رُوح مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔

الحاصل کلام:۔ ان سب اقوال سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام برزخی زندگی سے زندہ ہیں۔ اب جبکہ ان کی زندگی ثابت ہوگئی تو جب بیہوشی کا صور پھونکا جائے گا تو تمام ارض وسماوات والے بیہوش ہو جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ ان کی پہلی حالت پر برقرار رکھے لہذا انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بیہوشی تو موت ہے اور انبیاء علیہم السلام صرف بیہوش ہوں گے پھر جب زندگی موت کے بعد کا صور پھونکا جائے گا تو مرنے والے زندہ ہو جائیں گے

اور انبیاء علیہم السلام کو ہوش آجائے گا لہٰذا حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سب سے قبل اپنی قبر سے باہر تشریف لائیں گے۔ آپ
کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تردد ہے کہ آیا وہ اپنی پہلی حالت پر برقرار رہے اور
بے ہوش نہیں ہوئے یا بیہوش تو ہوئے مگر آپ سے قبل ہوش میں آگئے۔ اس سے
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی۔ لیکن ایک فضیلت سے
ان کا ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جزئی
فضیلت کلی فضیلت کو لازم نہیں۔ قرطبی کا قول اگر حدیث سے بروز حشر موقف والی
بے ہوشی مراد ہو تو کوئی پیچیدگی نہیں۔ اور اگر اس سے نفخ صور والی موت مراد ہو تو
قیامت کا ذکر آثار قیامت کے طور پر ہے۔ کیونکہ نفخ صور سے قیامت کا آغاز ہو
جائے گا۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جب زندگی موت کے بعد کا صور پھونکا
جائے گا تو سب سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرش کا پایہ
پکڑے ہوئے پاؤں گا۔

فلسفۂ عجوبہ

میری رائے میں نفخ صور والی موت مراد نہیں ہے۔ چونکہ حضور نبی
پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو اس میں تردد ہوا کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہوئے یا نہیں ہوئے۔ اور آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے سب
سے پہلے ہوش آئے گا۔ ثابت ہوا کہ آپ سب سے پہلے ہوش میں آئیں گے۔ اگر
حدیث سے موت کی بیہوشی مراد ہوتی تو آپ کو اپنی موت کا یقین اور حضرت موسیٰ علیہ
السلام کی موت میں تردد ہوتا۔ لیکن یہ بات بہت سے دلائل سے غلط ہے۔ پتہ چلا کہ
یہاں موت مراد نہیں ہے بلکہ موقف والی بیہوشی مراد ہے۔ اس صورت میں آیت سے
یہ معلوم نہیں ہوتا کہ موت والے صور سے ارواح مر جائیں گی۔ ہاں یہ معلوم ہوتا ہے
کہ تمام زندہ مخلوق مر جائے گی لیکن جو پہلے مر چکے یا جن پر موت نہیں اس آیہ کریمہ

سے اس پر موت ثابت نہیں ہوتی۔

محشر کی حکمت عملی: اگر یہ کہا جائے کہ ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ لوگ بروزِ محشر بیہوش ہو جائیں گے اور پھر سب سے پہلے زمین پھٹے گی پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا پایہ پکڑے ہوئے پاؤں گا تو ان الفاظ سے صاف صاف پتہ چل رہا ہے کہ یہاں موت والی بیہوشی مراد ہے۔ اس کا جواب یوں ہے کہ اس میں شک نہیں کہ حدیث کے یہی الفاظ ہیں اور ان سے پیچیدگی پیدا ہوتی ہے مگر اس میں راوی نے دو احادیث کے الفاظ جمع کر دیئے ہیں وہ دونوں احادیث مندرجہ ذیل ہیں:۔

پہلی حدیث:۔ لوگ محشر کے روز بیہوش ہوں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔

دوسری حدیث:۔ میں وہ پہلا شخص ہوں جس پر قیامت کے روز زمین پھٹے گی۔

چنانچہ ترمذی کی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ میں محشر کے روز تمام بنی نوع انسان کا سردار ہوں گا اس پر مجھے کوئی فخر نہیں ہوگا اور میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا جس میں فخر نہیں کرتا اور اس روز سب کے سب انبیائے کرام علیہم السلام میرے علم کے نیچے ہوں گے اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس پر زمین پھٹے گی۔ میں اس پر فخر نہیں کرتا۔ چنانچہ راوی نے دونوں احادیث جمع کر کے بیان کر دیں۔ یہ قول شیخ ابو الحجاج حافظ جمال الدین مزی محدث شام کا ہے۔

بیہوشی کا حقیقی راز:۔ اگر کہا جائے کہ حدیث کے ان الفاظ کو کیا کرو گے یا معلوم حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا ان میں سے ہیں جنہیں اللہ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ استثناء موت والی بیہوشی سے ہے۔ موقف والی بیہوشی سے نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اور صور پھونکا

جائے گا۔ پھر اس سے تمام ارض و سماوات والے بیہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ محفوظ نہیں ہیں اور کسی راوی کے وہم پر مبنی ہیں۔ جن الفاظ پر جمیع روایات کی موافقت ہے اور وہ محفوظ ہیں وہ یوں ہیں نامعلوم حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا طور کی بیہوشی کے بدلے بیہوش نہیں ہوئے۔ کسی راوی نے یہ خیال کیا کہ یہاں موت والی بیہوشی مراد ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں شامل ہیں جنہیں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ مطلب حدیث کے سیاق کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس صورت میں افاقہ سے زندگی موت کے بعد والا افاقہ مراد ہوگا تو آپ کا یہ کہنا بجا نہ ہوگا بلکہ غلط ہوگا۔ نامعلوم مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا کوہ طور کی بیہوشی کے بدلے بیہوش ہی نہیں ہوئے۔ یہ نہایت غور و فکر کا مقام ہے اس لیے یہاں سوچ بچار سے کام لینا چاہیے اور ہمارے بتلائے ہوئے مدعا کو اچھی طرح ذہن میں جگہ دینی چاہیے۔ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے۔

باب پنجم

معرفتِ ارواح

سوال :۔ جسموں سے الگ ہونے کے بعد اَرواح کس طرح شناخت کی جاتی ہیں۔

جواب :۔ اَرواح جسموں سے الگ ہونے کے بعد کس طرح شناخت کی جاتی ہیں کہ ان میں آپس میں تعارف و ملاقات ہو۔ کیا الگ ہونے کے بعد اَرواح جسموں والی صورتیں ہوتی ہیں۔ اس مسئلہ پر غالباً آج تک کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی کتاب میں کوئی مفید اور نافع مضمون لکھا گیا۔ ان کے اصول پر جو اَرواح کو مادے اور ان کی آلودگی سے مجرد مانتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ اَرواح نہ عالم کے اندر ہیں اور نہ ہی عالم سے باہر ہیں۔ اور یہ بھی کہ ان کی کوئی شکل و صورت اور ان کی کوئی لمبائی چوڑائی نہیں۔ اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ اس کے علاوہ ان کے عقاید پر بھی کوئی جواب نہیں جو اَرواح کو عوارض جسموں سے مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں تشخص و امتیاز اجسام ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا بعد از موت ان میں کوئی امتیاز و تشخص نہیں رہتا بلکہ دوسرے عوارض کی طرح ان کا وجود ہی ختم ہو جاتا

ہے۔ اور عدم کی گھٹا ٹوپ ظلمات میں ڈوب جاتی ہیں۔ البتہ اہل سنت وجماعت کے اصول پر اور اس بات کے تسلیم کرنے پر کہ روح بالذات ایک چیز ہے جو رواں دواں ہے جو اترتی چڑھتی ہے۔ متصل ومنفصل ہوتی ہے۔ اندر باہر آتی جاتی ہے اور اس میں ہلنا جلنا محسوس ہوتا ہے اس کا جواب ہے جس پر قرآن وحدیث سے اور عقل وقیاس سے بے شمار براہین ودلائل ہیں۔ ہم نے اپنی ضخیم کتاب جس کا نام معرفۃ الروح والنفس ہے' میں اس پر مفصلاً روشنی ڈالی ہے اور مخالفین کی رائے کی غلطی بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔ اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جو ہماری رائے تسلیم نہیں کرتے وہ اپنے انفاس سے واقف نہیں ہیں۔

حقیقت بدن وروح: قرآن مجید فرقان حمید جو ایک ایسی کتاب ہے جو ہر شک وشبہ سے پاک ہے اس سے ثابت ہے کہ روح اندر باہر آتی جاتی ہے۔ روح قبض کی جاتی ہے اور اٹھائی جاتی ہے اور روح اپنے مستقر کی طرف چڑھتی ہے اور اس کے لیے آفاق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں یا بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ولو تری اذا الظلمون فی غمرات الخ کاش آپ دیکھتے جب ظالم سکرات موت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں اور ملائکہ ان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتے ہیں اپنی ارواح نکالو۔ فرمایا یا ایتھا النفس المطمئنۃ الخ اے مطمئن روح اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا تو بھی اس سے خوش ہے اور وہ بھی تجھ سے خوش ہے۔ لہٰذا میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے ارشاد فرمایا ونفس وما سواھا الخ روح کی اور روح کو درست کرنے والے کی قسم جس نے اس کے دل میں اس کی برائی اور بھلائی ڈالی۔ یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے بدن کی طرح روح کو بھی ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر ارشاد ربانی ہے اَلَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ الخ جس نے تجھے بنایا پھر ٹھیک ٹھاک کیا پھر برابر کیا۔ بلکہ بدن کو اس لیے درست کیا کہ روح کا قالب بن جائے۔ لہٰذا بدن کا درست کرنا روح کے درست کرنے کے تابع ہے۔

کیونکہ بدن رُوح کا محل ہے جیسے قالب کسی شے کا محل ہوتا ہے جس میں وہ شے ڈالی جاتی ہے۔
سابقہ عبارات سے پتہ چلا کہ رُوح کی بھی شکل و صورت ہے اور بدن سے
الی صل کلام ۱۔ مل کر حسی صورت اختیار کر لیتی ہے جس سے انسان باہم ممتاز ہو جاتا
ہے۔ کیونکہ بدن کی طرح رُوح بھی متاثر و منفعل ہوتی ہے اور جسم پاکیزہ یا گندی روح سے
پاکیزگی یا آلودگی حاصل کرتا ہے لہٰذا بدن اور رُوح میں جس قدر ربط و تناسب اور تاثیر و انفعال
ہے ایسا کوئی کسی جوڑے میں نہیں۔ اسی طرح جدا ہونے کے وقت اس سے کہا جاتا ہے
کہ اے پاکیزہ رُوح جو پاکیزہ جسم میں ہے اور اے آلودہ رُوح جو گندے جسم میں ہے نکل آ۔
اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے اَللّٰہ یتوفی الانفس الخ اللہ موت کے وقت ارواح
پوری پوری لے لیتا ہے اور جن کی موت نہیں انہیں خواب میں لے لیتا ہے۔ پھر جن پر
موت کا فیصلہ ہو چکا انہیں روک لیتا ہے اور دیگر ارواح کو ایک مقررہ مدت تک کے
لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس آیہ کریمہ میں ارواح کے متعلق کہا گیا ہے انہیں اٹھایا جاتا
ہے، روکا جاتا ہے اور چھوڑا جاتا ہے۔ جس طرح کہ سابقہ آیات میں کہا گیا ہے کہ وہ
داخل ہو جاتی ہیں خارج ہو جاتی ہیں لوٹتی ہیں اور انہیں درست کیا جاتا ہے۔ حضور
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ جب ارواح قبض کیے جانے کے بعد اوپر چڑھتی ہیں
تو مرنے والے کی آنکھ اسے دیکھتی ہے اور یہ بھی بتایا کہ ملک الموت رُوح قبض کرتے ہیں۔
پھر ان کے ہاتھ سے فرشتے لے لیتے ہیں پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو
نکلتی ہے یا سڑی ہوئی لاش کی بدبو سے بھی زیادہ بدبو نکلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ عوارض کی
نہ بو ہوتی ہے اور نہ ہی انہیں روکا جاتا ہے اور نہ ہی انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے
اور یہ بھی بتایا کہ رُوح آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اس پر ارض و سماوات کے مابین کا
ایک ایک فرشتہ نماز پڑھتا ہے۔ اس کے لیے آفاق کے دروازے کھول دیئے
جاتے ہیں۔ پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک چڑھتی ہوئی اس آسمان پر پہنچ

جاتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ ہے پھر اُس کے سامنے کھڑی کر دی جاتی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اس کا نام علیین میں یا سجیین والوں کے ہاں لکھ لیا جائے۔ پھر رُوح زمین کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور کافر کی رُوح پھینک دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہ رُوح قبر میں سوال کے لیے بدن کے ساتھ داخل ہوتی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن کی رُوح پرندہ ہے جو بہشت کے اشجار کے پھل کھاتا رہتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ پھر اسے اس کے جسم میں لوٹا دے اور یہ بھی بتایا کہ شہداء کی اَرواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اور انہار جنت پر آتی جاتی رہتی ہیں اور بہشت کے پھل کھاتی ہیں اور یہ بھی بتایا کہ رُوح پر برزخ میں حشر تک عذاب و ثواب ہوتا ہے۔

رُوحِ فرعونی کا انکشاف۔ یاد رہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرعون کی قوم کی اَرواح کے متعلق فرمایا کہ انھیں حشر تک صبح اور شام آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا۔ شہداء کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اس زندگی سے اَرواح کی زندگی مراد ہے اور انھیں برابر رزق مل رہا ہے۔ ورنہ ان کے جسم تو بہت پہلے کے فنا ہو چکے ہوتے۔

اَرواح شہداء پر مزید تحقیق۔ پھر آپ نے اس زندگی کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ ان کی اَرواح سبز پرندوں کے جوف میں ہیں جن کے لیے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ بہشت میں چرتی پھرتی ہیں۔ پھر ان چراغوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ پھر ان کا پروردگار انھیں جھانک کر دریافت کرتا ہے کچھ خواہش ہے۔ اَرواح کہتی ہیں کہ ہم تو جنت میں اپنی مرضی کے مطابق چرتی پھرتی ہیں اب اور کیا خواہش ہوگی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تین بار یہی دریافت کرتا ہے۔ جب وہ دیکھتی ہیں کہ جواب دیئے بغیر چارہ نہیں تو کہتی ہیں ہماری یہ خواہش ہے کہ ہمیں اپنے اجسام کی طرف لوٹا دیا جائے تاکہ ہم دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید ہو جائیں۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ

والتسلیمات سے یہ بھی ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں میں ہیں اور جنت سے پھل کھاتی رہتی ہیں۔

ارواح کی حقیقی صفت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ احد میں جب تمہارے بھائی شہید ہو گئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دیں جو بہشت کی انہار اور پھلوں میں سے کھاتی پیتی ہیں اور عرش کے سائے میں سونے کے چراغوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ پھر جب انھوں نے اپنا پاکیزہ کھانا پینا اور سکون کی خوبصورت جگہ دیکھی تو کہنے لگیں کاش ہمارے بھائیوں کو بھی معلوم ہو جاتا کہ اللہ نے ہمارے لیے کیا نعمتیں فراہم کر رکھی ہیں تاکہ انھیں بھی جہاد کی رغبت ہو۔ اور لڑائی کے پیچھے نہ ہٹیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا میں خبر کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر یہ آیت نازل کی کہ تم میں سے جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور انھیں اپنے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا روایات ارواح کے خورد و نوش۔ حرکت و انتقال اور گفتگو کرنے کے متعلق ہیں۔

ارواح میں امتیاز: کیا ارواح میں بھی امتیاز و تشخص ہے؟ جب ارواح کے مذکورہ بالا اوصاف ہیں تو اجسام سے زیادہ ان میں تشخص و امتیاز ہے۔ بلکہ جسموں میں تو کبھی کبھی مشابہت پائی بھی جاتی ہے۔ مگر ارواح مشابہت قطعی نہیں ہے۔

مشابہت عامہ اور مشابہت خاصہ: معلوم ہو کہ ہم نے انبیائے کرام، صحابہ کرام، اور آئمۃ الہدیٰ کے جسموں کو نہیں دیکھا۔ حالانکہ وہ ہمارے علم میں شخصی خصوصیات کے مالک ہیں۔ یہ امتیازی خصوصیات صرف

ان کے جسموں ہی کے نتیجے ہیں۔ مگر ان کے جسموں کی خصوصی صفات بتادی گئی ہیں۔ بلکہ ان کی روحوں کی صفات و عوارض کے نتیجے ہیں۔ صفات کے اعتبار سے جسموں سے زیادہ روحوں میں تشخص ہے۔ دیکھتے نہیں کہ مومن و کافر کے جسم سے بہت سی باتوں میں ملتے جلتے ہیں۔ لیکن ارواح میں بہت بڑا فرق ہے۔ دو سگے بھائیوں کے اعضاء میں بہت سی شباہت ہوتی ہے مگر اس سے زیادہ ان کی ارواح میں فرق ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں ارواح اپنے اپنے ابدان سے الگ ہوجائیں تو ان کا آپس کا تمیز اور آپس کا فرق صاف ظاہر ہوگا۔ اب میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا کہ جب تم جسموں اور روحوں کے حالات پر غور کرو گے تو اس کا آنکھوں جیسا مشاہدہ کرو گے۔

جاننا چاہیئے کہ اکثر بری شکل اور بری صورت کا جسم اسی کی ارواح کا آئینہ تصور ہے۔ مناسب شکل و صورت والی روح کی سواری ہوتا ہے۔ اگر بدن میں کوئی کسی قسم کی آفت ہوتی ہے تو اسی کے مناسب آفت روح میں بھی ہوتی ہے۔ اسی سبب سے جسموں کے اشکال و احوال سے ارواح کے حالات معلوم کر لیتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں بہت سے عجائبات نقل ہیں۔ اسی طرح اکثر خوبصورت اور لطیف ترکیب والے جسم سے جو روح وابستہ ہے وہ بھی پاکیزہ ہوگی۔ شرط یہ ہے کہ موانعات نہ ہوں۔ جب ارواح علویہ اور ارواح سفلیہ جسم کے بغیر امتیازی خصوصیات کی مالک ہیں تو ارواح بشری بدرجہ اولیٰ مالک ہوں گی۔

باب ششم

ارواح کی واپسی

سوال :- کیا میت کو سوال کے وقت قبر میں مردے کی جانب روح لوٹائی جاتی ہے؟

سوال :- کیا قبر میں منکر نکیر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف لا کر سوال وجواب کرتے ہیں؟

سوال :- کیا قبر میں کفار و مشرکین سے بھی سوال وجواب ہوں گے؟

جواب :- حضور سید عالم نور مجسم رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین انیس الغریبین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے مفصل روشنی ڈال کر ہمیں عوام الناس کے اقوال سے بے نیاز کر دیا ہے اور روح کے لوٹائے جانے کی صراحت فرما دی ہے۔

ملائکہ کی آمد :- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازے کے ساتھ تھے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی

تشریف لا کر بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ کے گرد چپ چاپ بیٹھ گئے۔ مردے کی قبر کھودی جا رہی تھی کہ آپ نے تین دفعہ قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جب آدمی آخرت میں داخل ہونے والا ہوتا ہے اور دنیا میں وقت نزع میں ہوتا ہے تو اس کے پاس سورج جیسے روشن چہروں والے ملائکہ اتر آتے ہیں جو اس کی حد نگاہ تک ہوتے ہیں۔ پھر موت کے فرشتے آ کر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں اے پاکیزہ روح اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف نکل چل چنانچہ وہ آسانی سے نکل آتی ہے جیسے مشک کے منہ سے قطرہ نکلتا ہے۔ ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ اس کے لیتے ہی فرشتے ایک سیکنڈ کے لیے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے۔ اور ان سے لے کر جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں اسے لپیٹ لیتے ہیں۔ اس روح سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو پھوٹ پڑتی ہے۔ پھر ملائکہ اس کو لے کر چڑھتے ہیں اور ملائکہ کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے ہیں وہی دریافت کرتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے۔ لانے والے ملائکہ اس کا دنیوی سب سے اچھا نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے دنیوی آفاق تک لے جا کر پہنچ جاتے ہیں اور اس کے لیے دروازہ کھلواتے ہیں۔ بالآخر دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور اس آسمان کے تمام مقرب ملائکہ دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آسمان تک لے کر پہنچ جاتے ہیں جس پر اللہ برحق ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ دیجئے۔ اور اسے زمین کی طرف لوٹا دیجئے کیونکہ میں نے اس کی تخلیق مٹی سے کی ہے اور مٹی ہی میں اسے لوٹایا جائے گا اور پھر اسی سے پیدا کروں گا۔ پھر اس کی روح اس میں لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا پروردگار کون ہے۔ یہ جواب دیتا ہے میرا پروردگار اللہ ہے۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا دین کیا

ہے ؟ یہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے ۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے کون ہیں ۔ یہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں ۔ دریافت کرتے ہیں کہ تم کس طرح جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں ۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے کتاب اللہ پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی ۔ مجھے اس سے آپ کی رسالت کا علم ہوا ۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے نیچے بہشتی فرش بچھا دو ۔ اور جنت کی کھڑکی کھول دو ۔ پھر اس کی قبر میں بہشت کی مہک اور خوشبو آنے لگتی ہے ۔ اور اس کی قبر حدِ نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے ۔ پھر اس کے پاس ایک نہایت خوبصورت حسین و جمیل لباس والا ایک شخص آکر کہتا ہے کہ ایک خوشی کی خبر سنیے ۔ آج کا وہ روز ہے جس کا آپ سے دنیا میں عہد کیا گیا تھا ۔ یہ دریافت کرتا ہے کہ آپ کون ہیں آپ کے تو چہرے ہی سے بشارت ٹپک رہی ہے ۔ یہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں ۔ یہ سن کر وہ بارگاہِ الٰہی میں دعا مانگتا ہے کہ اے میرے پروردگار قیامت قائم فرما تا کہ میں اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹوں ۔

کافر کی قبر میں کیفیت عجوبہ: اسی طرح جب کافر دنیا سے کٹنے والا اور عقبیٰ میں داخل ہونے والا ہوتا ہے تو کالے سیاہ چہروں والے ملائکہ آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں ان کے ہاتھوں میں ٹاٹ ہوتی ہے ۔ یہ اس کی حدِ نگاہ تک ہوتے ہیں ۔ پھر موت کا فرشتہ آکر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں کہ اے گندی روح اللہ کے قہر و غضب کی طرف نکل مگر روح اس کے جسم کے کونے کونے میں پھیل جاتی ہے ۔ پھر ملک الموت اسے کھینچتے ہیں ۔ جیسے تر روئی سے سلاخ کھینچی جاتی ہے ۔ اور اسے پکڑ لیتے ہیں مگر ملائکہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور ان سے لے کر ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں ۔ اس سے انتہائی سڑی ہوئی لاش کی بدبو کی طرح بدبو نکلتی ہے ۔ پھر اسے لے کر چڑھتے ہیں اور ملائکہ کے جس گروہ گزرتے ہیں وہی پوچھتے

ہیں کہ یہ گندی روح کس کی ہے۔ یہ اُس کا سب سے بڑا دنیوی نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے۔ حتیٰ کہ اسے لے کر آسمانِ اوّل پر پہنچ جاتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ پڑھ کر سنائی لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ الخ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور وہ بہشت میں نہیں جائیں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے۔

کافر کا اعمال نامہ:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کافر کا اعمال نامہ سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں لکھ لو۔ پھر اس کی روح اوپر ہی سے پٹخ دی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ پڑھی۔ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ الخ اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ اب اسے خواہ پرندے اٹھا کر لے جائیں یا کہیں دور لے جا کر گرا دیں۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔

کافر سے سوال و جواب:۔ پھر دو فرشتے کافر کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ یہ جواب دیتا ہے ہائے ہائے۔ میں نہیں جانتا۔ ملائکہ پوچھتے ہیں کہ وہ کون ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرا بندہ جھوٹا ہے اس کے نیچے آگ کا فرش بچھا دو۔ اور جہنم کی کھڑکی کھول دو۔ پھر اس کی قبر میں دوزخ کی لپٹیں اور سخت گرم لو آنے لگتی ہے اور اسے قبر اس قدر دبوچتی ہے کہ اُس کی پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس بدبودار بدصورت اور برے کپڑوں میں ایک آدمی آ کر کہتا ہے ایک بری خبر سُن! آج کا وہ روز ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اُس نے پوچھا تو کون ہے؟ تیرے ماتھے پر برائی نمایاں ہے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں پھر یہ دعا مانگتا ہے کہ اے میرے پروردگار محشر برپا نہ کر۔ یہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

ہے یہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے کون ہیں۔ یہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ دریافت کرتے ہیں کہ تم کس طرح جانتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے کتاب اللہ پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ مجھے اس سے آپ کی رسالت کا علم ہوا۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے نیچے بہشتی فرش بچھا دو۔ اور جنت کی کھڑکی کھول دو۔ پھر اس کی قبر میں بہشت کی مہک اور خوشبو آنے لگتی ہے۔ اور اس کی قبر حدِ نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس ایک نہایت خوبصورت حسین و جمیل لباس والا ایک شخص آکر کہتا ہے کہ ایک خوشی کی خبر سنیے۔ آج کا وہ روز ہے جس کا آپ سے دنیا میں عہد کیا گیا تھا۔ یہ دریافت کرتا ہے کہ آپ کون ہیں آپ کے تو چہرے ہی سے بشارت ٹپک رہی ہے۔ یہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ یہ سن کر وہ بارگاہِ الٰہی میں دعا مانگتا ہے کہ اے میرے پروردگار قیامت قائم فرما تاکہ میں اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹوں۔

کافر کی قبر میں کیفیت عجوبہ:۔ اسی طرح جب کافر دنیا سے کٹنے والا اور عقبیٰ میں داخل ہونے والا ہوتا ہے تو کالے سیاہ چہروں والے ملائکہ آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں ان کے ہاتھوں میں ٹاٹ ہوتی ہے۔ یہ اس کی حدِ نگاہ تک ہوتے ہیں۔ پھر موت کا فرشتہ آکر اس کے سرہانے بیٹھ کر فرماتے ہیں کہ اے گندی روح اللہ کے قہر و غضب کی طرف نکل مگر روح اس کے جسم کے کونے کونے میں پھیل جاتی ہے۔ پھر ملک الموت اسے کھینچتے ہیں جیسے تر روئی سے سلاخ کھینچی جاتی ہے۔ اور اسے پکڑ لیتے ہیں مگر ملائکہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اور ان سے لے کر ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں۔ اس سے انتہائی سڑی ہوئی لاش کی بدبو کی طرح بدبو نکلتی ہے۔ پھر اسے لے کر چڑھتے ہیں اور ملائکہ کے جس گروہ پر گزرتے ہیں وہی پوچھتے

ہیں کہ یہ گندی روح کس کی ہے۔ یہ اس کا سب سے بڑا دنیوی نام لے کر بتاتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے۔ حتیٰ کہ اسے لے کر آسمانِ اوّل پر پہنچ جاتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ پڑھ کر سنائی لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ الخ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور وہ بہشت میں نہیں جائیں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے۔

کافر کا اعمال نامہ:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کافر کا اعمال نامہ سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں لکھ دو۔ پھر اس کی روح اوپر ہی سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیہ کریمہ پڑھی۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ الخ اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ اب اسے خواہ پرندے اٹھا کر لے جائیں یا کہیں دور لے جا کر گرا دیں۔ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔

کافر سے سوال و جواب:۔ پھر دو فرشتے کافر کے پاس آ کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ یہ جواب دیتا ہے ہائے ہائے۔ میں نہیں جانتا۔ ملائکہ پوچھتے ہیں کہ وہ کون ہیں جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے آواز آتی ہے کہ میرا بندہ جھوٹا ہے اس کے نیچے آگ کا فرش بچھا دو۔ اور جہنم کی کھڑکی کھول دو۔ پھر اس کی قبر میں دوزخ کی پیشیں اور سخت گرم لوئیں آنے لگتی ہے اور اسے قبر اس قدر دبوچتی ہے کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس بدبودار بدصورت اور برے کپڑوں میں ایک آدمی آ کر کہتا ہے ایک بری خبر سن! آج کا وہ روز ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے؟ تیرے ماتھے پر برائی نمایاں ہے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا گندہ عمل ہوں پھر یہ دعا مانگتا ہے کہ اے میرے پروردگار محشر برپا نہ کر۔ یہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

ابن حزم کا عقیدہ: ابن حزم کا قول ہے کہ جس کا یہ گمان ہے کہ حشر سے پہلے مُردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے غلط ہے کیونکہ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا الخ اور کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ الخ سے اس گمان کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر مُردہ کا قبر میں زندہ ہونا مان لیا جائے تو بجائے دو کے تین اموات اور تین حیاتیں لازم آتی ہیں۔ حالانکہ لازم غلط اور قرآن کے خلاف ہے۔ ہاں اگر اللہ کسی کو کسی نبی کے معجزے سے زندہ کر دے تو یہ اور بات ہے۔ جیسے موت کے ڈر سے ایک ہزار آدمی نکل کھڑے ہوئے تھے بالآخر اللہ نے انھیں مار دیا۔ پھر زندہ کر دیا۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام بیت المقدس سے گذرے تو وہ اُجاڑ تھا آپ پریشان ہوئے کہ اب یہ شہر کیسے آباد ہو گا۔ بالآخر اللہ نے انھیں مار دیا۔ پھر سو برس کے بعد زندہ کر دیا۔ غرضیکہ جسے کسی دلیل سے خاص کر دیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح آیہ کریمہ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ الخ سے بھی تائید ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم کی ان تین آیات کی رُو سے پتہ چلا کہ ارواح حشر سے پہلے جسم میں نہیں لوٹتیں۔

شبِ معراج ارواح کی کیفیت: اسی طرح حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ آپ نے معراج کی رات آسمانِ اول پر حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں طرف سعادت مندوں کی اور بائیں طرف بدبختوں کی ارواح کو دیکھا۔ اور جب بدر کے روز مقتول کفار کی لاشوں سے خطاب کیا تو انہوں نے آپ کی بات سُن لی۔ اس سے پہلے کہ قبروں میں جائیں اور صحابہ کرام نے جب یہ کہا کہ ان کی لاشیں بھی سڑ چکیں تو آپ نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔ اور بتایا کہ اس کے باوجود بھی یہ آپ کی باتیں سُن رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ خطاب روحوں سے تھا اور ارواح آپ کی باتیں سُن رہی تھیں اور ان کے جسموں میں حس اور شعور نہ تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ اہلِ قبور کو نہیں سنا سکتے۔ لہٰذا سماع کی نفی اہلِ قبور سے ہے یہ ایک ناقابلِ شکست حقیقت ہے کہ جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سماع کی نفی کی ہے۔

وہ ان کے علاوہ ہیں جن کے لیے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے سماع ثابت فرمایا ہے۔ کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ سوال کے وقت مردوں کی ارواح اجسام میں لوٹادی جاتی ہیں ورنہ ہم بھی اس ہوتے۔ حدیث شریف میں قبور میں جسموں میں ارواح لوٹانے کی زیادتی میں منہال بن عمرو منفرد ہیں۔ اور یہ قوی نہیں ہیں۔ شعبہ وغیرہ کے نزدیک متروک ہیں۔ ان کے متعلق مغیرہ بن مقسم کا قول ہے کہ اسلام میں منہال کی گواہی روا نہیں ہے جیسا کہ منقول ہے۔ سب درست اخبار اس زیادتی کے خلاف ہیں۔

یاد رہے کہ ہماری رائے کے مطابق

حضرت سیدنا ابن فاروق کا قول و عمل۔ صحابہ کرام سے بھی یہی ثابت ہے چنانچہ صفیہ بنت شیبہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر فاروق رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہوئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی نعش پکڑی ہوئی دیکھی تو اس سے کہا گیا کہ حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو تسلی دی اور فرمایا کہ یہ لاشیں کچھ نہیں ہیں ارواح تو اللہ رب العالمین جل مجدہم الکریم کے پاس ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواباً کہا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر ایک لڑکی کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا ہماری تو کیا حقیقت ہے۔

علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ میرے خیال میں اس میں کچھ باتیں درست

رائے میں اختلاف۔ ہیں اور کچھ نادرست ہیں۔ ان کا قول ہے کہ قبر میں زندہ ہونے کی رائے غلط ہے۔ اگر اس سے دنیوی زندگی مراد ہے جس میں روح بدن سے قائم ہوتی ہے اور اس میں تصرف اور انتظام کرتی ہے اور بدن اس کی موجودگی میں کھانے پینے اور پہننے کا محتاج ہوتا ہے تو مردے کی ایسی زندگی کی رائے سراسر غلط ہے اور نہ صرف نص بلکہ عقل و حس بھی اس کا انکار کرتی ہے۔ اور اگر اس سے برزخی زندگی مراد ہے جو دنیوی زندگی کی طرح

نہیں تو قبر میں رُوح جسم کی طرف لوٹتی ہے تاکہ امتحان لیا جائے مگر یہ لوٹنا دنیوی لوٹنے کی طرح نہیں ہے تو یہ رائے درست ہے۔ اور اسے نادرست کہنے والا خطا پر ہے۔ اور جو حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے اس کو بھی ان شاء اللہ آگے بیان کیا جائے گا۔

ابن حزم کی دلیل و برہان میں آیۂ مبارکہ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا الخ سے

زندگی کا رازِ عجوبہ: جسم سے رُوح کے عارضی طور پر لوٹ آنے کی نفی نہیں ہے۔ جیسے اسرائیلی مقتول قتل کیے جانے کے بعد عارضی طور پر زندہ کر دیا گیا تھا، پھر مر گیا تھا۔ لہٰذا سوال کے لیے یہ عارضی زندگی ناقابلِ اعتبار تھی۔ کیونکہ وہ ذرا سی دیر کے لیے زندہ کیا گیا تھا کہ اس نے یہ بتا دیا کہ مجھے فلاں نے موت کے گھاٹ اتارا۔ اور یہ بتا کر پھر فوت ہو گیا۔ مزید براں رُوح کو جسم میں لوٹا دینے سے مستقل زندگی لازم نہیں آتی بلکہ جسم سے ایک قسم کا واسطہ پیدا ہو جاتا ہے اور رُوح کا واسطہ اپنے جسم سے برابر قائم رہتا ہے۔ گو جسم بوسیدہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مٹی میں مٹی ہو جاتا ہے۔

تعلقاتِ رُوح کا راز: رُوح کے جسم کے ساتھ پانچ قسم کے تعلقات ہیں اور ہر تعلق کا حکم الگ الگ ہے۔

رُوح کا پہلا تعلق: روح کا جسم کے ساتھ پہلا تعلق یہ ہے کہ رحم میں جنین میں بھی رُوح کا جسم سے تعلق ہو جاتا ہے۔

رُوح کا دوسرا تعلق: رُوح کا جسم کے ساتھ دوسرا تعلق یہ ہے کہ یہ تعلق دنیا میں آنے کے بعد ہوتا ہے۔

رُوح کا تیسرا تعلق: رُوح کا جسم کے ساتھ تیسرا تعلق نیند کی حالت میں ہوتا ہے کہ جسم سے ایک صورت سے تعلق بھی ہے اور ایک صورت سے مفارقت بھی ہے۔

رُوح کا چوتھا تعلق: رُوح کا جسم کے ساتھ چوتھا تعلق برزخ میں ہوتا ہے کیونکہ

اگرچہ بعد از موت روح جسم سے الگ ہو کر آزاد ہو جاتی ہے مگر ایسی علیحدگی نہیں ہوتی کہ ذرا سا بھی تعلق باقی نہ رہے۔

ہم نے ابتدا میں قبر میں روح کے لوٹائے جانے کی احادیث بیان کی ہیں کہ جب مردے کو کوئی سلام کرتا ہے تو سلام کا جواب دینے کے لیے اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے یہ ایک خاص قسم کا لوٹایا جانا ہے جو حشر سے پہلے بدن کی زندگی کو لازم نہیں ہے۔

روح کا پانچواں تعلق: روح کا جسم کے ساتھ پانچواں تعلق زندگی بعد الموت کے بعد ہو گا جو سب سے گہرا اور مکمل تعلق ہو گا جس کے سامنے پہلی قسم کے چاروں تعلق ہیچ ہوں گے کیونکہ یہ ایسا تعلق ہو گا جس کے ہوتے ہوئے نہ موت آئے گی اور نہ نیند اور نہ ہی جسم میں کسی قسم کی تبدیلی رونما ہو گی۔

روح کی رکاوٹ کا راز: یاد رہے کہ ابن حزم نے جو فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ پیش کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ روح کو روک لینا مردے کے جسم میں عارضی طور پر کسی وقت روح کو لوٹائے جانے کے خلاف نہیں کیونکہ اس لوٹائے جانے سے دنیا کی زندگی لازم نہیں آتی۔ سونے والے کو دیکھئے نہ وہ زندہ ہوتا ہے اور نہ وہ مردہ ہوتا ہے بلکہ درمیانی حالت میں ہوتا ہے حالانکہ جسم میں روح باقی ہے اور زندہ کہلاتا ہے۔ لیکن اس کی زندگی بیداری کی زندگی سے الگ ہے کیونکہ نیند موت کی حقیقی ہمشیرہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب روح لوٹا دی جاتی ہے تو اس کی درمیانی حالت ہوتی ہے نہ مردہ ہوتی ہے اور نہ زندہ ہوتی ہے۔ اور مردہ ہی کہلاتا ہے بصرف اسی چیز پر غور کرنے سے بہت سی پیچیدگیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے جو یہ خبر دی ہے کہ آپ نے معراج کی رات میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے کے متعلق بعض محدثین کا خیال ہے کہ آپ نے ان کے جسموں کو روح کے ساتھ دیکھا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے رب تعالیٰ

کے نزدیک زندہ ہیں۔

انبیاء کا مختلف مقامات پر دیکھا جانا:- جاننا چاہیئے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بیت المعمور سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کے حلیے بھی بیان فرما دیئے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ آپ کا رنگ گندمی تھا اور آپ لمبے قسم کے آدمی ہیں جیسے قبیلہ شنوءۃ کے آدمی ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے جیسے آپ ابھی ابھی نہا کر غسل خانے سے نکلے ہوں۔ اور فرمایا جس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو نہ دیکھا ہو وہ مجھے دیکھ لے۔ لیکن اکثر ارباب حدیث کا قول ہے کہ آپ نے صرف انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو دیکھا۔ کیونکہ ان کے اجسام تو قبروں میں ہیں جو حشر سے پہلے نہیں اٹھائے جائیں گے ورنہ ان کا حشر سے پہلے زمین سے اٹھنا لازم آئے گا اور پھر نفخ صور کے وقت مرنا لازم نہیں آئے گا۔ جس سے تین اموات لازم آئیں گی جو سراسر غلط ہیں۔ اگر ان کے اجسام قبور سے اٹھا لیے گئے ہوتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے بہشت کا وعدہ نہ فرماتا بلکہ بہشت میں ہوتے۔

جنت کی ملکیت کا ماحصل:- حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا فرمان عالی شان ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ سے پہلے انبیاء پر جنت حرام فرما دی ہے سب سے پہلے آپ ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور سب سے پہلے آپ ہی قبر سے اٹھیں گے۔ بلاشبہ آپ کا جسم مبارک قبر میں تر و تازہ اور نرم ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سید الرسل امام السبل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا تھا کہ آپ کے بوسیدہ ہونے کے بعد آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا تو آپ نے فرمایا اللہ رحیم و کریم نے

مٹی پر انبیاء کے جسم کو حرام فرما دیا ہے۔ اگر آپ کا جسم مبارک قبر میں باقی نہ مانا جائے تو آپ
کا یہ جواب غلط ہو جاتا ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ

قبر انور پر ملائکہ کا مقرر فرمانا

نے آپ کی قبر انور پر فرشتے مقرر فرما دیئے ہیں
جو آپ کو آپ کی اُمت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی
اللہ عنہما کے درمیان نکلے اور فرمایا اسی طرح ہم زندہ کیے جائیں گے۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے
کہ آپ کی رُوح مبارک اعلیٰ علیین میں انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ
اعلیٰ قدوسیوں کی جماعت میں ہے۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات
سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور
آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا۔ اس سے پتہ چلا کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام کا جسم قبر میں تھا اور رُوح آسمان پر تھی۔ اور روح کا بدن سے ایک خاص
قسم کا تعلق تھا کہ آپ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب
بھی دیتے تھے حالانکہ رُوح رفیق اعلیٰ میں تھی۔ یہ دونوں قول منفرد ہیں۔

احوال رُوح احوال جسم سے الگ ہیں۔ دیکھئے وہ متناسب۔ اور ہم شکل

الحاصل کلام۔ جسم و روح میں انتہائی قرب ہوتا ہے۔ اگرچہ ان میں انتہائی دوری ہو
۔ اور نفرت اور دشمنی رکھنے والی دو ارواح میں انتہائی دوری ہے گو جسم کے قریب ہی کیوں نہ
ہوں۔ رُوح کا اترنا چڑھنا اور صعود و نزول ہونا بدن کے اترنا چڑھنا اور قرب و بُعد کی
طرح نہیں ہے۔ کیونکہ رُوح ذرا سی دیر میں ساتوں آسمانوں پر چڑھ کر اتر بھی آتی ہے جو بدن
کے لیے ناممکن ہے۔ اسی طرح خواب اور بیداری میں ارواح اترتی بھی ہیں اور چڑھتی
بھی ہیں۔

ارواح کا مثال عجوبہ ہونا: جاننا چاہیئے کہ بعض لوگوں نے رُوح کی مثال آفتاب سے اور آفتاب کی کرنوں سے دی ہے۔ کیونکہ آفتاب تو آسمان میں ہے مگر اس کی کرنیں زمین تک پہنچ رہی ہیں۔ لیکن ہمارے شیخ کے نزدیک یہ مثال غلط ہے کیونکہ سورج آسمان سے تو نہیں اترتا اور زمین پر آفتاب کی کرنیں نہ تو سورج ہیں اور نہ ہی سورج کی صفت ہیں بلکہ عرض ہیں جو آفتاب کے سبب سے جو زمین کے سامنے ہے پیدا ہوتی ہیں اور رُوح بالذات چڑھتی اترتی ہے۔ صحابہ کرام کا بدر کے مقتولین کے بارے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا کہ جن کی لاشیں سڑ گئیں آپ ان سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ اور آپ کا یہ جواب دینا کہ یہ آپ کی گفتگو سُن رہے ہیں اس بات کے خلاف نہیں ہے کہ اس وقت ان کی ارواح ان کے جسم میں لوٹ آئی تھیں۔ جن کی وجہ سے اُنھوں نے آپ سے باتیں سن لیں۔ حالانکہ گل سڑ گئے تھے کیونکہ خطاب ارواح سے تھا جن کا ان کے گلے سڑے اجسام سے ایک گونہ تعلق تھا۔

سماعت و بلاغت: وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ جس کافر کا دل مردہ ہے آپ اسے اس طرح نہیں سُنا سکتے کہ اسے آپ کی باتوں سے اہل قبور فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مراد نہیں ہے کہ اہل قبور کسی وقت سن ہی نہیں سکتے کیونکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردہ جنازے میں شریک ہونے والوں کے جوتوں کی آہٹ سُنتا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ بدر کے مقتول آپ کی باتیں سُن رہے ہیں اور آپ نے خطاب کے صیغے کے ساتھ مردوں پر سلام کو اپنا طریقہ بنایا اور بتایا کہ جو مومن ان پر سلام کرتا ہے وہ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس آیۂ کریمہ کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔ فرمایا اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الخ کہا جاتا ہے کہ بہروں کو سنانے کی نفی مردوں کو سُنانے کی نفی کے ساتھ

والے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی سماعت کی اہلیت نہیں۔ اور ان کے دل چونکہ مُردہ اور بہرے ہیں اس لیے انہیں سنانا بیکار ہے اور ان سے خطاب کرنا ایسا ہے جیسا کہ مُردہ اور بہروں سے خطاب ہوتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مطلب درست ہے لیکن اس سے مرنے کے بعد زجر و توبیخ کے لیے ارواح کو جب کہ کسی وقت ان کا جسموں سے ایک قسم کا واسطہ ہو، سماعت کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ سنانا منفی سنانے کے علاوہ ہے۔ اصل میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کریم جسے سنانا نہ چاہے آپ اسے سنانے پر قدرت نہیں رکھتے۔ آپ تو صرف نذیر یعنی ڈرانے والے ہیں۔ یعنی اللہ رحیم و کریم نے آپ کو ڈرانے پر تو قدرت دی ہے جس کے آپ مکلف ہیں لیکن ان کے سنانے پر قدرت نہیں دی جنہیں اللہ رحیم و کریم سنانا نہ چاہے۔

جو حدیث کے ضعیف ہونے کا سوال ہے

حدیث کے ثقہ ہونے کا ثبوت: وہ ابن حزم کی بے بنیاد بات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث درست اور صحیح ہے اور اسے براء بن عازب سے زاذان کے علاوہ بھی ایک گروہ نے روایت کیا ہے۔ عدی بن ثابت والی حدیث قدرے اختلاف الفاظ کے ساتھ ہے۔ ایسے ہی مجاہد والی حدیث ہے۔ یہ حدیث اثبات میں معروف ہے۔ ہمیں حدیث میں کوئی ایسا امام معلوم نہیں جس نے اس پر طعن کیا ہو بلکہ اسے اماموں نے اپنی اپنی کتب میں مرقوم کیا ہے اور اسے قبول کر کے عذاب و ثواب قبر کے اور منکر نکیر کے سوال و جواب کے سلسلے میں دین کے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔ ابن حزم کا یہ قول کہ زاذان کے سوا کسی دوسرے سے روایت نہیں وہم پر مبنی ہے۔ ابھی ہم نے اوپر بیان کیا کہ ایک گروہ سے روایت ہے۔ دارقطنی نے اس کی تمام اسناد ایک رسالہ میں اکٹھی کر دی ہیں۔ زاذان ثقہ ہیں اور اکابر صحابہ کرام جیسے حضرت سیدنا عمر فاروق وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی روایت مسلم میں بھی ہے۔

ابن معین کا خیال:۔ ابن معین نے بھی انھیں ثقہ بتایا ہے۔ ان کے متعلق حمید بن ہلال سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں۔ ان جیسے راویان کے متعلق دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ ابن عدی کا قول ہے کہ اگر یہ ثقہ سے روایت کریں تو ان کی روایت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

منہال ابن عمرو کے قول کی اہمیت:۔ ابن حزم کا یہ قول کہ منہال ابن عمرو اس زیادتی میں اکیلے ہیں خطا پر ہیں بلکہ قول تو منہال عادل اور ثقہ ہیں۔ ابن معین و عجلی نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ان پر سب سے بڑا طعن یہ ہے کہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنی گئی۔ اس سے ان کی روایت میں ردو قدح لازم نہیں آتا۔ ابن حزم نے انھیں جو ضعیف کہا ہے وہ کچھ نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تفرد کے سوا ضعف کی کوئی دلیل نہیں دی حالانکہ منہال منفرد نہیں ہیں۔ یہ زیادتی اور راوی بھی بیان کرتے ہیں مگر دوسرے راویوں نے تو اس جیسے یا اس سے زیادہ سخت الفاظ روایت کیے ہیں مثلاً مُردے کی طرف اس کی رُوح کا لوٹایا جانا۔ رُوح کا مردے کی قبر کی طرف لوٹنا۔ مردے کا اُٹھنا بیٹھنا۔ منکر نکیر کا مردے کو بٹھانا۔ مردے کا قبر میں بٹھایا جانا۔ یہ تمام احادیث درست اور صحیح ہیں۔ اور ان میں کوئی شک نہیں۔ بعض نے ان میں یہ عیب نکالا ہے کہ براء سے زاذان کا سننا ثابت نہیں ہے۔

سماع کے اثبات کا اصلی پہلو:۔ مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ ابو عوانہ اسفرائینی اپنی صحیح میں جو روایت لائے ہیں اس میں سماع کی صراحت ہے۔ زاذان کا فرمان ہے کہ میں نے براء سے سنا۔ حافظ عبداللہ بن منده کا بیان ہے کہ یہ متصل اور معروف سند ہے۔ اور اسے براء سے ایک گروہ نے روایت کیا ہے۔ اگر ہم بفرض محال براء والی حدیث کو نظر انداز بھی کر دیں تو دوسری صحیح احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی

حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والے کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اگر نیک ہوتا ہے تو ملک الموت کہتا ہے اے پاکیزہ رُوح جو پاکیزہ جسم میں ہے نکل۔ تعریفات کے حال میں نکل اور آرام و روزی سے اور رضائے الٰہی سے خوش ہو جا۔ آخر رُوح نکل آتی ہے۔

راویان کے متفق ہونے کی کیفیت: حافظ ابو نعیم علیہ الرحمۃ جو بہت عظیم محدث ہیں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راویان کی عدالت پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے۔ اور پہلے اکابر علماء جیسے ابن ابی فدیک اور عبد الرحیم بن ابراہیم وغیرہ۔ ابن ابی ذئب سے روایت کرتے ہیں۔ بلکہ ابن ابی ذئب سے بکثرت لوگوں نے نقل کی ہے۔ ابن مندہ بدن میں رُوح کے لوٹانے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ نے یہ آیہ کریمہ وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الخ کاش آپ دیکھتے جب ظالم کی موت بے ہوشیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ پھیلا رہے ہوں گے۔ اور فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے ہر شخص دنیا سے اٹھنے سے پہلے اپنا دوزخی یا بہشتی ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔

ملائکہ کا دُعا کرنا: ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ دنیا سے الگ ہوتے وقت مرنے والے کے سامنے ملائکہ کی دو قطاریں زمین و آسمان کے درمیان باقاعدہ نظام کے ساتھ ہوتی ہیں۔ گویا ان کے چہرے سورج ہیں۔ مرنے والا بس انھیں ہی دیکھتا ہے تو پاس بیٹھنے والے خیال کرتے ہیں کہ جاں بلب مریض ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ہر فرشتے کے پاس کفن اور خوشبو ہوتی ہے۔ اگر مرنے والا مومن ہوتا ہے تو اسے جنت کی خوشخبری دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے پاکیزہ رُوح کی جنت اور خوشخبری

کی طرف نکل۔ اللہ رحیم و کریم نے تیرے لیے نہایت صاحب عظمت نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو دنیا جہان سے بہتر ہیں۔ فرشتے برابر اسے خوشخبری دیتے اور گھیرے رہتے ہیں۔ اس پر اس کی والدہ سے بھی زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ اور اس کی رُوح ہر ناخن اور ہر جوڑ کے اندر سے کھینچتے ہیں۔ پس رفتہ رفتہ رُوح جس جس حصّے سے کھینچی جاتی ہے وہ حصّہ مرتا جاتا ہے اور اس پر آسانی ہوتی جاتی ہے۔ اگرچہ تم اس پر سختی دیکھتے ہو۔ بالآخر رُوح ٹھوڑی تک آجاتی ہے جس طرح بچہ رحم سے بمشکل نکلتا ہے اس سے بھی زیادہ مشکل سے رُوح جسم سے نکلتی ہے۔ پھر ہر فرشتہ اسے لینے کے لیے جلدی کرتا ہے مگر ملک الموت لے لیتے ہیں۔ پھر آپ نے آیۂ مبارکہ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الخ آپ فرما دیجئے کر تمھاری رُوح فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر کیا گیا ہے اور تم سب کے سب اپنے رب تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جاتے ہو' کی تلاوت فرمائی۔ پھر ملائکہ سفید کفنوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں اور اسے سینوں سے چمٹا لیتے ہیں جیسے ماں بچے کو بعد از ولادت چمٹا لیتی ہے۔ بلکہ ماں سے بھی زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ پھر اس سے مشک سے بھی زیادہ خوشبو مہک اُٹھتی ہے۔ فرشتے اس کی خوشبو سونگھتے ہیں اور اسے چمٹائے رہتے ہیں۔ اور کہتے رہتے ہیں کہ اے روح پاکیزہ مرحبا ہو۔

ملائکہ کی دُعا: پھر بارگاہِ خداوندی میں دُعا کرتے ہیں اے الہ العالمین! اس رُوح پر اپنی رحمت نازل فرما اور اس جسم پر بھی اپنی رحمت نازل فرما جس جسم سے یہ رُوح نکلی ہے۔

آسمان کے دروازوں کا کُھلنا: پھر اس کے ساتھ چڑھتے ہیں۔ فضا میں اللہ کی ایک مخلوق ہے جس کا شمار اللہ ہی کے علم میں ہے۔ اس آنے والی خوشبودار رُوح کی مہک انھیں بھی پہنچتی ہے جو مشک سے بھی بہتر ہوتی ہے وہ بھی اس کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دُعا کرتے ہیں اور سینے سے

لگا لیتے ہیں۔ پھر ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ رُوح جس آسمان سے گزرتی ہے اس کے فرشتے اس کے لیے دُعائیں کرتے ہیں بالآخر رُوح بارگاہ الٰہی میں پہنچ جاتی ہے۔ اس پاکیزہ رُوح کا اللہ تعالیٰ بھی استقبال کرتا ہے اور اس کے جسم کا بھی جس سے یہ نکلی ہے۔ اور جب اللہ رحیم و کریم کسی کا استقبال فرمائے تو ہر چیز اُس کا استقبال کرتی ہے اور اس سے ہر قسم کی تنگی دُور ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ جل و علا اس پاکیزہ رُوح کے لیے فرماتا ہے کہ اسے جنت میں داخل کر کے اس کا بہشتی ٹھکانہ دکھا دو۔ اور میں نے اس کے لیے عزت اور سکون والی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ انھیں بھی دکھا دیجئے۔ پھر اسے زمین پر لے جایئے کیونکہ میرا فیصلہ ہے کہ میں نے انسان کو خاک سے تخلیق فرمایا ہے اور خاک میں ہی لوٹا دوں گا اور پھر خاک سے ہی پیدا کروں گا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے رُوح کو جسم سے نکلتے وقت اتنا بار نہیں ہوتا جتنا کہ جنت سے نکلتے وقت ہوتا ہے۔

رُوح کا جسم میں دوبارہ داخل ہونا: پھر رُوح کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ کیا اس جسم میں لے جا رہے ہو جس جسم میں تھی۔ فرشتے کہتے ہیں ہمیں یہی حکم ہے کہ تمہیں بھی اس کے بغیر چارہ نہیں بالآخر ملائکہ اسے اتار لاتے ہیں۔ اتنے وقفہ میں لوگ جسم کے غسل و کفن سے فارغ ہو جاتے ہیں اور رُوح کو اس کے جسم و کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔

الحاصل کلام: اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رُوح جسم و کفن کے درمیان لوٹا دی جاتی ہے۔ یہ لوٹانا اس تعلق کے علاوہ ہے جو دنیا میں رُوح کو جسم کے ساتھ تھا۔ یہ تعلق کی الگ ہی قسم ہے جو حالت نیند کے تعلق کی طرح نہیں نہ ہی اس تعلق کی طرح ہے جو تعلق قرارگاہ میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ سوال کے لیے ایک خاص قسم کا لوٹنا ہے۔

علامہ ابن قیم نے فرمایا کہ صحیح اور متواتر احادیث سے
عذاب و ثواب کا مسئلہ: معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے وقت رُوح بدن میں
لوٹا دی جاتی ہے۔ رُوح کے بغیر صرف بدن سے سوال کے بھی بعض لوگ قائل ہیں مگر جمہور
اس کو نہیں مانتے۔ بعض کے نزدیک صرف رُوح سے سوال ہوتا ہے بدن سے نہیں ہوتا
جیسا کہ ابن حزم وغیرہ کی رائے ہے مگر دونوں باتیں نادرست ہیں اور صحیح احادیث سے
باطل ہیں۔ اگر سوال صرف رُوح سے ہوتا ہے تو رُوح کیلئے قبر کی خصوصیت نہ ہوتی۔
اس مسئلہ کی وضاحت ایک دوسرے مسئلہ کے جواب سے بھی ہوتی ہے یعنی کیا قبر کا عذاب
و ثواب رُوح و بدن پر ہے یا صرف روح پر ہے یا صرف بدن پر ہے۔ شیخ الاسلام سے
یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تھا۔ آپ نے جو جواب دیا وہ یوں ہے کہ اہل سنت و جماعت کا اس
پر اتفاق ہے کہ عذاب و ثواب رُوح اور بدن دونوں پر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عذاب
و ثواب صرف رُوح پر ہوتا ہے اس میں محدثین اور اہل کلام کے دو معروف قول ہیں۔
اس مسئلہ میں اور بھی شاذ و نادر اقوال ہیں جو محدثین کے نہیں ہیں۔ اہل فلاسفہ کا قول ہے
کہ عذاب و ثواب صرف رُوح پر ہوتا ہے بدن پر نہیں ہوتا۔ یہ لوگ موت کے بعد کی زندگی
کے قائل نہیں ہیں اور بالاتفاق کافر ہیں۔ یہی قول متکلمین اور معتزلہ وغیرہ کا ہے جو
زندگی موت کے بعد کے تو قائل ہیں مگر ان کا قول ہے کہ زندگی موت کے بعد برزخ میں
نہیں ہے بلکہ بروز محشر اس کا ظہور ہوگا۔ یہ لوگ برزخ میں بدن کے عذاب و ثواب کے
قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ برزخ میں صرف ارواح پر عذاب و ثواب ہوتا ہے مگر بروز محشر
روح و بدن دونوں پر عذاب و ثواب ہوگا۔ محدثین اور اہل کلام وغیرہ کا ایک گروہ اسی کا
قائل ہے۔ ابن حزم اور ابن مرۃ نے اسی کو پسند کیا ہے۔ یہ قول شاذ اقوال ثلاثہ میں
سے نہیں ہے بلکہ اس قول کے قریب ہے جو عذاب قبر اور محشر کو مانتا ہے اور معاد
جسموں اور روحوں کو مانتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کے عذاب قبر میں تین قول ہیں۔

اقوالِ مختلفہ:۔ عذاب قبر کے بارے میں مندرجہ ذیل تین اقوال ہیں :۔

پہلا قول:۔ فقط رُوح پر ہوتا ہے۔

دوسرا قول:۔ رُوح پر ہوتا ہے اور رُوح کے واسطے سے بدن پر بھی ہوتا ہے۔

تیسرا قول:۔ فقط بدن پر ہوتا ہے۔ اس قول سے اس کا قول بھی ملحق ہے جو عذاب قبر کا قائل ہے اور رُوح کو زندگی تسلیم کرتا ہے۔ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ جسموں پر مطلق عذاب نہیں۔ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ رُوح پر مطلق عذاب نہیں۔ لیکن اگر شاذ اقوال تین مان لیے جائیں تو دوسرا شاذ قول اس کا ہے جو کہتا ہے کہ تنہا رُوح پر عذاب و ثواب نہیں روح تو زندگی کا نام ہے۔ یہ معتزلہ اور اشعریہ وغیرہ کا قول ہے۔ یہ لوگ بدن سے جُدا ہونے کے بعد رُوح کے باقی رہنے کے قائل نہیں ہیں۔ یہ قول باطل ہے ابوالمعالی الجوینی وغیرہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔

بقائے رُوح کا حال:۔ یاد رہے کہ کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ رُوح بدن سے الگ ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور اس پر عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ علم الٰہی کے فلاسفہ اسے مانتے ہیں لیکن معادِ اجسام کے قائل نہیں ہیں۔ دونوں اقوال غلط اور گمراہی میں ڈالنے والے ہیں۔ مگر فلاسفہ کا قول اہلِ اسلام کے قول سے بہت دُور ہے۔ گو اس مسئلہ میں ان کی موافقت وہ کرتے ہیں جن کو اسلام سے تمسک کا اعتقاد ہے بلکہ وہ بھی جو اپنے آپ کو اربابِ معرفت اور اربابِ تصوّف اور اربابِ تحقیق و کلام سمجھتے ہیں۔ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ قیامت سے پہلے برزخ میں عذاب و ثواب نہیں۔ بعض معتزلہ کا یہی قول ہے۔ غرضیکہ یہ تمام فرقے برزخ کے معاملہ میں گمراہ ہیں۔ تاہم فلاسفہ سے بہتر ہیں کیونکہ قیامت کبریٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔

قبر میں عذاب و ثواب پر آراء:۔ باطل خیالات معلوم کرنے کے بعد اُمت کے علماء اور سلف صالحین کی آراء تلاش کرنی چاہیئے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ قبر میں عذاب و ثواب برحق ہے اور روح و بدن دونوں پر ہوتا ہے۔ رُوح بدن سے جدا ہو کر باقی رہتی ہے اور عذاب یا ثواب میں مبتلا رہتی ہے کبھی بدن سے متصل بھی ہو جاتی ہے۔ اور بدن کو اس کے ساتھ عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ محشر کے روز اَرواح اجسام میں لوٹا دی جائیں گی اور قبروں سے اُٹھ کر لوگ اللہ رحیم وکریم کے سامنے آ کھڑے ہوں گے۔ جسموں کے ساتھ مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں سب کا اتفاق ہے۔

عذاب میں تخفیف:۔ اس سلسلہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی متواتر احادیث آئی ہیں۔ مثلاً حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات دو قبروں کے پاس سے گزرے اور آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں عذابِ قبر میں مبتلا ہیں اور کسی اہم گناہ پر نہیں بلکہ ایک قبر والا تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ نے کسی درخت کی ایک تازہ ٹہنی منگوا کر اسے نصف نصف کر کے دونوں قبروں پر گاڑ کر فرمایا کہ شاید اللہ رحیم وکریم اس کے خشک ہونے تک عذابِ قبر میں تخفیف فرما دے۔

اللہ کی پناہ طلبی کا راز:۔ زید بن ثابت سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم بنی نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے اور ہم آپ کے پاس تھے۔ اتنے میں خچر بدکا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو گرا دے گا کہ اتنے کچھ قبریں نظر آئیں۔ آپ نے دریافت کیا کہ کوئی قبروں والوں سے واقف ہے۔ ایک شخص نے کہا میں ان سے واقف ہوں۔ دریافت کیا انہوں نے کب انتقال کیا۔ اس نے کہا یہ شرک میں فوت ہوئے۔ فرمایا میری اُمت

قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔ اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو تو میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا کہ میری طرح تمہیں بھی عذاب قبر سنا دے پھر آپ نے ہماری طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا۔ آگ سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ صحابہ کرام نے کہا ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں پھر فرمایا ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو صحابہ کرام نے کہا ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ کے خواستگار ہیں۔ فرمایا دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

چار اشیاء سے اللہ کی پناہ طلب کرنا۔ پچھلے تشہد سے فارغ ہو کر چار اشیاء سے اللہ رحیم و کریم کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

پہلی چیز:۔ عذاب جہنم سے۔

دوسری چیز:۔ عذاب قبر سے۔

تیسری چیز:۔ زندگی اور موت کے فتنوں سے۔

چوتھی چیز:۔ مسیح دجال کے فتنوں سے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں قرآن کی طرح یہ دعا سکھاتے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ۔

یہودیوں پر قبروں میں عذاب ہونا:۔ غروب آفتاب کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو

آپ نے آواز سُن کر فرمایا اہل یہود کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک بوڑھی یہودیہ نے مجھ سے کہا کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ میں نے اسے جھٹلا دیا اور مجھے یقین نہ کیا خیر وہ چلی گئی اتنے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ میں نے قبر کے عذاب کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا حقیقت ہے جسے تمام جانور سنتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے آپ کو ہر نماز کے بعد قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے دیکھا۔

اُم بشر سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے اور اسے جانور بھی سنتے ہیں۔

درد کی دوری: بعض علماء کا کہنا ہے کہ اسی سبب سے جب جانوروں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو لوگ جانوروں کو اہل یہود، اہل نصاریٰ اور منافقین کی قبور پر لے جاتے ہیں۔ جب جانور خاص طور پر گھوڑے قبر کا عذاب سنتے ہیں تو اس سے بوکھلا کر بدکتے ہیں اور ان کے پیٹ کا درد جاتا رہتا ہے۔

جانوروں کا عذاب سماعت کرنا: ابوالحکم بن برخان کا بیان ہے کہ لوگوں نے اشبیلیہ کے اونچے قبرستان میں ایک مُردہ دفن کیا اور دفن کر کے اس کی قبر کے قریب بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ ایک جانور قریب ہی چر رہا تھا۔ اتنے میں وہ دور چلا گیا۔ پھر آیا اور کان کھڑے کر لیے۔ کئی بار اُس نے ایسا ہی کیا۔ ابوالحکم فرماتے ہیں کہ اُس وقت مجھے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی یاد آیا کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے جسے جانور بھی سنتے ہیں۔ مسلم شریف پڑھاتے وقت آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا تھا۔ جانور عذاب والے اہل قبر کی چیخ و پکار سنتے ہیں۔

توحید پر قائم رہنا:۔ قبر میں سوال کی احادیث بکثرت ہیں۔ چنانچہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا ارشاد ہے کہ جب مسلمان سے قبر میں سوال ہوتا ہے تو وہ توحید و رسالت کا اقرار کر لیتا ہے۔ اسی کو آیۂ کریمہ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ ثابت کرتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور قبر کے بھینچنے پر پسلیاں بکھر جاتی ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے عذاب جسم و روح دونوں پر ہوتا ہے۔

قبر کی کشادگی:۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب مُردے کو دفن کر کے لوگ واپس ہوتے ہیں تو مُردہ اُن کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے مومن کے سرہانے سے نماز، دائیں طرف سے روزہ، بائیں طرف سے زکوٰۃ اور پائنتی سے دوسرے اعمال گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر منکر نکیر سرہانے سے آتے ہیں تو روزہ نہیں آنے دیتا۔ اگر بائیں طرف سے آتے ہیں تو زکوٰۃ نہیں آنے دیتی۔ پھر اسے اُٹھ کر بیٹھنے کے لیے کہتے ہیں تو مُردہ اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سورج غروب ہو رہا ہے۔ اس سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تم میں جو شخص تھا اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے اور اسے کیا کہتے ہو، مُردہ بولتا ہے مجھے نماز پڑھ لینے دیجئے۔ جواب ملتا ہے نماز تو پڑھ ہی لوگے پہلے ہمارے سوال کا جواب دیجئے۔ مُردہ کہتا ہے آپ کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ میں شاہد ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور بارگاہِ الٰہی سے دینِ برحق لے کر آئے تھے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اسی عقائد پر تم زندہ رہے اور اسی عقائد پر فوت ہوئے اور انشاء اللہ اسی پر اُٹھائے جاؤ گے۔ پھر بہشت کا دروازہ کھول کر اس سے کہا جاتا ہے کہ جنت بھی تمہارے لیے ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ بھی سب تمہارے لیے ہیں۔ یہ دیکھ کر مردہ خوشی سے نہیں سماتا۔

پھر اس کی قبر ستر ہاتھ کشادہ اور روشن کر دی جاتی ہے۔ جسم مٹی میں ملا دیا جاتا ہے۔ جس سے آغاز ہوا تھا اور رُوح کو پاکیزہ اَرواح میں ٹھہرا دیا جاتا ہے جن کے ساتھ یہ روح بھی جنت کے پھل کھاتی ہے۔ یہی بات یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ سے ثابت ہوتی ہے۔

کافر کی قبر کا حال:۔ کافر کی قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلی سے پسلی نکل جاتی ہے۔ یہ تنگ زندگی ہے جیسے اس آیۂ مبارکہ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا الخ اس کے لیے تنگ زندگی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اُٹھائیں گے'' میں بیان کیا گیا۔ حضرت اَنس بن مالک سے روایت ہے کہ منکر نکیر لوہے کے ہتھوڑے کافر کی پیشانی پر مارتے ہیں اور کافر چیختا ہے تو اس کی چیخ جن و انسان کے علاوہ سب سنتے ہیں۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد انسان کے پاس دو سیاہ فام نیلی آنکھوں فرشتے آتے ہیں جن کو منکر نکیر کہا جاتا ہے۔ آگے ہم معنی حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ سوال کے بعد مومن سے کہا جاتا ہے کہ اب آرام سے سو جاؤ۔ مُردہ کہتا ہے کہ میں گھر جا کر خبر کر آؤں منکر نکیر کہتے ہیں دلہن کی طرح سو جاؤ۔ جسے اس کا محبوب شوہر ہی آ کر جگاتا ہے۔ جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ تمھیں تمھاری خوابگاہ سے نہ اُٹھائے۔ اس میں بھی صراحت ہے کہ بدن پر عذاب و ثواب ہوتا ہے۔

حضرت سعد کے جنازے کی کیفیت:۔ حضور سیّد عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ ہیں جن کے لیے عرش حرکت میں آ گیا۔ آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور ستر ہزار فرشتوں نے ان کے لیے گواہی دی۔ قبر نے انھیں دبوچا پھر چھوڑ دیا۔ یعنی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔

محدثین کی مختلف آراء: ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ قبر کے دبوچنے سے کوئی نہیں بچا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جیسے نہیں بچے۔ جن کا رومال دنیا جہان سے بہتر ہے۔

حضرت نافع کا بیان ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں ستر ہزار ملائکہ شریک تھے جو کبھی زمین پر نہیں اترے تھے۔ اور مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قبر نے دبوچا۔

قبر کے دباؤ کی کیفیت عجوبہ: حضرت نافع کا بیان ہے کہ ہم حضرت صفیہ بنت ابی علید جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کے پاس آئے۔ آپ گھبرائی ہوئی تھیں۔ ہم نے پوچھا کیا بات ہے؟ بولیں! میں ام المومنین کے پاس سے آئی ہوں۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو عذاب قبر معاف ہوتا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو معاف ہوتا مگر انہیں بھی قبر نے دبوچا۔

حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات اپنی بیٹی کو دفن کر کے ان کی قبر کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ کے چہرۂ انور پر افسردگی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر آثار غائب ہو گئے۔ صحابہ کرام نے اس کی وجہ دریافت کی تو حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی بیٹی کی کمزوری اور عذاب قبر یاد آگیا تھا۔ پھر میں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی تو اللہ نے عذاب ہٹا دیا۔ واللہ! انھیں قبر نے ایسا دبوچا جس کی آواز زمین و آسمان کے درمیان والوں نے سنی۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی آہ وزاری: کسی کا کہنا ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ایک بچی کا جنازہ گزرا۔ آپ جنازے کو دیکھ کر رونے لگیں۔ میں نے پوچھا آپ کیوں روتی ہیں۔

فرمایا قبر کے دبوچنے کے خیال سے اس بچی پر ترس کھا کر مجھے رونا آ گیا۔ غرضیکہ قبر کا دبوچنا روح و جسم کے لیے ثابت ہے۔

ابو عبداللہ نے کہا عذابِ قبر برحق ہے اس کو گمراہ نہیں مانتا۔

عذابِ قبر کا راز:۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ابو عبداللہ سے قبر کے عذاب کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا اس کے بارے میں صحیح احادیث ہیں جن پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ احادیث اعلیٰ درجہ کی اسناد سے ثابت ہیں۔ ان کا تسلیم کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ہم ایسی احادیث کو بھی ٹھکرا دیں تو احکامِ الٰہی کو ٹھکرا دیں گے کیونکہ اس کا حکم ہے کہ اللہ کے رسول جو کچھ تمھیں دیں اسے لے لو۔ میں نے پوچھا کیا عذابِ قبر برحق ہے؟ فرمایا ہاں برحق ہے۔ ہمارا عذابِ قبر پر، منکر نکیر پر اور سوالِ قبر پر ایمان ہے اور مندرجہ آیہ کریمہ وَيُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ قبر کے سوال ہی کے بارے میں اتری ہے۔

لفظ منکر نکیر کی اصل:۔ احمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کیا آپ منکر نکیر اور عذابِ قبر کے قائل ہیں؟ فرمایا سبحان اللہ! ہم اس کے ہر طرح سے قائل ہیں۔ میں نے کہا کیا آپ سوال کرنے والے کو منکر نکیر کہتے ہیں یا فرشتے کہتے ہیں؟ فرمایا منکر نکیر کہتے ہیں۔ میں نے کہا حدیث میں تو منکر نکیر کے الفاظ نہیں ہیں۔ فرمایا حدیث شریف میں منکر نکیر کے الفاظ موجود ہیں۔

مومنین کے عذاب کا راز:۔ ابو الہذیل و موسیٰ کا قول ہے کہ مومنین پر عذاب نہیں ہے۔ ہاں غیر مومن پر نفخۂ موت و نفخۂ بعث کے درمیانی وقفہ میں عذاب ہو گا۔ اور اسی وقت سوال ہو گا۔ کافروں پر ہمیشہ کے لیے عذاب ہو گا اور فاسقین پر بھی ایسے ہی ہے۔ صرف مومن کی یہ صفت ہے کہ وہ اس سے بری ہے۔

اجسامِ مومنین کی کیفیت :- بکثرت معتزلہ کا قول ہے کہ فرشتوں کو منکر نکیر کہنا جائز نہیں۔

صالحی وغیرہ نے کہا کہ عذابِ قبر مومنین پر ان کے اجسام میں اُرواح لوٹائے بغیر ہوتا ہے۔ جائز ہے کہ مردہ روح کے بغیر درد محسوس کرے اور اسے حس اور شعور ہو۔ کرامیہ کے ایک گروہ کا بھی یہی قول ہے۔

بعض معتزلہ نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مُردوں پر عذاب فرماتا ہے اور ان کو درد پہنچاتا ہے حالانکہ اس کا انھیں شعور نہیں ہوتا۔ حشر کے روز انھیں آلام ومصائب اور عذابوں کا شعور ہوگا۔

عذاب شدہ مردوں کی کیفیات :- کہتے ہیں کہ عذاب میں گرفتار مردوں کی مثال نشے والے اور بیہوش کی طرح ہے۔ اگر انھیں مارا جائے تو دکھ محسوس نہ ہوگا لیکن جب نشہ اُتر جانے گا اور وہ ہوش میں آجائیں گے تو چوٹ کا بھی احساس ہوگا۔ بعض معتزلہ تو سرے سے ہی عذابِ قبر کے منکر ہیں۔

عذابِ برزخ کا راز :- یہاں یہ جاننا جزوِ لازم ہے کہ قبر کے عذاب سے عذابِ برزخ مراد ہے۔ جو عذاب کا مستحق ہوتا ہے اسے برزخ میں حسبِ استحقاق عذاب ضرور بھگتنا پڑتا ہے خواہ دفن ہو یا نہ ہو۔ مثلاً درندے کھا جائیں یا آگ میں جل کر راکھ ہو جائے، اور اس کی راکھ ہوا میں اُڑ جائے۔ یا پھانسی کے تختہ پر لٹکا رہے یا سمندر میں ڈوب جائے۔ برزخ میں رُوح اور بدن دونوں پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔

خواب مجربہ :- حضور نبیٔ پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نمازِ فجر سے فارغ ہو کر صحابہ کرام سے دریافت کیا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی خواب

تو نہیں دیکھا، جو کوئی صحابی خواب دیکھتا تھا تو بیان کر دیتا تھا۔ ایک روز حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ و التسلیمات دستور کے مطابق صحابہ کرام سے پوچھتے ہیں کہ کسی نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا۔ صحابہ کرام نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا آج میں نے خواب دیکھا ہے کہ دو شخص میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ارض مقدس کی جانب لے جاتے ہیں۔ اچانک مجھے آدمی نظر آئے۔ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا شخص لوہے کا آنکڑا لیے ہوئے کھڑا ہے۔ اور اُسے اس کی بانچھ میں ڈال کر گدی تک بانچھ چیر ڈالتا ہے۔ پھر دوسری بانچھ چیرنے لگتا ہے اتنے میں پہلی بانچھ صحیح ہو جاتی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ مگر میرے دونوں ساتھی کہتے ہیں آگے بڑھیے۔ چنانچہ ہم آگے چل پڑے۔ چلتے چلتے ایک شخص کے پاس سے گزرے جو چاروں شانے چت لیٹا ہے۔ اور ایک شخص اُس کے سر کو ایک بڑے پتھر سے کچل رہا ہے۔ جب پتھر اس پر مارتا ہے تو پتھر لڑھک کر آگے چلا جاتا ہے۔ یہ اُسے اُٹھا کر لاتا ہے اتنے میں اُس کے سر کا زخم بھر کر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ پھر کچل دیتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ میرے ساتھیوں نے کہا آگے بڑھیے۔ پھر ہم چل پڑتے ہیں۔ چلتے چلتے تنور جیسے ایک غار کو دیکھا جس کا منہ اوپر سے تو تنگ ہوتا ہے مگر وہ اندر سے کشادہ ہوتا ہے اور اس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور مادر زاد ننگی عورتیں اور مرد جل رہے ہیں۔ آگ کے شعلے انھیں غار کے منہ تک اُٹھا لاتے ہیں۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ اب یہ غار سے باہر نکل آئیں گے۔ پھر وہ شعلے بجھ جاتے ہیں اور یہ پھر اس کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے مگر ساتھیوں نے یہی کہا آگے بڑھیے۔ پھر ہم چلتے چلتے ایک خون کے دریا پر پہنچتے ہیں جس کے کنارے پر ایک آدمی کھڑا ہے اور اس کے روبرو پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ اور ایک آدمی اس دریا کے درمیان میں ہے جب وہ ساحل پر آ کر اس سے نکلنا چاہتا ہے تو ساحل والا آدمی اس کے منہ میں پتھر ٹھونس دیتا ہے اور اسے زور سے دھکا دیتا ہے

کہ یہ پتھر اس جگہ جا پڑتا ہے جہاں سے آیا تھا۔

میں نے کہا یہ کیا ہے۔ ساتھیوں نے کہا آگے بڑھیے۔ پھر ہم

محلات کی منظر کشی:۔ چلتے چلتے ایک ہرے بھرے باغ میں پہنچ گئے۔ اس میں ایک بہت بڑا درخت ہے اور اس درخت کی جڑ میں ایک بزرگ اور بہت سے بچے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور درخت کے قریب ایک ہی آدمی آگ سلگا رہا ہے۔ میرے ساتھی مجھے اس درخت پر چڑھا دیتے ہیں اور مجھے ایک خوبصورت محل میں لے جاتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آج تم نے مجھے تو سیر کرا دی مگر جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کی خبر بھی تو دو۔ ساتھیوں نے کہا اچھا سنئے جس کی باچھیں چیری جا رہی تھیں وہ کذاب آدمی تھا جو جھوٹ بولا کرتا تھا اور اس کا جھوٹ دور دراز پھیل جاتا تھا۔ اس کے ساتھ حشر تک ایسا ہی ہوتا رہے گا اور تنور میں جو ننگے عورت و مرد دیکھے گئے وہ زانی ہیں۔ اور جو شخص خون کے دریا میں دیکھا گیا وہ سود کھانے والا ہے۔ اور جو بزرگ درخت کی جڑ میں بیٹھے ہیں وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ اور جو ان کے پاس بچے ہیں وہ لوگوں کے بچے ہیں۔ اور آگ سلگانے والے جہنم کے داروغہ ہیں۔ اور پہلا گھر عام مسلمانوں کا ہے اور یہ گھر شہداء کا ہے میں جبرائیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ ذرا سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھیے۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو بادل جیسا ایک محل نظر آیا۔ فرمایا یہ آپ کے سکون کی جگہ ہے۔ میں نے کہا اچھا تم مجھے اپنے گھر میں جانے دیجئے۔ فرمایا ابھی آپ کی عمر باقی ہے پوری نہیں ہوئی اگر عمر پوری ہو جاتی تو آپ اس گھر میں چلے جاتے۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے صاف طور پر عالم برزخ کا عذاب و ثواب

الحاصل کلام:۔ ثابت ہو رہا ہے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں اور اصل کے مطابق ہوتے ہیں۔

حضور سید الرسل امام السبل علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والتسلیم

بلا وضو نماز کی سزا: کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ کے کسی بندے کو قبر میں سو کوڑے مارنے کا حکم ہوا لیکن وہ لگاتار بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے رہے حتیٰ کہ ایک کوڑے کا حکم رہ گیا۔ پھر ان کی قبر آگ کا تنور بن گئی۔ پھر جب یہ عذاب ہٹ گیا اور انھیں ہوش آیا تو پوچھا مجھے یہ سزا کس وجہ سے دی گئی۔ ملائکہ نے کہا کہ تم نے ایک نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی۔ اور ایک دفعہ تم ایک مظلوم کے پاس سے گزرے تھے تو تم نے اس کی مدد نہیں کی تھی۔

حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم معراج والی

معراج النبی کا راز: حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک گھوڑا لایا جاتا ہے۔ میں اس گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہوں۔ اس کا ہر قدم جہاں تک نظر پڑتی ہے پڑتا ہے۔ ہم جا رہے ہیں اور جبرائیل ہمارے ہمراہ ہیں۔ پھر ہم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرتے ہیں جو بوتے ہی کاٹ لیتے ہیں اور کٹتے ہی پھر فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں۔ جبرائیل نے کہا یہ فی سبیل اللہ مجاہد ہیں۔ ان کی نیکیاں سات سو تک بڑھا دی جاتی ہیں۔ پھر ہم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں۔ اور کچلتے ہی پھر درست ہو جاتے ہیں۔ یہ عذاب انھیں لگاتار ہو رہا ہے۔ میں نے پوچھا جبرائیل یہ کون لوگ ہیں تو جبرائیل نے کہا یہ مانع زکوٰۃ تھے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور نہ ہی اللہ کسی پر ظلم کرتا ہے۔ پھر ہم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے آگے پاکیزہ تازہ اور پکا ہوا گوشت رکھا ہے اور سڑا ہوا بھی۔ مگر یہ تازہ گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ جبرائیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر غیر محرم عورتوں کے پاس راتیں گزارا کرتے تھے۔ میں نے پھر دیکھا کہ راستہ میں ایک لکڑی

پڑی ہوئی ہے جو کپڑوں کو پھاڑتی اور چیزوں کو توڑتی ہے۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرائیل نے کہا یہ آپ کے امت کے ڈاکوؤں کی مثال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لوگوں کو ڈرانے کے لیے ہر راستے پر نہ بیٹھیے۔ پھر میں ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرا جس نے لکڑیوں کا اس قدر بوجھ جمع کیا ہوا تھا کہ اسے اٹھا نہیں سکتا اور مزید جمع کرنے کی فکر میں ہے۔ جبرائیل سے دریافت کیا یہ کیا ہے۔ جبرائیل نے کہا یہ آپ کا وہ اُمتی ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں اور یہ لوگوں کی امانتیں نہیں دیتا اور مزید امانتوں کو جمع کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ پھر میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں اور کٹتے ہی صحیح ہو جاتے ہیں۔ یہ عذاب انھیں مسلسل ہو رہا ہے۔ جبرائیل سے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں فرمایا یہ فتنے کے زمانے کے مقرر ہیں۔ پھر میں ایک تنگ سوراخ کے پاس سے گزرا جس سے نور نمایاں ہو رہا تھا۔ پھر یہ نور واپس جانا چاہتا ہے مگر واپس نہیں ہو سکتا۔ دریافت کیا یہ کیا ہے۔ جبرائیل نے کہا یہ وہ شخص ہے کہ کوئی بات کہہ کر اس پر شرمندہ ہو کر اسے واپس لینا چاہتا ہے مگر واپس لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔

ارواح کا مشاہدہ: حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا کہ پھر میں اور جبریل چڑھے۔ جبرائیل نے دروازہ کھلوایا تو حضرت آدم علیہ السلام کو اسی صورت پر دیکھا جس صورت پر اللہ رحیم و کریم نے انھیں پیدا کیا تھا۔ انھیں ان کی مومن اولاد کی ارواح دکھائی جا رہی تھیں اور آپ دیکھ دیکھ کر فرما رہے تھے کہ یہ پاکیزہ روح اور پاکیزہ جان ہے۔ اسے علیین میں رکھیے۔ اور کافر اولاد کی بھی اور کافر اولاد کی روح کو دیکھ کر فرما رہے تھے کہ یہ گندی روح اور گندی جان ہے۔ اسے سجین میں رکھیے۔ پھر میں کچھ اور آگے بڑھا تو میں نے دسترخوان دیکھے جن پر پاکیزہ گوشت پڑا ہوا ہے لیکن ان کے قریب

بھی کوئی نہیں۔ اور دوسرے دسترخوان دیکھے جن پر سڑا ہوا اور بدبودار گوشت رکھا ہے اور لوگ اسے کھا رہے ہیں۔ میں نے جبرائیل سے دریافت کیا یہ کون ہیں تو جبرائیل نے کہا یہ وہ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کھاتے تھے۔ پھر میں کچھ اور آگے بڑھا تو میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ گھڑوں کی طرح بڑے بڑے تھے جب ان میں سے کوئی اٹھنا چاہتا تھا تو گر جاتا تھا اور دعا مانگ رہے تھے اے الٰہ العالمین محشر بپا فرما۔ یہ لوگ فرعونیوں کے قافلوں کی گزرگاہوں پر تھے۔ پھر قافلہ آتا ہے اور انھیں روندتا ہوا چلا جاتا ہے اور یہ چیختے رہ جاتے ہیں۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا یہ سود خور ہیں اور آسیب زدہ لوگوں کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر میں کچھ اور آگے بڑھا تو ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے۔ ان کے منہ زبردستی کھول کر ان میں پتھر ٹھونسے جا رہے تھے جو ان کی دبر سے نکل جاتے تھے۔ وہ بُری طرح سے چیخ رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا یہ لوگ ہیں تو جبرائیل نے کہا یہ ظلم سے یتیموں کا مال کھایا کرتے تھے۔ پھر میں کچھ اور آگے بڑھا تو عورتوں کو دیکھا جن کی چھاتیاں بندھی ہیں اور لٹکی ہوئی ہیں اور بُری طرح چیخ رہی ہیں۔ میں نے دریافت کیا یہ لوگ ہیں فرمایا یہ زانیہ عورتیں ہیں۔ میں پھر کچھ اور آگے بڑھا تو کچھ آدمی دیکھے جن کی کروٹوں سے گوشت کاٹا جا رہا ہے اور ان کے منہ میں ٹھونسا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ اسے کھایئے جس طرح کہ تم اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے۔ میں نے جبرائیل سے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں۔ جبرائیل نے کہا یہ آپ کی اُمت کے چغل خور ہیں۔

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں معراج

کچھ اور مناظر کا سامنا۔ میں ایسے لوگوں سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے جن ناخنوں سے وہ اپنا منہ اور سینہ خرچ رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟

جبرائیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی آبروریزی کیا کرتے تھے۔

ابوداؤد طیالسی میں تر شاخ والی حدیث ہے جسے حضور نبی کریم رؤف و

الحاصل کلام:- رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے پھاڑ کر دو قبروں پر گاڑ دیا تھا۔ یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ ان قبر والوں میں بھی اختلاف ہے کہ یہ دونوں قبر والے کافر تھے یا مومن تھے؟ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں کافر تھے۔ اور جو یہ فرمایا ہے کہ ان پر کسی بڑے گناہ کے سبب عذاب نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ کفر اور شرک کے مقابلہ میں یہ چھوٹا سا گناہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان سے عذاب ختم نہیں ہوا بلکہ کچھ دیر کے لیے تخفیف ضرور ہوئی ہوگی۔ اگر وہ دونوں ہی قبروں والے مومن ہوتے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا ضرور فرماتے اور آپ کی دعا سے عذاب ختم ہو جاتا۔ حدیث کی ایک سند میں ان کے کفر کی صراحت بھی آگئی ہے۔ یہ عذاب کفر و شرک کے عذاب کے علاوہ تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ کفار پر کفر و شرک کا بھی عذاب ہے اور دوسرے گناہوں کا بھی۔ یہی قول ابو الحکم بن برخان کا پسندیدہ ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ کیونکہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے صراحت فرمائی کہ ان پر کفر و شرک کے سبب سے عذاب نہیں ہو رہا تھا۔ کیونکہ کفر و شرک بڑے گناہوں سے بھی عظیم تر گناہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ لازم نہیں کہ آپ ہر گنہگار مسلمان کے لیے سفارش فرمائیں جس پر عذاب ہو رہا ہو۔ آپ نے چادر والے مسلمان کے متعلق فرمایا تھا جو جہاد میں مارا گیا تھا اس کی قبر میں آگ کی چادر بھڑک رہی تھی حالانکہ اس نے اسلام قبول کرنے کے علاوہ جہاد بھی کیا تھا۔ حدیث کی بعض سند میں جو کفر کی صراحت آگئی ہے اس کا کوئی بھی ثبوت نہیں۔

باب ہفتم

حقیقتِ قبر

سوال :۔ کیا قبر میں عذاب، قبر میں تنگی، قبر میں کشادگی، قبر دوزخ کا گڑھا، قبر جنّت کا باغیچہ اور قبر میں مُردوں کا حساب کے لیے بیٹھنا کیسا ہے ؟

جواب :۔ جو لوگ قبر کے عذاب، قبر کی تنگی، قبر کی کشادگی اور اس بات کے کہ قبر یا تو دوزخ کا گڑھا ہے یا بہشت کا باغیچہ ہے۔ اور قبر میں مُردے کے بیٹھنے کے قائل نہیں ہیں ہم انھیں کیا جواب دیں گے۔ کیونکہ اُن کا کہنا ہے کہ جب ہم قبریں کھول کر دیکھتے ہیں تو وہاں نہ اندھے اور گونگے فرشتے دیکھتے ہیں جو لوہے کے ہتھوڑوں سے مردے کو مار رہے ہوں۔ اور نہ ہی وہاں سانپ اور اژدھے نظر آتے ہیں اور نہ ہی وہاں آگ بھڑکتی دکھائی دیتی ہے بلکہ لاش میں کوئی تبدیلی رونما نہیں پاتے۔ اور اگر مردے کی آنکھوں پر پارا اور سینے پر رائی رکھ دیں تو پھر بھی اسے آرام ہی میں دیکھتے ہیں۔ اسی طرح قبر کی تنگی اور قبر کی کشادگی بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ قبر جس قدر کھودی جاتی ہے۔ جب قبر کو کھود کر دیکھتے ہیں تو قبر کو ویسی کی ویسی ہی پاتے ہیں۔ پھر تنگ

قبر میں مُردے اور فرشتے اور مانوس یا غیر مانوس شکل والے اعمال کیسے سما سکتے ہیں۔ اسی طرح بدعتی اور گمراہ لوگوں کا کہنا ہے کہ جو بات عقل و مشاہدہ کے خلاف ہو وہ یقیناً غلط ہے۔

فلسفہ عجوبہ

ہم دیکھتے ہیں کہ تختۂ دار پر کبھی مدت تک لاش لٹکی رہتی ہے نہ اس سے سوال و جواب ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں حرکت پائی جاتی ہے اور نہ ہی اس کا جسم آگ سے جلتا ہے پھر جس کو درندے کھا گئے یا پرندے ہضم کر گئے اور ان کے اجزا درندوں کے شکموں میں اور پرندوں کی پوٹوں میں اور مچھلیوں کے معدوں میں ہضم ہو کر بکھر گئے یا جنہیں جلا کر ان کی راکھ ہوا یا سمندر یا نہروں میں بہا دی گئی۔ تو ان اجزاء سے جبکہ وہ متفرق ہو کر گم ہو گئے کیونکر سوال ہوتا ہے۔ اس کے بدن پر فرشتے کیونکر آتے ہیں۔ اس کی قبر کیونکر جہنم کا گڑھا یا جنت کا باغ بنتی ہے اور اسے کیونکر دبوچتی ہے۔ ہم اس کے متعلق چند باتیں کرتے ہیں جن سے تمام اعتراضات کا جواب ملتا ہے۔

خبروں کی مختلف کیفیات

سب سے اوّل بات یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے ایسی خبریں نہیں دیں جو عقل کے لیے محال ہوں اور قطعی طور پر انہیں ناممکن جانتی ہو۔ بلکہ انہوں نے دو قسم کی خبریں دی ہیں۔ بعض تو ایسی خبریں ہیں جنہیں عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کرتی اور ان کی صداقت کی شہادت دیتی ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جن کا ادراک مجرد عقل نہیں کر سکتی مثلاً غیب کی خبریں دینا۔ برزخ و محشر کی تفصیلات اور عذاب و ثواب کی جزئیات وغیرہ۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی دی ہوئی خبریں ہرگز عقلوں کے نزدیک محال نہیں ہیں۔ جس خبر کے متعلق یہ گمان ہو کہ یہ عقل کے نزدیک محال ہے وہ دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ خبر جھوٹی ہے یا انبیائے کرام علیہم السلام کی دی ہوئی خبر نہیں بلکہ انبیاء کی جانب منسوب کر دی گئی ہے یا عقل فاسد ہے جو ایک شیطانی شبہ کو معقول جانتی ہے۔ ارشاد

باری تعالیٰ ہے وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الخ آپ پر جو آپ کے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے اسے علم والے ہی بہتر جانتے ہیں اور وہی غالب اور خوبیوں والے رب تعالیٰ کی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پھر فرمایا اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اِنَّمَا الخ کیا پھر وہ جو آپ پر اُتری ہوئی باتوں کو سچا سمجھتا ہے ایک اندھے کی طرح ہے۔ پھر ارشاد فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ الخ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل ہوتی ہیں۔ اور بعض باتوں کا انکار کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اذہان محال باتوں سے خوش نہیں ہوتے۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَةٌ الخ اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کے پاس سے نصیحت اور دلوں کی شفا آگئی اور وہ مومن کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ آپ فرمادیں کہ لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعام اور اُس کی رحمت پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ نہ تو محال میں شفا ہے اور نہ ہی ہدایت ہے اور نہ ہی رحمت ہے اور نہ ہی اس سے خوش ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس نوع کے شکوک اسے ہوتے ہیں جس کے دل میں

الحاصل کلام:۔ ایمان کی شمع نہیں جلتی اور جو اسلام پر گامزن نہیں ہوتا۔ اسی سبب سے اس کا دل متزلزل ہوتا ہے اور شکوک وشبہات میں گرفتار رہتا ہے۔

کمی بیشی کے بغیر حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ

دوسری کیفیت کا اظہار:۔ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی مراد سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور آپ کے ارشاد عالیہ کا ایسا مطلب نہیں لینا چاہیئے جسے وہ برداشت نہ کر سکے یا اس سے وہ مطلب نہ نکلتا ہو۔ اس اصول کو ترک کرنے سے بکثرت غلطیاں اور گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ اُلٹی سمجھ ہی تمام بدعتوں اور گمراہیوں کی جڑ ہے۔ اور اصول وفروع میں ہر غلطی کی ضامن ہے۔ خاص طور پر جبکہ اس کے ساتھ نیک نیتی نہ ہو۔

مختلف فرقوں کی گمراہی کا سبب: کبھی اتفاقاً بعض مسائل میں بڑے لوگوں کی طرف سے الٹی سمجھ کا ظہور ہوتا ہے
حالانکہ ان کی نیت میں فتور نہیں ہوتا اور اہل عقیدت کی نیت میں فتور ہوتا ہے اور
مسئلہ حقیقت کے خلاف سمجھ لیا جاتا ہے اور دین اور دین کے پیروکاروں کو خاک
میں ملا دیا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل فرقوں کو اسی چیز نے گمراہ کیا مثلاً فرقہ قدریہ، فرقہ
مرجیہ، فرقہ خارجی، فرقہ رافضی، فرقہ معتزلہ، فرقہ جہمیہ۔ اور ان فرقوں نے دین حق
کو مٹی میں ملا دیا۔ ان فرقہ والوں نے صحابہ کرام اور تابعین کی سمجھ سے فائدہ نہیں اٹھایا۔
اور نہ ہی اس کی طرف خیال کیا۔ مثالیں کثرت شمار سے باہر ہیں ورنہ دس ہزار تک
مثالیں ہمارے ہاں محفوظ ہیں۔ آپ قرآن مجید کو ابتداء سے لے کر انتہا تک پڑھ
جائیں تو آپ حیرانی میں ڈوب جائیں گے کہ ان گمراہ فرقوں نے قرآن مجید کو درست طور
پر شارع علیہ السلام کی مراد کے مطابق سمجھا ہی نہیں۔ قرآن مجید کو درست طور پر وہی
سمجھے گا جو سابقہ اصحاب کے خیالات کا پتہ لگائے گا اور پھر انہیں قرآن مجید پر پیش کرے
لیکن جو معاملہ الٹا کر دے کہ شرعی مسائل لوگوں کی آراء پر پیش کرے اور ان سے حسن
ظن کی بناء پر دینی مسائل کو ان کے خیالات کے مطابق بنانے کی سعی کرے وہ ہدایت
پر گامزن نہیں رہے گا۔ ایسے معتقد کو اس کے خیالات پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ تمام تعریف
خالق کائنات کے لیے ہے جس نے آپ کو ایسی بیماری سے محفوظ کر لیا ہے۔

احکام کا ارواح پر جاری ہونا: اللہ رحیم و کریم نے تین ہی گھر بنائے ہیں جن میں پہلا گھر دنیا ہے اور دوسرا گھر
برزخ ہے اور تیسرا گھر عقبیٰ ہے۔ اور ہر گھر کے مخصوص احکام بنائے ہیں۔ اور انسان
کو جسم و روح سے مرکب فرمایا ہے۔ دنیا کے احکام جسموں پر جاری ہیں اور ارواح کے
تابع ہیں۔ اسی لیے شرعی احکام اقوال و افعال پر مرتب ہوتے ہیں دلی خیالات پر مرتب

نہیں ہوتے اور برزخ کے احکام اَرواح پر جاری ہوتے ہیں اور اجسام اُن کے تابع ہوتے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ جیسے دنیوی احکام میں اَرواح اجسام کے تابع ہیں اور اجسام کی راحت و تکلیف کا ہمیں احساس ہوتا ہے کیونکہ ان کے اسباب کا براہِ راست اجسام سے ہی واسطہ ہے۔ اور اجسام کے ذریعہ سے اَرواح بھی متاثر ہوتی ہیں ٹھیک اسی طرح برزخ میں راحت و تکلیف کا واسطہ براہِ راست اَرواح سے ہوتا ہے اور رُوحوں کے ذریعہ سے جسموں سے ہوتا ہے۔ دنیا میں ظاہری اجسام ہیں اور اَرواح مخفی۔ گویا بدن اَرواح کی قبریں ہیں اور برزخ میں اَرواح ظاہر ہیں اور جسم اپنی اپنی قبروں میں مخفی ہیں اور گم ہیں۔ پس احکام برزخ براہِ راست اَرواح پر جاری ہوتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے سے اجسام بھی متاثر ہوتے ہیں۔ پس اس ایک نقطہ کو ذہن نشین کیجیے تاکہ تمام اعتراضات کا ازالہ ہو جائے۔

برزخ کی کیفیت تجوبہ :- اللہ رحیم و کریم نے ہمیں ہدایت و مہربانی سے دنیا میں بھی برزخ کا ایک نمونہ دکھایا ہے یعنی نیند والے کی حالت برزخ کا ایک نمونہ ہے یعنی خواب میں جو خوشی اور ایذا ہوتی ہے وہ سیدھی رُوح کو ہوتی ہے اور رُوح کے ذریعہ سے بدن بھی متاثر ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ تاثیر اس قدر طاقتور ہوتی ہے کہ مشاہدات میں بھی آجاتی ہے۔ مثلاً کسی نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اسے مار رہا ہے اور وہ چیخ رہا ہے، جب بیدار ہوا تو جسم پر چوٹ کا نشان موجود پایا یا خواب میں دیکھا کہ میں نے کوئی چیز کھائی پھر بیدار ہو گیا تو اس کا ذائقہ اب تک محسوس کر رہا ہے بلکہ بھوک پیاس بھی جاتی رہتی ہے۔ کبھی بعض دفعہ تو یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ خواب دیکھنے والا خواب ہی میں کھڑا ہو جاتا ہے اور بیدار آدمی کی طرح حرکات کرتا ہے حالانکہ وہ نیند کی حالت میں ہوتا ہے اور ہر بات سے بے خبر ہوتا ہے کیونکہ جب رُوح متاثر ہوئی تو اس نے بدن سے باہر رہ کر بدن سے استعانت طلب کی۔

کیونکہ اگر بدن میں داخل ہو جاتی کہ وہ بیدار ہو جاتا اور ہر بات محسوس کرنے لگتا۔ پھر جب حالت خواب کی حالت میں ایک ادنیٰ نوع کے تجربے سے روح سیدھی متاثر ہونے لگتی ہے تو برزخ میں جبکہ اعلیٰ نوع کا اور کماحقہٗ تجرد پایا جاتا ہے۔ بدرجہ اولیٰ براہ راست روح متاثر ہوتی ہے اور اس کے تاثر سے بدن بھی متاثر ہوتے ہیں کیونکہ موت سے روح کا تعلق جسم سے بالکل ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ یک گونہ تعلق قائم رہتا ہے خواہ جسم جوں کے توں قائم ہو۔ یا ان کے اجزاء بکھر کر مٹی وغیرہ میں مل کر دوسری اشکال اختیار کر چکے ہوں اور یوم محشر براہ راست اجسام اور ارواح دونوں متاثر ہوں گے۔ جب تم نے اس نکتہ پر غور کر کے اسے جان لیا تو تم خود بخود مذکورہ بالا تمام اعتراضات کا جواب سمجھ جاؤ گے اور یہ بھی سمجھ میں آ جائے گا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی سب کی سب باتیں عقل سلیم کے مطابق اور سچی ہیں۔ اور الجھن سوئے فہم اور کم علمی کے سبب سے ہیں۔

کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ دو شخص ایک ہی بستر پر سو رہے ہیں مگر ایک کی روح نعمتوں سے لطف حاصل کر رہی ہے اور دوسرے کی روح سخت عذاب میں گرفتار ہے۔ پھر دونوں جاگتے ہیں تو اپنے اپنے اجسام پر نعمت و عذاب کے نشانات دیکھتے ہیں۔ عالم برزخ اس سے بھی عجیب ہے۔

یاد رہے کہ برزخ و حقیقی کے معاملات حس اور ادراک سے باہر ہیں۔

ملائکہ کا آمین کہنا۔ اللہ رحیم و کریم نے برزخ و حقیقی کے معاملات دنیا کی نظروں سے مخفی رکھے ہیں۔ ان تک حس و ادراک نہیں پہنچتا۔ اس کی کمال حکمت کا یہی تقاضا ہے تاکہ اہل اسلام اور کفار میں تسلیم کرنے والوں اور غیر تسلیم کرنے والوں میں تمیز ہو جائے دنیا ہی میں زندگی کی آخری ساعت میں سکرات کے وقت ملائکہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ اور دنیا سے جانے والا ہی انہیں دیکھتا ہے۔ ملائکہ اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتے ہیں اس سے بات چیت کرتے ہیں۔ ان کے پاس بہشت یا دوزخ کا کفن اور خوشبو یا بدبو

بھی ہوتی ہے۔ یہ تیمارداروں کی دُعا یا بددُعا پر آمین بھی کہتے ہیں۔ مرنے والے کو سلام بھی کرتے ہیں۔ اور وہ انھیں جواب بھی دیتا ہے۔

عالم نزع میں مرحبا کی پکار: اور اگر مرنے والا بول نہیں سکتا تو دل سے جواب دیتا ہے۔ اسی سبب سے بعض اہلِ موت کو سکرات کے وقت اہلاً و سہلاً اور مرحبا مرحبا کہتے ہوئے سُنا گیا ہے۔ ہمارے اُستاد صاحب کا قول ہے نہ جانیے کہ آپ نے مشاہدہ فرمایا تھا یا کسی سے سُنا تھا کہ ایک مرنے والا کہہ رہا تھا مرحبا مرحبا۔

ملائکہ سے گفتگو کا راز: ایک بزرگ نامی خیر النساج نے بوقت نزع فرمایا میں صبر کروں گا۔ اللہ رحیم و کریم تمھیں خیریت سے رکھے۔ جو تم پر حکم کیا گیا ہے اس کے بغیر چارہ نہیں اور میری عمر کا پیمانہ بھر چکا ہے۔ پھر پانی منگوایا اور وضو کیا اور نماز ادا کر کے فرمایا اب تم اللہ کے حکم کو بجالاؤ۔ یہ کہہ کر حیاتِ جاودانی حاصل کر لی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی موت کا منظر: کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جس روز انتقال کیا اُس روز فرمایا مجھے اُٹھا کر بٹھا دیجیے۔ تیمارداروں نے آپ کو اُٹھا کر بٹھا دیا۔ آپ نے روتے ہوئے کہا میں وہ شخص ہوں جس نے اللہ کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کی اور گناہوں میں سرگرمی دکھائی۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ دہرایا پھر کلمہ شریف پڑھا اور سر اُٹھا کر غور سے دیکھا۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا اے امیر المومنین آپ اس قدر غور سے کیا دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا میں ایسی صورتیں دیکھ رہا ہوں جو صورتیں نہ انسانوں کی ہیں نہ جنات کی ہیں۔ پھر آپ کی جان قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

حالت سکرات میں آپ کا تلاوت کرنا۔ ابن ابی الدنیا نے کہا کہ مسلمہ فرماتے ہیں کہ آپ کی سکرات کے وقت میں موجود تھا۔ آپ اشارہ کرتے ہوئے ہمیں باہر جانے کو کہا۔ ہم اشارہ کی تعمیل کرتے وقت سب باہر چلے گئے۔ صرف ایک خادم آپ کے پاس رہ گیا۔ آپ اس وقت مندرجہ ذیل آیہ شریفہ تلاوت کر رہے تھے تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ الخ ہم نے یہ آخرت کا گھر ان کے لیے بنایا جو دنیا میں بلندی نہیں چاہتے اور گڑبڑ نہیں مچاتے اور اچھا انجام خشیت الٰہی رکھنے والے کا ہوتا ہے۔ بے شک تم نہ انسان ہو اور نہ جن۔ پھر خادم نے باہر آکر ہمیں اندر آجانے کے لیے کہا۔ پھر جب ہم اندر گئے تو آپ وصال فرما چکے تھے۔

فرشتہ کا روح سے خطاب کرنا۔ فضالہ بن دینار نے کہا کہ میں حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کی سکرات کے وقت موجود تھا۔ آپ یک دم فرمانے لگے اے ملائکہ ربانی آؤ ہر طرح کی قدرت اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ اس وقت مجھے بہت پیاری اور مست کر دینے والی خوشبو کی پیشیں، پھر آپ کی نظر پھٹ گئی اور وصال فرما گئے۔ اس سلسلہ میں بے شمار آثار ہیں لیکن سب سے زیادہ بلیغ اور مؤثر اور جامع آیت یہ ہے فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ الخ جب روح بدن سے کھنچ کر سینے میں آکر اٹک جاتی ہے اور اس وقت تم حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہو اور ہم مرنے والے سے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ لیکن تم دیکھتے نہیں، یعنی ہم فرستادہ ملائکہ تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تمھیں دکھائی نہیں دیتے۔

آخری ساعت کا انکشاف۔ یہ دنیا کی آخری ساعت ہے اور برزخ کی پہلی ساعت آنے والی ہے۔ اس

وقت دنیا سے جانے والا جن چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اہلِ دنیا کو نظر نہیں آتیں۔ پھر فرشتہ ہاتھ بڑھا کر رُوح سے خطاب کرتا ہے اور اسے قبض کر لیتا ہے۔ تیمار داروں کو نہ فرشتہ نظر آتا ہے اور نہ ہی فرشتے کی بات سنتے ہیں۔ پھر بدن سے رُوح نکل آتی ہے۔ اور سورج کی کرنوں کی طرح اس سے نور کی کرنیں اور مشک سے زیادہ مست کر دینے والی خوشبو کی لپٹیں آتی ہیں۔

رُوح کی پرواز:۔ پھر رُوح فرشتوں کے جھرمٹ میں آسمان پر پرچڑھتی ہے مگر فرشتوں کو کوئی نہیں دیکھتا۔ پھر رُوح واپس آکر بدن کو غسل دیئے جانے اور کفن پہنائے جانے کا اور قبرستان کی طرف لے جائے جانے کا مشاہدہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اسے بہت جلد لے جاؤ یا یہ کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ لیکن اس کی آواز کسی کو بھی سنائی نہیں دیتی۔

اَرواحِ لطیفہ:۔ پھر جب لاش قبر میں رکھ کر اس پر مٹی ڈال کر قبر بنا دی جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر فرشتوں کو میت کے پاس آنے سے آڑے نہیں آتا۔ بلکہ اگر چٹان تراش کر اس میں لاش رکھ کر اسے سیسہ پلا کر سربمہر کر دی جائے تو فرشتے بھی لاش تک پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ اجسامِ کثیفہ سے اَرواحِ لطیفہ آسانی سے پار ہو جاتی ہیں۔ ملائکہ تو ملائکہ ان سے تو جن بھی پار ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کہ پرندے ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح ملائکہ اجسامِ کثیفہ میں تیرتے پھرتے ہیں۔

قبر کی کشادگی کا راز:۔ کشادگی قبر رُوح کے لیے بالذات ہے اور بدن کے لیے بواسطہ رُوح کے ہے۔ ظاہری طور پر لاش قبر میں ہاتھ دو ہاتھ جگہ میں ہوتی ہے حالانکہ قبر نظر کی آخری حد تک کشادہ ہوتی ہے اسی طرح اگر قبر کو کھول کر دیکھا جائے تو لاش اپنی ہیئت پر دستور کے مطابق نظر آتی ہے

مگر قبر میت کو اس طرح سے بھینچتی ہے کہ دونوں طرف کی پسلیوں کو اِدھر اُدھر کر دیتی ہے۔ یہ بات حسن و عقل اور فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر لاش دستور کے مطابق رکھی ہوئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قبر نے اُسے نہ بھینچا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ بھینچے جانے کے بعد لاش پھر اپنی پہلی حالت پر آگئی ہو۔ ملحدوں اور بے دینوں کے پاس سوائے انبیائے کرام اور رسولانِ عظام کو جھٹلانے کے اور کیا کچھ رکھا ہوا ہے۔

آسمان سے ملائکہ کا نزول:۔ ایک قابلِ اعتبار شخص کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے تین قبریں کھودیں اور قبور سے فراغت حاصل کر کے سستانے کے لیے لیٹ گیا۔ اتفاقاً آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور ان تینوں میں سے ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر باہم ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اس کا رقبہ تین میل لمبا اور تین میل چوڑا تحریر کر لیجئے۔ پھر دوسری قبر کے پاس جا کر کہتا ہے کہ اس کا ایک میل لمبا اور ایک میل چوڑا تحریر کر لیجئے۔ پھر تیسری قبر کے پاس جا کر کہتا ہے کہ اس کا آدھا انچ لمبا اور آدھا انچ چوڑا تحریر کیجئے۔ فرماتے ہیں اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اتنے میں کسی مشہور شخص کا جنازہ آیا جسے پہلی قبر ملی۔ پھر دوسرا جنازہ آیا اسے دوسری قبر ملی۔ پھر شہر سے ایک صاحبِ ثروت عورت کا جنازہ آیا جس کے ساتھ شہر کے ہر کونہ کونہ کا آدمی تھا اور جنازے پر لوگوں کی بھیڑ تھی اسے تیسری قبر حاصل ہوئی۔

قبر کی مختلف کیفیات:۔ یاد رہے کہ قبر کی آگ اور قبر کے باغ و بہار دنیا کی آگ و بہار کی مثل نہیں ہے اور اس کا اہلِ دنیا مشاہدہ کر لیں بلکہ عقبیٰ کی آگ و بہار کی مثل ہے جو دنیا کی آگ و بہار سے کہیں زیادہ طاقتور ہے۔ عقبیٰ کی اشیاء کا اہلِ دنیا مشاہدہ نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان پر یہی مٹی اور پتھر پھیلا دیتا ہے جن میں یہ مدفون ہیں اور یہ دنیا کی مٹی اور پتھروں سے

کہیں زیادہ گرم اور تکلیف دہ بن جاتے ہیں لیکن اگر انھیں دنیا دا لے چھو کر دیکھیں تو انھیں معمولی سی بھی گرمی کا احساس نہ ہو۔ اسی طرح اللہ رحیم وکریم انھیں باغ و بہار بنا دیتا ہے بلکہ ایک ہی قبر میں دو شخص دفن ہوتے ہیں۔ ایک شخص کے لیے قبر دوزخ کا گڑھا بن جاتی ہے مگر اس کی گرمی کا احساس اس کے پڑوسی کو بھی نہیں ہوتا۔ اور دوسرے کے لیے جنت کا باغیچہ ہے لیکن اس کے سکون اور اس کی نعمتوں کا احساس اس کے ہمسائے کو نہیں ہوتا۔ اللہ کی قدرت تو اس سے بھی بہت زیادہ وسیع اور حیران کر دینے والی ہے۔

کفار کی سزا کی کیفیت:۔ اسی دنیا میں اس نے ہمیں اپنی قدرت کی اس سے بھی زیادہ حیران کر دینے والی نشانیاں اور علامات دکھا دی ہیں مگر لوگوں کو جن باتوں سے واقفیت نہیں ہوتی انھیں جھٹلا دیتے ہیں مگر جنہیں اللہ رحیم وکریم تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سرکشی کرنے سے محفوظ رکھے۔ الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ رحیم وکریم کفار کے نیچے آگ کے دو تختے بچھا دیتا ہے جس سے اس کی قبر تنور کی طرح بھڑک اٹھتی ہے۔ پھر جب اللہ قادر وقدیر کو منظور ہوتا ہے تو اس پر اپنے بندے کو مطلع کر دیتا ہے اور دوسروں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر سب کو پتہ چل جائے تو ایمان بالغیب جاتا رہے اور لوگ مردوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین ترک کر دیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا کہ میری طرح تمھیں بھی عذاب قبر کی سماعت عطا کرے۔

اصل کلام: چونکہ جانوروں میں یہ حکمت مفقود ہے اس لیے وہ قبر کے عذاب کو سنتے ہیں جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا خچر قبر کے عذاب کو سن کر ایسا بدکا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ آپ کو گرا دے گا۔

قبر سے انگاروں کا نکلنا: حضرت ابو عبداللہ محمد بن ازیہ حرانی علیہ الرحمۃ نے بیان کیا کہ میں آمد میں عصر کے بعد اپنے گھر سے نکل کر ایک باغ میں گیا۔ غروب سے کچھ دیر پہلے چند قبروں کے پاس پہنچا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک قبر شیشہ گر کی بھٹی کی طرح انگارا تھی۔ مردہ قبر میں دفن تھا۔ میں اپنی آنکھ ملنے لگا اور سوچنے لگا کہ آیا میں جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں۔ پھر میں نے شہر کی فصیل دیکھ کر کہا میں تو جاگتا ہوں۔ پھر خود فراموشی کے عالم میں گھر گیا مگر کھانا آیا تو کھانا کھا نہ سکا۔ اور شہر میں چل پھر کر معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ اس قبر میں آج ہی ایک عامل چنگی وصول کرنے والا دفن کیا گیا ہے۔

قبور میں اس آگ کا دیکھا جانا ایسا ہے جیسے کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو جنات یا ملائکہ دکھا دیتا ہے۔

ابوجہل کی قبر کا منظر: امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ میں بدر سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص زمین سے نکلتا ہے اور ایک شخص اسے ہتھوڑے سے مارتا ہے مار کھاتے کھاتے وہ پھر زمین میں غائب ہو جاتا ہے۔ پھر نکلتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ابوجہل ہے۔ محشر تک یہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔

گردن میں زنجیر ہونا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں ایک مرتبہ مکہ اور مدینہ شریف کے درمیان اپنی سواری پر جا رہا تھا۔ سامان پچھلی طرف بندھا ہوا تھا۔ راستے میں ایک قبرستان پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک شخص اپنی قبر سے نکلا جس کے تمام جسم میں آگ لگ رہی تھی اور گردن میں زنجیر ہے جسے گھسیٹتا ہوا جا رہا ہے۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا اے عبداللہ مجھ پہ پانی چھڑک دیجئے۔ نامعلوم کہ وہ مجھے پہچانتا تھا یا عبداللہ عرف کے طور پر کہہ رہا تھا۔ اتنے میں دوسرا شخص نکل آیا اور کہنے لگا اے عبداللہ

اس پر پانی نہ چھڑکتا۔ پھر اس کی زنجیر پکڑ کر اسے گھسیٹ کر قبر میں لے گیا۔

ماں کی بے حرمتی کی سزا:۔ ابو قزعہ نے کہا کہ ہم بعض چشموں سے جو ہمارے بصرہ کے راہ میں پڑتے تھے گزرے تو گدھے جیسی آواز سنائی دی۔ ہم نے لوگوں سے دریافت کیا یہ گدھے کی آواز کہاں سے آرہی ہے اور یہ آواز کس کی ہے۔ لوگوں نے کہا ایک شخص ہمارے قریب رہتا تھا جب اس کی ماں اس سے بات کرتی تھی تو اسے کہہ دیا کرتا تھا کہ گدھے کی طرح کیوں چیختی ہو۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر سے روزانہ گدھے جیسے آواز آتی ہے۔

بے وضو نماز پڑھنے کی سزا:۔ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مدینہ میں ایک شخص تھا۔ اس کی ہمشیرہ جو مدینہ شریف کے ایک کنارے پر رہتی تھی بیمار ہو گئی، وہ اپنی ہمشیرہ کی تیمارداری کے آتا تھا بالآخر وہ لقمۂ اجل ہو گئی۔ پھر اسے دفن کر دیا گیا۔ پھر اسے یاد آیا کہ قبر میں میری کوئی چیز گر گئی ہے۔ وہ ایک شخص کے ساتھ قبر پر گیا۔ قبر کھودنے پر وہ گری ہوئی چیز اُسے مل گئی۔ پھر وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا پیچھے ہو جاؤ میں ایک نظر اپنی ہمشیرہ پر ڈال لوں کہ میری ہمشیرہ کس حال میں ہے۔ لحد کی ایک اینٹ کو ادھر اُدھر کیا تو دیکھا کہ قبر میں آگ بھڑک رہی ہے۔ اینٹ کو فوراً اپنی جگہ پر لگا دیا اور قبر کو پہلی طرح بنا کر گھر واپس آ گیا۔ ماں نے دریافت کیا بیٹا قبر میں تمہاری ہمشیرہ کا کیا حال ہے۔ کہنے لگا ان کا حال نہ پوچھیے۔ وہ تو ہلاک ہو گئیں مجھے یہ بتائیے کہ وہ کیا کام کرتی تھیں۔ ماں نے کہا وہ بے وضو نماز پڑھتی تھیں اور دیر سے نماز پڑھتی تھیں اور دوسروں کے دروازوں پر جا کر چھپ کر ان کی باتیں سنا کرتی تھی۔

دو سفید پرندوں کی آمد:۔ مرثد بن حوشب نے کہا کہ میں یوسف بن عمر کے پاس تھا۔ ان کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کا

ایک رخسار لوہے کی طرح سخت تھا۔ یوسف نے اس سے کہا کہ مرشد کو بھی اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ سنا دیجئے۔ اس نے کہا میں نوجوان تھا اور گناہوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ طاعون نے زمانہ میں میں نے خیال کیا کہ سرحد پر چلا جاؤں۔ پھر میں نے خیال کیا کہ قبریں کھودا کروں۔ میں نے ایک روز مغرب اور عشاء کے درمیان ایک قبر کھودی اور دوسری قبر کی مٹی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک جنازہ لایا گیا اور اسے قبر میں دفن کر دیا گیا۔ دفن کرنے کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں میں واپس چلے گئے میں نے دیکھا کہ اونٹ جیسے دو پرندے سفید رنگ کے مغرب کی طرف سے آئے۔ ایک پرندہ قبر کے سرہانے اور دوسرا پرندہ پائنتی پر اترا۔ اور دونوں نے قبر کی مٹی ہٹائی۔ پھر ایک پرندہ تو قبر میں اتر گیا اور دوسرا پرندہ قبر پر رہا۔ میں کسی چیز سے خوف نہیں کھاتا تھا میں نے اس سے سنا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ تو اپنی سسرال میں گیرو سے رنگا ہوا جوڑا پہن کر تکبر اور فخر سے آگے گھسیٹتا ہوا انہیں جاتا تھا۔ بولا میں تو بہت کمزور ہوں پھر اس پر ایسی چوٹ ماری جس سے اس کی قبر پانی اور روغن سے بھر گئی۔ اسے اس طرح تین دفعہ مارا اور ہر مرتبہ اسی لفظ کو دہراتا تھا اور ہر مرتبہ قبر پانی اور روغن سے بھر جاتی تھی۔ پھر اپنا سر اٹھا کر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا دیکھنے یہ کہاں بیٹھا ہوا ہے اے اللہ اسے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے دور کر دے اور میرے اس رخسارے پر اپنا ایک پھاوڑا مارا اور میں گر گیا۔ میں تمام رات وہیں رہا۔ صبح قبر کو دیکھا تو پہلے کی طرح تھی۔ یہ دیکھنے والی کی آنکھوں میں تو پانی اور روغن معلوم ہوتا تھا مگر تھی آگ جو مردے جوڑ جوڑ پر بھڑک رہی تھی۔

فرمان نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دجال کی طرف سے خبر دی ہے کہ اس کے پاس پانی اور آگ ہوگی۔ آگ تو ٹھنڈا پانی ہوگی اور پانی شعلے مارتی

ہوئی آگ ہو گی۔

توبہ کی قبولیت کا راز: ایک شخص نے حضرت ابو اسحاق فزاری علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کیا کفن چور کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے تو انہوں نے کہا ہاں اگر کفن چور کی نیت درست ہو اور اللہ کے علم میں وہ سچا بھی ہو۔

کفن چور کا حال زار: ایک شخص نے کہا کہ میں کفن چور تھا۔ قبر کھود کر کفن چوری کر لیا تھا۔ اور بعض مُردوں کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے دیکھتا تھا۔ یہ سن کر ابو اسحاق فزاری نے خاموشی اختیار کی اور حضرت اوزاعی علیہ الرحمۃ کی طرف لکھا۔ اوزاعی نے جواب میں لکھا کہ نباش کی توبہ قبول ہو جائے گی شرط یہ ہے کہ نباش کی نیت درست ہونی چاہیئے اور اللہ کے ہاں وہ سچا ہو۔ اور جن مُردوں کے منہ قبلے سے پھرے ہوئے دیکھے گئے وہ غیر سنت پر لقمۂ اجل ہوئے۔

جسم میں میخ زنی کا راز: ایک نباش سے جو تائب ہو چکا تھا دریافت کیا گیا کہ سب سے عجیب بات جو تم نے دیکھی وہ بیان کیجئے۔ وہ کہنے لگا کہ میں ایک شخص کی قبر کو کھودا تو اس شخص کے تمام جسم میں میخیں لگی ہوئی تھیں اور ایک بڑی میخ سر میں اور ایک پاؤں میں لگی ہوئی تھی۔

کھوپری کی حالتِ عجوبہ: ایک کفن چور سے ایک بات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کی کھوپڑی دیکھی جس میں سیسہ پگھلا کر بھر دیا گیا تھا۔ کسی کفن چور سے دریافت کیا گیا کہ تمہاری توبہ کی وجہ کیا ہے وہ کہنے لگا میں عام طور پر مردوں کو قبلہ سے پھرا ہوا پاتا تھا۔

ایک لوہار کی روداد: حضرت عبد اللہ بن محمد بن نابہ سلامی جو نہایت صالح آدمی تھے انہوں نے کہا کہ بغداد میں ایک شخص لوہاروں کے بازار میں چھوٹی چھوٹی دو سروں والی میخیں بیچ گیا۔ ایک لوہار نے ان میخوں کو

نرم کرنا چاہا مگر وہ آگ اور ہتھوڑے کی ضرب سے بھی نرم نہ ہو سکیں اور وہ بہت تھک ہار گیا۔ اُس نے میخیں فروخت کرنے والے کو بلا کر دریافت کیا کہ تم نے یہ کیلیں کہاں سے لیں۔ وہ بولا میرے پاس تھیں۔ بالآخر اصرار کیا گیا اور اصرار پر اُنہوں نے کہا کہ یہ میخیں مجھے ایک کھلی قبر سے ملی تھیں اور ان سے مُردے کی ہڈیاں جڑی ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں ان ہڈیوں میں سے نکالنے کی کوشش کی مگر نکال نہ سکا۔ بالآخر میں نے پتھر سے ہڈیوں کو توڑ کر انھیں نکال کر اکٹھا کر لیا۔

مُردے کا ہاتھ کاٹنا: ابوالحریش کا کہنا ہے کہ میری ماں کا بیان ہے کہ جب ابو جعفر نے کوفہ میں خندق کھدوائی تو لوگوں نے اپنے اپنے مُردے منتقل کر دیئے۔ ہم نے ان میں سے ایک نوجوان کو دیکھا جو اپنے ہاتھ میں کاٹ رہا تھا۔

حضرت سماک بن حرب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک ابوالدرداء نامی شخص قبروں کے درمیان سے گزرا اور کہا کہ تمہارے بالائی حصے کس قدر آرام سے ہیں اور اندرونی حصوں والے کس قدر مصائب میں ہیں۔

حضرت ثابت البنانی کا بیان ہے کہ میں قبرستان میں گھوم رہا تھا کہ اتنے میں پیچھے سے آواز آئی اے ثابت! قبروں کے سکون سے دھوکا نہ کھانا۔ ان میں بے شمار غم کے مارے ہوئے بھی ہیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی شخص بھی نظر نہ آیا۔

بے قراری کا عالم: ایک حسن نامی شخص کا گزر ایک قبرستان سے ہوا اور کہا کہ اس لشکر کی حالت رحم کے قابل ہے۔ یہ کس قدر سکون سے ہیں حالانکہ ان میں بکثرت بے قرار بھی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قبر کی سلامتی: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مسلمۃ بن عبدالملک

سے دریافت کیا کہ تمہارے باپ کو کس نے دفن کیا تھا۔ اس نے کہا میرے باپ کو فلاں مولیٰ نے۔ پھر دریافت کیا کہ ولید کو کس نے دفن کیا تھا۔ کہا میرے فلاں مولیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ جب تمہارے باپ کو اور ولید کو دفن کیا گیا اور ان کے کفن کی گرہ کھولی گئی تو ان کے منہ پیچھے کی جانب پھرے ہوئے تھے مسلمہ میرے وصال کے بعد میرے منہ کو دیکھنا کہ ان کی طرح میرا منہ تو نہیں پھرا۔ یا اس سے مجھے محفوظ کیا گیا۔ مسلمہ کا بیان ہے کہ قبر میں رکھ کر میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا منہ دیکھا تو اپنی پہلی ہی جگہ پر تھا۔

بچی کا خواب میں کچھ کہنا:۔ سلف صالحین سے مروی ہے کہ میری بچی نے انتقال کیا میں نے انھیں قبر میں اُتارا۔ پھر میں نے ان کی لحد کی اینٹ ٹھیک کرنے کا ارادہ کیا تو اسے قبلہ سے پھرا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر مجھے سخت صدمہ ہوا۔ ایک روز میں نے اسے خواب میں دیکھا وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے باپ تو نے مجھے قبلہ سے پھرا ہوا دیکھ کر بہت صدمہ کیا۔ عام طور پر میرے اردگرد والے قبلہ سے پھرے ہوئے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جو بُرے گناہوں پر گامزن فوت ہوئے ان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔

ولید کا پاؤں کفن میں ہلنا:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جب ولید کو قبر میں اُتارا گیا تو اس میں میں بھی خود تھا۔ میں نے دیکھا ان کے گھٹنے گردن سے لگے ہوئے تھے۔ ان کے بیٹے نے کہا رب کعبہ کی قسم تمہارے باپ کی دنیا ہی میں اچھی حالت گزر گئی۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یزید کو عراق کا حاکم بنایا تو یہ نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرتے رہنا۔ میں نے جب ولید کو لحد میں رکھا تو میں نے انھیں کفن میں پاؤں ہلاتے دیکھا تھا۔

قبر میں سیاہ سانپ کی آمد: عبدالحمید بن محمود کا بیان ہے کہ میں ابن عباس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں اس کے پاس کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ ہم حج کو جارہے تھے۔ راستہ میں ایک ساتھی ذوالصفاح میں قضائے اجل ہو گیا۔ خیر ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور قبر کھودی۔ جب قبر تیار ہو گئی تو ایک سیاہ سانپ نے آکر تمام قبر کو گھیر لیا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ قبر کھودی پھر بھی اسے سانپ نے گھیر لیا۔ پھر تیسری جگہ کھودی گئی تو پھر بھی اس میں سانپ آکر بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اس کی چوری ہے جس کا وہ مرتکب ہوا کرتا تھا۔ جائیے اسے کسی قبر میں رکھ دیجئے۔ واللہ! اگر تمام زمین بھی کھود ڈالو گے تو ہر جگہ سانپ ہی پاؤ گے۔ بالآخر ہم نے اسے ایک قبر میں دفن کر دیا۔ حج سے واپس آکر ہم نے اس کا سامان اس کے گھر دے دیا۔ اور اس کی اہلیہ سے دریافت کیا کہ تمہارا خاوند کیا کچھ کرتا تھا۔ اہلیہ نے کہا میرا شوہر اناج فروخت کرتا تھا اور اس میں سے ہر روز اپنے گھر کا خرچہ نکال کر پھر اتنا ہی چوری سے اس میں ملا دیا کرتا تھا۔

گستاخ صحابہ کی سزا: ابو اسحاق کا بیان ہے کہ مجھے ایک مردے کو غسل دینے کے لیے بلایا گیا۔ میں نے جب اس کے منہ سے کپڑا ہٹایا تو ایک موٹا سانپ اس کی گردن میں لپٹا ہوا دیکھا۔ بالآخر میں نے اسے غسل کے بغیر ہی چھوڑ دیا اور میں واپس آگیا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ شخص صحابہ کرام کو گالیا دیتا تھا۔

بلا وصیت دفن کرنے کا راز: ایک مصری گورکن کا بیان ہے کہ میں نے ایک روز ایک قبر کھودی اور قبر کے قریب ہی سو گیا۔ میرے پاس دوران خواب دو عورتیں آئیں۔ ایک عورت نے کہا۔ اے اللہ کے بندے اللہ کے لیے اس عورت کو ہم سے ہٹا دیجئے اور ہمارے قریب دفن نہ

کھینچئے۔ گھبراہٹ میں میری آنکھ کھل گئی۔ اسی وقت اس قبر کے پاس ایک عورت کا جنازہ لایا گیا۔ میں نے اُسے اس قبر میں دفن ہونے سے روک دیا۔ پھر دوسری قبر بنا دی گئی۔ رات کو پھر وہی دو عورتیں خواب میں دکھائی دیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ اللہ تمہارا بھلا کرے تم نے ہمیں ایک طویل شر سے محفوظ کر دیا۔ میں نے کہا تمہاری طرح یہ عورت کیوں بات نہیں کرتی۔ اُس نے کہا یہ عورت وصیت کیے بغیر فوت ہوگئی تھی۔ ایسوں پر واجب ہے کہ حشر تک بات نہ کریں۔

عالم دنیا کے حیرت انگیز احوال۔ یاد رہے کہ برزخ کے واقعات سے زیادہ حیرت کن واقعات دنیا میں بھی پائے جاتے ہیں مثال کے طور پر حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام انسانی شکل میں آکر آپ سے بات چیت کیا کرتے تھے اور آپ اس کی گفتگو سن لیا کرتے تھے حالانکہ آپ کے صحابہ انھیں نہیں دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی ان کی گفتگو سن سکتے تھے۔ ایسا ہی حال سب انبیائے کرام کا تھا۔ کبھی آپ کے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح وحی آتی تھی جسے آپ کے سوا دوسرا کوئی نہیں سن سکتا تھا۔ اسی طرح جنات ہمارے درمیان اونچی آواز سے بات چیت کرتے ہیں اور ہم ان کی گفتگو نہیں سن سکتے۔ کبھی فرشتے کفار پر کوڑے برساتے تھے اور ان پر چیختے تھے حالانکہ مسلمان ان کے ہمراہ ہوتے تھے جو انھیں نہیں دیکھتے تھے اور نہ ہی ان کی گفتگو سنتے تھے۔

دنیوی حوادث کی پوشیدگی۔ اللہ رحیم و کریم نے انسان سے بہت سے دنیوی حوادث پوشیدہ رکھے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھاتے تھے۔ حالانکہ حاضرین اسے نہیں سنتے تھے۔ بہر حال جسے معرفت الٰہیہ حاصل ہے اور اس کی ہمہ گیر

قدرت پر یقین ہے۔ وہ ایسے حوادث کا کیسے انکار کر سکتا ہے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمت اور اپنی رحمت کی بناء پر اپنی بعض مخلوق کی آنکھوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ کیونکہ ان میں سے ان کے دیکھنے اور سننے کی طاقت نہیں ہے۔ انسان کی بصارت و سماعت عذاب و ثواب قبر کے مشاہدے کی طاقت نہیں رکھتی۔ بکثرت لوگ جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ان واقعات کا مشاہدہ کرا دیتا ہے چیخ مار کر بیہوش ہو جاتے اور مر جاتے ہیں۔ اگر زندہ بھی رہتے ہیں تو زیادہ دور تک زندہ نہیں رہتے اور بعض تو دل کے پردے اٹھتے ہی مر جاتے ہیں۔ لہٰذا عقل کا یہ تقاضا نہیں کہ اگر ان واقعات میں حکمت الٰہیہ نے پردے حائل فرما دیئے ہیں تو انہیں تسلیم نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر جب یہ پردے اٹھا دیئے جائیں گے تو تمام باتیں آنکھوں سے دیکھ لی جائیں گی

قدرت انسانی کا راز:۔ اس کے علاوہ جب انسان اس پر قادر ہے کہ مُردے کی آنکھ اور مُردے کے سینے سے پارہ اور رائی اٹھا کر فوراً ہی تیزی سے اسے اپنے اپنے مقام پر رکھ دے تو فرشتہ بدرجہ اَولیٰ قادر ہو گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت تو ہمہ گیر ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ وہ پارہ اور رائی مُردے کی آنکھوں اور مُردے کے سینہ پر باقی رکھے اور اسے گرنے نہ دے۔

مشاہدات پر قیاس کرنا کیسا ہے؟ برزخ کے واقعات کا قیاس مشاہدات پر کرنا محض جہالت و گمراہی ہے۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی تکذیب اور اللہ رحیم و کریم کی ہمہ گیر قدرت کا انکار سراسر ظلم ہے۔ جب انسان اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ قبر کشادہ یا تنگ بنا کر اسے لوگوں سے پوشیدہ کر دے اور جس پر چاہے نمایاں کرے تو اللہ رحیم و کریم کی قدرت کا تو ٹھکانا ہی نہیں ہو سکتا کہ ایک قبر ظاہری طور پر دو ڈھائی ہاتھ دکھائی دیتی ہے حالانکہ انتہائی وسیع خوشبودار اور روشن ہو یا انتہائی تنگ بدبودار

Marfat.com

اور تاریک ہو۔ یہ وسعت تنگی نور و ظلمت آباد اور اجاڑ اور باغ و بہار دنیا کے اعتبار سے نہیں ہے۔

مشاہدۂ انسانی کا راز:۔ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو وہی مشاہدہ کرایا ہے جو دنیا میں ہے اور اسی سے ہے لیکن آخرت کے واقعات کو پوشیدہ کر رکھا ہے تاکہ ایمان و اقرار انسان کے لیے نیکی کا سبب بن جائے۔ پھر جب یہ پردہ اٹھا دیا جائے گا تو انسان خود بخود تمام باتوں کا مشاہدہ کرلے گا۔

محال اور غیر محال کا انکشاف:۔ یاد رہے کہ اگر جنازہ رکھا ہوا بھی ہو تو یہ بات محال نہیں کہ ملائکہ آ کر اس سے سوال کریں اور انہیں کوئی نہ دیکھے اور وہ انہیں جواب دے اور کوئی اس کی بات نہ سنے۔ اور ملائکہ اس مُردے کو ماریں مگر کسی کو شعور بھی نہ ہو۔ دیکھئے دو آدمی ایک بستر پر لیٹے ہوئے ہیں۔ ان دو میں سے ایک آدمی سو جاتا ہے اور ایک آدمی جاگتا رہتا ہے۔ سونے والا آدمی خواب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے مارا بھی جاتا ہے اور اسے درد بھی محسوس ہوتا ہے لیکن بیدار آدمی اس کی تمام باتوں سے بے خبر ہے حالانکہ ضرب اور تکلیف کا اثر روح سے جسم میں بھی سرایت کر گیا ہے کس قدر جہالت کی بات ہے کہ قبروں اور پتھروں کو چیر کر ملائکہ کا جانا عقل سے دُور سمجھا جائے حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ چیزیں ملائکہ کے لیے بالکل ایسی ہی بنائی ہیں جس طرح کہ ہَوا پرندوں کے لیے ان چیزوں کے اَرواحِ کثیفہ کے لیے حجاب ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارواح لطیفہ کے لیے بھی حجاب ہوں یہ قیاس غلط ہے۔ ایسے ہی قیاسات سے اصولوں کو جھٹلایا جاتا ہے۔ یہ بھی محال نہیں ہے کہ آویزاں یا ڈوبی ہوئی یا جلی ہوئی یا کسی اور قسم کی لاش میں روح لٹائی جائے جس کا ہمیں شعور نہ ہو۔ کیونکہ لوٹائے جانے کی یہ

ایک اور قسم ہے۔ وہ نہیں ہے جس سے ہم آشنا ہیں۔

یاد رہے کہ بیہوش آدمی سکتے کا مریض

شعور اور لاشعور ہونے کا انکشاف

اور مبہوت وغیرہ زندہ ہوتے ہیں
اور ان کی ارواح ان کے اجسام میں ہوتی ہیں لیکن ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا
جس لاش کے اجزاء الگ الگ ہو کر اور بکھر کر گم ہو گئے ہوں اس کی ذات سے جس
کی قدرت ہمہ گیر ہے یہ دور نہیں کہ وہ ان ذرات سے روح کا اتصال پیدا کر دے
اگرچہ ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں ہو اور ان اجزاء میں ایک قسم کے الم
اور سرور کا شعور پیدا کر دے جبکہ اللہ رحیم و کریم نے جمادات تک میں ادراک اور
شعور پیدا کر دیا ہے جس سے وہ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ اس کے
خوف سے پتھر گر پڑتے ہیں۔ اسے درخت اور پہاڑ سجدہ کرتے ہیں۔ سنگریزے
نباتات اور پانی کے قطرات اس کی پاکی میں زبان کھولے ہوئے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا
و ان من شئی الا یسبح بحمدہ الخ۔ دنیا جہان کی ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی پاکی اور
حمد بیان کر رہی ہے لیکن تم ان کی پاکی کو سمجھ نہیں سکتے۔ اگر یہ تسبیح صرف ان کی اپنے
پیدا کرنے والے پر دلالت ہی ہوتی تو یہ الفاظ نہیں لائے جاتے کہ تم ان کی تسبیح
نہیں سمجھتے کیونکہ ہر عاقل یہ سمجھتا ہے کہ مخلوق خالق پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا ہم نے
پہاڑ ان کے مطیع کر دیئے جو صبح اور شام ان کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ظاہر ہے صانع
پر دلالت ان دو ہی اوقات میں مخصوص نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا اے پہاڑو حضرت
داؤد علیہ السلام کے ساتھ بار بار تسبیح پڑھو۔ اور پرندوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔
ظاہر ہے کہ صانع پر دلالت حضرت داؤد علیہ السلام کی معیت ہی کے ساتھ
مخصوص نہیں ہے۔

وہ کذاب ہے جو یہ کہتا ہے کہ تاویب صدائے
صدائے بازگشت کیا ہے؟ بازگشت کو کہتے ہیں کیونکہ صدائے بازگشت
تو ہر آواز والے کی ہوتی ہے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کیا خصوصیت ہے
اسی طرح فرمایا الم تر ان اللہ یسجد الخ تم دیکھتے نہیں تمام ارض و سماوات والے
اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ
اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صانع پر دلالت بہت سے لوگوں کے ساتھ
خاص نہیں۔ فرمایا تم دیکھتے نہیں کہ تمام آسمان والے اور زمین والے اور پرندے قطار
در قطار اللہ کی پاکی بیان کر رہے ہیں۔ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح سے واقف ہے۔
معلوم ہوا کہ یہ حقیقت میں نماز اور تسبیح ہے جس کی حقیقت سے
الحاصل کلام:۔ اللہ ہی واقف ہے۔ اگرچہ اسے انبیائے کرام علیہم السلام
کی باتیں نہ ماننے والے اور انھیں جھٹلانے والے نہیں مانتے۔ اللہ رحیم و کریم نے
پتھروں کی طرف سے خبر دی کہ بعض پتھر اللہ کے خوف سے اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔
اور گر پڑتے ہیں۔ زمین و آسمان کی طرف سے بتایا کہ وہ کلام الٰہی سنتے ہیں۔ اللہ نے
ان سے بات کی اُنھوں نے اللہ کی بات سُنی اور بہتر جواب دیا۔ پھر اللہ نے ان سے کہا
کہ خوشی سے آؤ یا بادلِ نخواستہ آؤ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم خوشی کے ساتھ آئیں گے۔
حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل
صحابہ کرام کا کھانے کی تسبیح سُننا:۔ الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم کھانا تناول فرماتے وقت کھانے کی تسبیح سُنا کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے
مسجد میں خشک تنے کا رونا سُنا۔ پھر جبکہ ان اجسام میں احساس اور شعور ہے تو جن
اجسام میں روح ایک زمانے تک رہ چکی ہے ان میں شعور بدرجہ اَولیٰ ہونا چاہیئے۔
الحاصل کلام:۔ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے دنیا میں بھی ارواح کو بدن

میں مکمل طور پر لوٹا کر اپنے جلوؤں کو مشاہدہ کرا دیا ہے اور وہ زندہ ہو کر باتیں بھی کرنے لگے چلنے پھرنے بھی لگے، کھانے پینے بھی لگے۔ شادیاں بھی کیں اور اولاد بھی ہوئیں۔ فرمایا ان لوگوں کی طرح جو اپنے گھروں سے نکلے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ پھر اللہ نے انھیں موت کا حکم دیا اور وہ مر گئے اور پھر انھیں زندہ کر دیا۔ فرمایا اس کی طرح جو ایک شہر سے گذرا جو اُجڑا ہوا تھا۔ اس نے حیرانی کے عالم میں کہا اس کے اُجڑنے کے بعد اللہ اسے کس طرح آباد کرے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پھر اسے سو برس تک مردہ رکھا اور پھر زندہ کر دیا اور دریافت کیا کتنی دیر ٹھہرے۔ کہنے لگے ایک روز یا اس سے بھی کم۔ یا اسرائیلی مقتول کی طرح جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے زندہ کر دیا تھا اور وہ اپنے قاتل کو بتا کر مر گیا تھا۔ یا جیسے وہ جنھوں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھیں گے۔ بالآخر اللہ نے انھیں مار دیا اور پھر موت کے بعد زندہ کر دیا۔ اسی طرح اصحاب کہف کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام والے چار پرندے۔ پھر جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے موت کی بدولت کے بعد ان میں کامل طور پر زندگی لوٹا دی تو اس کی حیرت انگیز قدرت سے یہ بات کب دُور ہے کہ مرنے کے بعد ان میں ایک قسم کی زندگی پیدا کر دے۔ اور ان سے ان کی ذمّہ داریوں کے متعلق دریافت کرے۔ جواب مانگے اور اعمال کے مطابق عذاب و ثواب پہنچائے۔

اعمال کی حقیقی پوزیشن۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ومن وراءھم برزخ الیٰ اور ان کے بعد حشر تک برزخ ہے۔ برزخ دنیا اور عقبیٰ کے مابین ہے۔ اسی کو غالب کے اعتبار سے عذاب و ثواب قبر اور آخرت تک یا آگ کا گڑھا کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پھانسی پر لٹکے ہوئے، جلے ہوئے، ڈوبے ہوئے اور درندوں یا پرندوں کے کھائے ہوئے شخص کو بھی اس کے اعمال کے

مطابق عذاب وثواب برزخ ہے۔ گو عذاب و ثواب کے اسباب اور اس کی کیفیات مختلف اقسام کی ہوں گی۔ زمانۂ قدیم میں کوئی شخص نے خیال کر لیا تھا کہ اگر اس کی لاش جلا کر اس کی راکھ سمندر میں بہادی جائے اور کچھ آندھی میں اڑادی جائے تو وہ عذاب سے محفوظ رہے گا اس نے اپنے بیٹوں کو یہی وصیت کی اور بعد از موت بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ پھر بحکم خداوندی سمندر اور خشکی نے اس کے اجزا کو اکٹھا کر دیا اور اللہ رحیم و کریم نے اسے کھڑا ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ بحکم الٰہی کھڑا ہو گیا۔ دریافت کیا کہ تو نے ایسی حرکت کیوں کی۔ اس نے کہا اے میرے پروردگار تو خوب طور پر واقف ہے کہ میں نے تجھ سے ڈرتے ہوئے ایسا کیا تھا۔ بالآخر اللہ رحیم و کریم نے اس پر اپنا رحم فرمادیا۔

مقام غور ہے کہ ان بکھرے ہوئے اور بظاہر بے نام ونشان ذرات

الحاصل کلام:۔ جسم سے بھی برزخ کا عذاب و ثواب نہیں ہٹتا۔ اگر کوئی لاش ہوا میں درخت سے لٹکادی جائے تو اُسے بھی بقدر اس کے حصے کے برزخ کا عذاب پہنچ جائے گا۔ اور اگر کوئی صالح شخص آگ کی بھٹی میں دفن کر دیا جائے تو اُسے بھی بقدر اعمال برزخ کا سکون نصیب ہوگا۔ اللہ رحیم و کریم آگ کو اس پر ٹھنڈا کر دے گا۔ اور اس پر ہوا آگ اور سخت قسم کی لو بنا دے گا۔

دنیا کے عناصر اپنے خالق حقیقی کے فرمانبردار ہیں اور اس کے حکم کے منکر کون؟ قطعی خلاف نہیں کرتے وہ ان میں مرضی کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہ کرے تو وہ اپنے پروردگار جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے اس کے رب ہونے کا منکر ہے۔

اللہ رحیم و کریم نے انسان کے لیے مرنے کے بعد

رُوح کی بدن سے جدائی:۔ دو زندگیاں مقرر فرمائی ہیں۔ جن میں بد اور صالح کو ان کے اعمال کی جزا اور سزا دی جاتی ہے۔ پہلی زندگی موت کے بعد رُوح کا بدن سے

جدا ہوتا اور ابتدائی دار جزا کی طرف لوٹ جاتا ہے اور دوسری زندگی موت کے بعد محشر کے روز پیش آنے گی جبکہ لوگ بحکم الٰہی اپنی اپنی قبور سے اٹھیں گے اور حساب و کتاب کے بعد دوزخ یا بہشت میں جائیں گے۔ اسی سبب سے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایمان میں یہ بھی داخل ہے کہ پچھلی زندگی موت کے بعد والی زندگی پر ایمان لایا جائے کیونکہ پہلی زندگی کا تو کوئی منکر ہی نہیں ہو سکتا۔ گو بہت سے لوگ اس میں جزاو سزا اور عذاب و ثواب کے منکر ہیں۔ اللہ رحیم و کریم نے ان دونوں قیامتوں کا بیان قرآن مجید میں سورہ مومنون، سورۂ واقعہ، سورۂ قیامت، سورۂ مطففین اور سورۂ فجر وغیرہ میں کیا ہے۔

اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم کی حکمت و عدالت کا تقاضا

دار القرار کیا ہے؟ ہے کہ بد اور صالح کو جزا کے لیے دو گھر بنائے۔ لیکن پورا پورا بدلہ موت کے بعد والی زندگی ہی کے بعد دار القرار میں ملے گا۔ فرمایا کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ الآ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور تمہیں پورے سے پورے بدلے محشر کے دن ہی ملیں گے

اللہ رحیم و کریم کے عدل، اسمائے حسنیٰ اور کمالات مقدسہ کا یہ

دار الجزاء کیا ہے؟ یہی تقاضا ہے کہ اپنے دوستوں کے جسم اور ارواح آرام سے رکھے اور دشمنوں کے اجسام اور ارواح کو عذاب میں مبتلا کرے۔ اس لیے اطاعت کرنے والوں کے اجسام اور ان کے ارواح کو ان کے مناسب نعمتوں اور لذات کا ذائقہ چکھایا جاتا ہے اور نافرمانوں کے اجسام اور ارواح کو ان کے مناسب عذاب و سزا دی جاتی ہے۔ چونکہ دنیا تکلیف اور امتحان کا گھر ہے دار الجزاء نہیں ہے اس لیے جزا اس میں ظاہر نہیں ہوتی البتہ برزخ دار الجزاء ہے۔ اس لیے اس میں اس گھر کے مناسب جزاء کا ظہور ہوتا ہے اور اللہ کی حکمت بھی اس گھر میں جزا کے اظہار کا تقاضا کرتی ہے لیکن

محشر کے روز جزا کا پورا پورا ظہور ہو گا۔

الحاصل کلام: معلوم ہوا کہ عذاب و ثواب برزخ عقبیٰ کا ابتدائی عذاب و ثواب ہے جیسا کہ بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ نیک قبر والے کے لیے بہشت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس کے پاس بہشت کی راحتیں اور نعمتیں آنے لگتی ہیں اور گنہ گار کے لیے دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس کی گرمی اور لپٹیں آنے لگتی ہیں۔ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ روح کی طرح بدن بھی اس میں حصہ دار ہے۔ پھر روز محشر دونوں انھیں دروازوں سے اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جائیں گے۔ یہ دونوں دروازے جن سے برزخ میں مردے کی طرف مخفی اثرات پہنچتے رہتے ہیں۔ زندوں کے حس و ادراک سے محجوب ہیں۔ تاہم بہت سے لوگ محسوس بھی کر لیتے ہیں اگرچہ اسباب سے بے خبر ہوں اور درست طور پر تعبیر نہ کر سکیں۔

وجود اور ادراک و تعبیر میں فرق: جاننا چاہیے کہ کسی چیز کا وجود اس کے ادراک و تعبیر پر موقوف نہیں ہوتا۔ وجود اور چیز ہے اور ادراک و تعبیر اور چیز ہے۔ دنیا میں بھی یہ اثرات پہنچتے ہیں۔ مگر غفلت کی ظلمات کے سبب سے لوگ ان کی تعبیر سے قاصر رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد یہ اثرات اور سرعت و کمال کے ساتھ پہنچتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگی کے بعد یہ اثرات اپنے پورے شباب پر آ جاتے ہیں۔ حکمت الٰہیہ نے تینوں گھروں میں بہترین انتظام کر دیا ہے۔

باب ہشتم

عذاب قبر

سوال، کیا کتاب مبین میں قبر کے عذاب کو بیان کیا گیا ہے؟ اس کا سبب کیا ہے؟

قرآن مجید فرقان حمید میں قبر کے عذاب کو کیوں بیان نہیں کیا، حالانکہ اسے جاننے اور اس پر ایمان لانے کی بہت بڑی ضرورت ہے تاکہ انسان مارے خوف کے تقویٰ اختیار کرے۔ اس کا جواب مجمل اور مفصل دونوں طرح ہی دیا جاتا ہے۔

عذاب قبر پر مجمل و مفصل جواب۔ عذاب قبر پر مجمل جواب تو یہ ہے کہ اللہ رحیم و کریم نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل کی اور لوگوں پر واجب کر دیا کہ دونوں وحیوں پر ایمان لا کر عمل کرتے رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وانزل اللہ علیك الکتاب والحکمۃ۔ اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی۔ پھر فرمایا ھو الذی بعث فی الامیین۔ الخ اس نے ان پڑھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور حکمت سے مراد سنت نبوی ہے۔ اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

جن باتوں کی خبر دی ہے یہ مسلمانوں کا ایک اجماعی اصول ہے۔ کوئی فرقہ اس کے مخالف نہیں ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ مجھے کتاب کے ساتھ اس کی طرح سنت بھی دی گئی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مسئلہ قرآن مجید میں نہیں ہے اور حدیث شریف میں ہے تو سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید میں ہی ہے کیونکہ حدیث شریف بھی قرآن ہی کی طرح ہے۔ قرآن مجید میں بھی کئی جگہ عذاب وثواب برزخ کا بیان ہے مثال کے طور پر آیہ شریفہ ولو تریٰ اذ الظالمون الخ۔ کاش آپ دیکھتے جب ظالم موت کی بیہوشیوں میں ہوں اور فرشتے انھیں ہاتھ پھیلا کر مار رہے ہوں اور ان سے کہہ رہے ہوں کہ اپنی جانیں نکالو۔ آج تمھیں اسی سبب سے ذلت والا عذاب دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ پر کذب کیا کرتے تھے اور اس کی آیات سے کترایا کرتے تھے۔ یہ باتیں ملائکہ موت کے وقت مرنے والے سے کہہ رہے ہیں۔ فرشتے سچے ہوتے ہیں۔ اگر یہ عذاب ان سے دنیا میں مرتے ہی ختم ہو جاتا تو یہ جملہ الیوم تجزون درست نہ ہوتا۔ ارشاد گرامی ہے فوقاہ اللہ سیات الخ پھر اللہ نے انھیں ان کے دھوکوں کی برائیوں سے محفوظ کر لیا۔ اور فرعون کے ماننے والوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا۔ صبح وشام یہ آگ کی زد میں ہیں اور بروز محشر کہا جائے گا کہ اے فرعون کے ماننے والو سخت ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ۔ اس آیہ شریفہ میں صراحت سے برزخ اور آخرت کے عذاب کا بیان ہے ارشاد فرمایا فذرھم حتیٰ الخ آپ انھیں چھوڑ دیں جب تک یہ اپنے اس دن کو نہ پالیں جس دن ان پر موت کی بیہوشی چھا جائے گی۔ جس دن ان کی تدبیر کام نہ آسکے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ بلاشبہ ظالموں کے لیے اس سے ورے بھی عذاب ہے لیکن اکثر لوگ علم سے بے بہرہ ہیں۔

احتمالات کا انکشاف: اس میں دو احتمال ہیں کہ یا تو دنیوی عذاب مراد ہے یا برزخ والا عذاب۔ مگر دوسرا احتمال زیادہ

ظاہر ہے۔ کیونکہ بہت سے ظالم مر گئے اور انھیں دنیا میں عذاب نہیں دیا گیا۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ زیادہ ظاہر ہے کہ جو مر گیا اسے برزخ میں عذاب ہے اور جو بچ گیا اسے دنیا میں قتل وغیرہ کا عذاب ہے۔ پس یہ دنیوی اور برزخ والے عذاب کی وعید ہے فرمایا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ الخ اور ہم انھیں بڑے عذاب کے درے چھوٹا عذاب بھی چکھائے بغیر نہیں رہیں گے تاکہ وہ رجوع کریں۔ اس آیہ کریمہ سے ایک جماعت نے جن میں ابن عباس بھی ہیں عذاب قبر پر استدلال کیا ہے مگر میرے خیال میں یہ دنیوی عذاب ہے جو انھیں کفر سے رجوع کی دعوت دیتا ہے۔ بظاہر یہ بات ترجمان القرآن حضرت ابن عباس سے چھپی ہوئی نہ ہوگی۔ مگر چونکہ آپ کو فہم قرآن میں خاص کمال حاصل تھا اس لیے آپ نے اس سے عذاب قبر سمجھا کیونکہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بتایا کہ ان پر دو قسم کے عذاب ہیں۔ ایک بڑا عذاب اور دوسرا چھوٹا عذاب۔ اور یہ بھی بتایا کہ بعض کو چھوٹا عذاب چکھنا ہوگا تاکہ رجوع کریں۔ اس سے پتہ چلا کہ چھوٹے عذاب میں کچھ باقی ہے جو دنیوی عذاب کے بعد ملے گا۔ اسی لیے من العذاب الادنیٰ کے الفاظ استعمال کیے۔ من تبعیضیہ ہے۔ عذاب ادنیٰ کو براہ راست بغیر من کے مفعول نہیں بنایا۔ جیسے حدیث شریف لایفتح له طاقة الى النار فياتيه من حرها وسمومها پھر اس کے لیے دوزخ والا ایک سوراخ کھول دیا جائے گا جس سے اس

کی کچھ گرمی اور لپٹیں آئیں گی کیونکہ اس سے دوزخ کی بعض حرارت دلوائے گی نہ زیادہ تر عذاب تو آخرت کے لیے باقی رہے گا۔ اسی طرح دنیا میں کفار نے بعض عذاب کو دیکھا ہے اور عذاب کا زیادہ تر حصہ آگے کے لیے باقی رہ گیا ہے۔ فرمایا فلولا اذا بلغت الحلقوم الخ پھر جب جان حلق میں آکر اٹک جاتی ہے۔ اور تم اس وقت تکتے رہ جاتے ہو اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔ اگر تمیں بدلہ دیئے جانے والا نہیں ... نہیں پھیر یا

تو وہ مقرب ہوگا اس کے لیے سکون و آرام، روزی اور نعمت والی جنت ہے۔ یا دائیں جانب والوں میں سے ہوگا۔ اور کہا جائے گا اے دائیں جانب والے تیرے لیے سلامتی ہے۔ یا جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہوگا تو اس کی گرم پانی سے دوزخ میں داخل کرکے تواضع ہوگی۔ یہ بات یقینی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ لہٰذا آپ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کرتے رہیں۔

اس آیہ شریفہ میں موت کے وقت ارواح کے احکام کا بیان ہے

خلاصہ کلام: اور اسی سورت کے آغاز میں زندگی موت کے بعد والے احکام کا بیان ہے مگر انھیں انجام و غایت اور اہمیت کے اعتبار سے ان پر مقدم کیا اور موت کے وقت بھی موت کے بعد کے وقت کی طرح تین اقسام بیان کیں۔ فرمایا یاایتھا النفس المطمئنة الخ اے اطمینان والی روح آپ اپنے پروردگار کی طرف راضی خوشی لوٹ جا۔ اس میں اختلاف ہے کہ کب روح سے یہ خطاب کیا جاتا ہے بظاہر الفاظ آیت سے بھی یہی مطلب سمجھ میں آتا ہے۔ یہ خطاب اس روح سے ہے جو بدن سے علیحدہ ہوگئی اور اس سے نکل آئی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی براء والی حدیث میں بھی اس کی تفسیر آئی ہے کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ راضی خوشی نکل آ۔ تیرا پروردگار تجھ سے راضی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اے اللہ مجھے سب سے اونچے رفیق میں شامل فرما۔ ہر قسم کی توفیق رب ہی دینے والا ہے۔

باب نہم

اسباب

سوال :۔ قبر کے عذاب کے اسباب کیا ہیں۔ ان کی معرفت کیا
ہے؟ اور ان کی حقیقت کیا ہے؟

جواب :۔ اس سلسلہ میں اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس کے اسباب جہالت، حق تلفی
کرنا اور گناہ ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارباب محبت اور اصحاب معرفت اور اطاعت
گزاروں کے ایمان وارواح پر عذاب نہیں فرماتا۔ کیونکہ قبر کا عذاب اور آخرت کا
عذاب اللہ کے غصے اور ناراضگی کی علامت ہیں۔ لہٰذا جس نے دنیا میں اللہ
کو غصہ دلایا اور اسے ناراض کیا تو توبہ کیے بغیر مر گیا اس پر بقدر اللہ کی ناراضگی
کے برزخ میں عذاب ہوگا خواہ کم ہو یا زیادہ خواہ وہ برزخ کے عذاب کا قائل
ہو یا منکر ہو۔ قبل ازیں حدیث مبارکہ گزر چکی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
نے دو اشخاص پر قبر میں عذاب ہوتا دیکھا آپ نے قبر کے عذاب کی جو دو وجوہات
بتائیں کہ ایک تو ادھر کی ادھر لگایا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے
پرہیز نہیں کرتا تھا۔ ایک نے تو پاکی کو ترک کر دیا تھا وہ واجب تھی اور ایک

ایسی حرکت کرتا تھا کہ اس کی زبان سے لوگوں میں عداوت ہو جاتی تھی۔ اگر چہ واقعات سچے ہی بیان کرتا ہو۔

حاصل کلام یہ کہ جھوٹ اور بہتان۔ کذب و افتراء سے لوگوں میں

الحاصل کلام: پھوٹ ڈالنے والا سخت ترین قبر کے عذاب میں گرفتار ہو گا۔

اور یہ بھی پتہ چلا کہ جس نے نماز کو ترک کیا جس کی شرائط میں سے ایک شرط پیشاب سے پاکی بھی ہے وہ بھی سخت ترین قبر کے عذاب میں گرفتار ہو گا۔ امام شعبی والی حدیث میں ہے کہ ایک شخص لوگوں کا گوشت کھایا کرتا تھا۔ اور حضرت ابن مسعود والی حدیث گزری کہ ایسا کوڑا مارا جس سے اس کی قبر آگ سے بھر گئی کیونکہ اس نے بغیر وضو کے ایک نماز پڑھی تھی۔ اور مظلوم کے پاس سے گذرا تھا تو اس کی مدد نہیں کی تھی۔ امام بخاری کی سمرۃ والی حدیث میں گزر چکا کہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا تھا جو کذب بیانی کیا کرتا تھا اور دنیا میں اس کی کذب بیانی پھیل جایا کرتی تھی۔ اور اس پر بھی جو قرآن کی قرات کے باوجود رات کو سو جاتا تھا اور دن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اسی طرح حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی مردوں اور زانی عورتوں پر اور سود کھانے والوں پر برزخ میں عذاب کا مشاہدہ فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں گذر چکا کہ کچھ لوگوں کے سر پتھر سے کچلے جا رہے تھے کیونکہ ان کے سر نماز سے بھاری ہو جاتے تھے۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوۃ والتسلیمات نے دیکھا کہ کچھ لوگ ضریع و زقوم چرتے تھے کیونکہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔ کچھ لوگ بدبودار سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے وہ زانی تھے۔ کچھ لوگوں کو لوہے کی قینچیوں سے ہونٹ کاٹے جا رہے تھے کیونکہ وہ اپنی گفتگو اور تقریروں کے فتنے سے فتنے پیدا کرتے تھے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ والی حدیث میں مختلف مجرموں کی سزائیں گزر چکیں کہ

بعض کے پیٹ گھڑوں کی طرح تھے اور فرعونی لشکر کی گزرگاہوں پر تھے جو انھیں کچلتے ہوئے گزرتے ہوئے چلے جارہے تھے۔ یہ سود خوار تھے۔ یہ ظلم سے یتیم کا مال کھاتے تھے۔
کچھ عورتوں کی چھاتیاں بندھی ہوئی تھیں اور لٹک رہی تھیں۔ یہ زانی عورتیں تھیں۔
بعض کی کروٹوں سے گوشت کاٹ کاٹ کر انھیں ہی کھلایا جارہا تھا۔ یہ چغلی کرنے والے تھے۔ بعض کے ناخن تانبے کے تھے اور ان ناخنوں سے اپنا منہ اور سینہ کھرچ رہے تھے۔ یہ لوگ لوگوں کی آبروریزی کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے مال غنیمت سے چادر چوری کرلی تھی۔ حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اس پر اس کی قبر میں آگ بھڑک رہی ہے حالانکہ اس کا بھی مالِ غنیمت میں حق تھا۔ پھر جس کا کسی مال میں حق نہ ہو اور ظلم سے کسی کا مال مارے اس پر تو بدرجۂ اولیٰ عذاب ہوگا۔
لہٰذا عذاب قبر دل، آنکھ، کان

عذاب قبر اور اعضا جسمانی کیفیت

: منہ، زبان، شکم، پیٹھ، ہاتھ اور پاؤں۔ سب کا سب جسم کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ادھر کی ادھر لگانے والا۔ جھوٹا۔ چغل خور، جھوٹا گواہ۔ پاک دامنوں پر الزام لگانے والا۔ فتنہ بھڑکانے والا، بدعت کی اشاعت کرنے والا۔ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والا۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں اپنی باتیں لگانے والا۔ سود خور، یتیموں کا ناحق مال کھانے والا، راشی اور مرتشی۔ مسلمانوں کا مال ناجائز طریقے سے کھانے والا، شرابی، شجر ملعونہ سے نوالہ توڑنے والا۔ لونڈے باز اور زانی، چور ڈاکو، غدار، دھوکہ دینے والا، فریب دینے والا، سود کے گواہ اور سود کے کاتب، حلالہ کرنے اور کرانے والا، فرائض الٰہیہ کے ساقط کرنے کے لیے حیلے بہانے کرنے والا، حرام کا ارتکاب کرنے والا، مسلمان کو تکلیف دینے والا، ان کے عیوب کے پیچھے لگنے والا، غیر شرعی قانون سے فیصلہ کرنے والا، غیر

شرعی باتوں کا فتویٰ دینے والا گناہوں اور زیادتیوں پر امداد کرنے والا، ناحق قتل کرنے والا، حرام میں بے دینی پھیلانے والا، اسماء وصفات کے حقائق معطل کرنے والا اور ان میں الحاد سے کام لینے والا، اپنی رائے ذوق اور تدبر کو سنت پر مقدم کرنے والا، نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والے، حرام گانا گانے والے اور حرام گانا سننے والے، قبروں پر مساجد بنانے والے، قبور پر قندیلیں اور چراغ جلانے والے، لیتے وقت پورا لینے والے اور دیتے وقت تھوڑا دینے والے۔ جبار، متکبر، ریاکار، آنکھ یا زبان وغیرہ سے نکتہ چینی والے، سلف صالحین کو برا کہنے والے، کاہن، نجومی، رمل نکالنے والے، جفار اور فال وغیرہ کھولنے والوں کے پاس جانے والے اور ان سے دریافت کرکے ان کی باتوں کی تصدیق کرنے والے، ظالموں کی مدد کرنے والے۔ اغیار کی دنیا کے بدلے اپنی آخرت فروخت کرنے والے۔ اللہ سے ڈرانے اور پند وموعظت کے باوجود نہ ڈرنے والے اور گناہوں سے باز نہ رہنے والے لیکن مخلوق سے ڈرائے جائیں تو ڈر جانے والے اور باز آجانے والے۔ وہ لوگ جن کی اگر قرآن وسنت سے رہنمائی کی جائے تو پرواہ نہ کریں اور راہ پر نہ آئیں جن سے حسن عقیدت ہے۔ اگر ان کی کوئی بات بتا دی جائے تو دل وجان سے قبول کر لیں حالانکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے سوا تمام لوگ غیر معصوم ہیں اور سب سے غلطیاں ہوتی ہیں وہ جنہیں قرآن سنایا جائے تو اس سے متاثر نہ ہوں بلکہ گھبرانے لگیں، لیکن اگر شیطانی قرآن، زنا کا منتر اور نفاق کا مادہ سن لیں تو کھل جائیں، حال پر حال آنے لگیں، دل میں بے حد خوشی محسوس کرنے لگیں اور دلی خواہش رکھیں کہ گانے والے یا گانے والیاں خاموش نہ ہوں، اللہ کی جھوٹی قسم کھانے والے اور غیر اللہ کی جھوٹی قسموں کو کسی حال میں بھی نہ ترک کرنے والے خواہ کتنی ہی سخت سزا کیوں نہ دی جائے۔ گناہو پر فخر کرنے والے، اور اپنے بھائیوں اور دوستوں میں دل کھول کر بے پروائی سے

خوب گناہ کرنے والے، وہ گناہ جن سے لوگوں کی عزتیں اور مال محفوظ نہ ہوں، بدزبان اور بدخلق، جن کے غنڈے پن سے خائف ہو کر لوگ انھیں ترک کر دیں، آخر وقت میں نماز پڑھنے والے، خوشی سے زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے، طاقت ہونے پر حج نہ کرنے والے طاقت ہونے پر بھی حقوق نہ ادا کرنے والے، حرام نظر سے نہ بچنے والے، حرام بات سے نہ بچنے والے، حرام قدم اور حرام لقمہ سے نہ بچنے والے، مساکین و یتیماء، بیواؤں پر ترس نہ کھانے والے، حلال و حرام کمائی میں تمیز نہ کرنے والے، صلہ رحمی نہ کرنے والے، بے زبان جانوروں پر ترس نہ کھانے والے بلکہ یتیموں کو ڈانٹنے والے، اور محتاجوں کے کھانے کی رغبت نہ دلانے والے، نمود و نمائش کرنے والے، برتنے کی اشیاء کو روکنے والے اور اپنے عیب اور اپنے گناہ کو چھوڑ کر دوسروں کے عیب اور گناہ ٹٹولنے والے۔ الغرض ہر قسم کے گناہ گار اپنے اپنے گناہوں پر قبر کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اور گناہوں کے ہلکے پن اور سنگینی سے عذاب قبر بھی سخت یا ہلکا ہوگا۔

قبر میں کیا ہے؟

بکثرت لوگ گناہ میں ملوث ہوتے ہیں اس لیے اکثر مردوں پر عذاب ہوتا ہے۔ قبر کے عذاب سے بہت تھوڑے لوگ محفوظ رہتے ہیں۔

افسوس۔ ظاہر میں قبروں پر مٹی ہے مگر قبروں کے اندر عذاب اور حسرتوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ ان پر مٹی یا نقشین پتھروں کی عمارات ہیں لیکن ان کے اندر آفات و بلیات اور مصائب ہیں جن میں حسرتیں کھول رہی ہیں جس طرح کہ ہانڈیوں میں کھانا کھولتا ہے اور انھیں کھولنا بھی چاہیے۔ انسان اور انسان کی خواہشات کے مابین قبور کے مصائب حائل ہیں۔ واللہ! قبر ایسا جامع وعظ ہے جس نے کسی واعظ کے لیے کوئی بات ترک نہیں کی۔

قبور سے آواز کا حصول

یاد رہے کہ قبور سے آواز آرہی ہے اے دنیا کے مکینوں تم اپنے گھر کو آباد کیے ہوئے ہو جو بہت

جلد تم سے چھین لیا جائے گا اور تم نے اس گھر کو آجالا ہوا ہے۔ جس گھر میں تم جلدی سے منتقل ہونے والے ہو۔ تم نے ایسے گھر آباد کیے ہوئے ہیں جن میں تمہیں ہمیشہ کی زندگی گذارنی ہوگی۔ دنیا دوڑ دھوپ کا عمل فراہم کرکے رکھنے کا اور کھیتی کی پیداوار مہیا کرنے کا گھر ہے اور قبر نصیحتوں کا مقام ہے۔ قبر یا تو جنت کا باغیچہ ہے یا کہ دوزخ کا خطرناک گڑھا ہے۔

باب دہم

نجات

سوال:۔ عذابِ قبر سے نجات کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ اور اس کے کون سے اسباب ہیں؟

جواب:۔ عذابِ قبر سے نجات حاصل کرنے کا اجمالی جواب یہ ہے کہ ان تمام اسباب سے بچنا جو عذابِ قبر کا سبب ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک انتہائی نفع دینے والا عمل یہ ہے کہ انسان شب کو سوتے وقت کچھ دیر اپنے نفس کا حساب کرے اور تمام دن کی کمائی کا حساب لگائے کہ کیا کھویا اور کیا پایا۔ نفع ہوا یا نقصان ہوا۔ دلِ صادق سے معصیت سے شرمندہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں توبہ کرے اور مصمم ارادہ کرے کہ اگر صبح تک زندہ رہا تو پھر گناہ نہیں کروں گا اور اسی توبہ پر سو جائے۔ پھر ہر روز رات کو سوتے وقت تجدید توبہ کرتا رہا کرے۔ اگر رات کو قضاء اجل ہو گا تو توبہ پر ہو گا اور اگر زندہ رہا تو نیک اعمال کے لیے خوشی خوشی تیار ہو گا کہ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے مجھے زندگی کا ایک دن اور بخش دیا کہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے لیے تیاری کر لوں۔ اور جو ظلم و زیادتیاں ہو چکی ہیں ان کی آہ و زاری سے تلافی کر لوں اور اللہ سے معافی مانگ لوں۔ انسان

کے لیے اس نیند سے زیادہ منافع والا کوئی عمل نہیں ہے۔ خاص طور پر جبکہ اس کے بعد اللہ کا ذکر ہو۔ اور ان دعاؤں کو استعمال میں لایا جائے جو سوتے وقت حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہیں اور انھیں پڑھتا پڑھتا سو جائے۔ وہ بہت بڑا نصیبے والا ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے اعمال کی توفیق عنایت فرمائے۔ ہر توفیق و قدرت اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

اعمال کی زندگی کا راز:۔ یاد رہے کہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا اعمال کے بارے میں ارشادات گرامی ہیں۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

جو شخص اللہ رحیم و کریم کی راہ میں ایک دن پہرہ دیتا ہے ایک ماہ کے دن کے روزوں سے اور رات کے قیام سے بہتر ہے۔ اور اگر مر جائے تو جو عمل کرتا تھا قائم رہے گا۔ روزی کا سلسلہ بھی جاری رہے گا منقطع نہ ہو گا اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

ہر مرنے والے کے اعمال بھی فوت ہو جاتے ہیں سوائے اس کے کہ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو جائے تو اس کا عمل حشر تک جاری رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنے سے بچ جاتا ہے۔

خصائل شہداء:۔ ایک شخص نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا بات ہے کہ شہداء کے سوا تمام کے تمام مومن قبر میں آزمائے جاتے ہیں۔ یہ سن کر حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ان کے سروں پر تلوار کی چمک آزمائش سے کافی ہو گی۔ اللہ رحیم و کریم کے نزدیک شہید میں چھ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

پہلی خصوصیت:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ شہید کا خون گرتے ہی اس کی مغفرت فرما دیتا ہے اور وہ اپنا ٹھکانہ بہشت میں دیکھ لیتا ہے۔

دوسری خصوصیت :۔ شہید قبر میں عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔
تیسری خصوصیت :۔ شہید بڑی گھبراہٹ سے بھی امن میں رہے گا۔
چوتھی خصوصیت :۔ شہید کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا جس سے ایک ایک یاقوت دنیا جہان سے بہتر ہوگا۔
پانچویں خصوصیت :۔ شہید بہتر بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے شادی کرے گا اور اپنے ستر عزیزوں کی سفارش کرے گا۔
چھٹی خصوصیت :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک صحابی نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ لگا لیا۔ قبر سے سورہ ملک پڑھنے کی آواز آئی قبر والے نے اول سے آخر تک سورۂ ملک کی تلاوت کی۔ آپ نے حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا یہ سورت قبر کے عذاب سے روکنے والی اور اس سے نجات دینے والی ہے۔

سورۂ ملک کی اہمیت وافادیت :۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے کہا کیا میں تمہیں تحفہ کے طور پر ایک حدیث نہ سناؤں۔ تم اسے سن کر خوش ہو جاؤ گے۔ اس شخص نے کہا ضرور سنا دیجئے فرمایا سورۂ ملک پڑھا کرو۔ اسے خود بھی یاد کرو اور اپنی بیوی بچوں کو بھی یاد کراؤ اور اپنے اہل خانہ اور ہمسایوں کے بچوں کو بھی یاد کراؤ کیونکہ یہ نجات دینے والی اور جھگڑا کرنے والی ہے۔ یہ محشر کے روز اپنے پڑھنے والے کے لیے رب تعالیٰ سے جھگڑا کرے گی اور اگر وہ دوزخ میں ہو گا تو بارگاہ الٰہی میں درخواست کرے گی کہ آپ اسے دوزخ کے عذاب سے بچا دیں۔ اللہ رحیم وکریم اس کی وجہ سے قبر کے عذاب سے بچا لیتا ہے۔ فرمان نبوی ہے کہ سورۂ ملک میرے امت کے ہر

فرد کو یاد ہونی چاہیئے یہ میری تمنا ہے۔

الحاصل کلام:- یاد رہے کہ یہ حدیث درست ہے کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا کہ تیس آیات والی سورت نے اپنے پڑھنے والے کی یہاں تک سفارش کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

پیٹ کا مریض:- جو پیٹ کے مرض میں مر جائے گا وہ شہید ہو گا۔ وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہ جائے گا۔ اور اسے صبح و شام بہشت سے رزق دیا جائے گا۔ عبداللہ بن یشکر کا بیان ہے کہ میں سلیمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ ایک شخص پیٹ کے مرض میں مر گیا۔ ان دونوں نے سوچا کہ اس کے جنازے میں شریک ہونا چاہیئے۔ ایک نے کہا کیا رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے یہ نہیں فرمایا کہ جو پیٹ کے مرض میں فوت ہو گا وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔

جمعہ یا جمعرات کی فضیلت:- یاد رہے کہ جو مسلمان جمعرات یا جمعہ کے روز فوت ہو گا اللہ تبارک و تعالیٰ اسے قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا۔ مگر اس کی سند متصل نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو جمعہ کی رات کو یا جمعہ کے دن کو مر جائے گا وہ قبر کے عذاب سے بچا لیا جائے گا اور اس پر شہادت کی مہر لگ جائے گی۔

الحاصل کلام:- معلوم ہوا کہ شہید میں ایمان ہے اور ایمان ہی نے اسے اللہ کے لیے اس جانی قربانی پہ تیار کیا ہے اور اس کے دل میں اللہ ہی کے لیے غصہ اور ہیجان پیدا ہوا تاکہ اس کا دین غالب رہے اور اس کے کلمہ کی عزت ہو۔ پس اس کا ایمان اسے قتل گاہ میں لے آیا اور قبر میں امتحان کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

ایک انوکھا راز:- امام قرطبی کا ارشاد ہے کہ جب شہید سے قبر میں سوال نہیں ہوتا تو صدیق سے بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا کیونکہ صدیق کا مقام شہید سے اونچا ہے اور قرآن میں اس کا ذکر بھی شہداء سے پہلے آیا ہے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ پہرہ دینے والے سے بھی سوال نہ ہوگا حالانکہ اس کا مقام شہید سے نیچے کا ہے اور صدیق کا تو شہید سے بھی اونچا ہے۔ لیکن صحیح احادیث سے اس کی تردید ہو جاتی ہے اور وہ احادیث بتاتی ہیں کہ صدیق سے بھی دیگر کی طرح سوال ہوگا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے انسان کی قبر میں فرشتے کے سوال کے بارے میں خبر دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بولے کیا میں اپنی اس جیسی حالت پر ہوں گا؟ فرمایا ہاں اپنی حالت پر ہو گے۔

انبیاء سے سوالات کا راز:- انبیائے کرام علیہم السلام کے سوالات کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دو قول ہیں۔ پہلا قول تو یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی سوال ہوتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے سوال نہیں ہوتا۔ شہداء کرام کی اس خصوصیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حکم میں صدیق بھی ان میں مشترک ہوں۔ اگرچہ وہ شہداء سے اونچا درجہ رکھتے ہوں۔ ابن ماجہ کی یہ حدیث کہ جو بیمار ہو کر مر جائے وہ شہداء میں شمار ہوگا اور قبر کے فتنے سے بچ جائے گا۔ ابن ماجہ کے افراد میں سے ہے اور ان کے افراد میں غرائب اور منکرات بھی پائے جاتے ہیں۔

والدین کی اطاعت کا راز:- قبر کے عذاب سے محفوظ رہنے کے بارے میں ایک حدیث پاک ملتی ہے جسے ابو موسیٰ مدینی نے اپنی کتاب ترغیب و ترہیب میں عذاب قبر کی وضاحت کے لیے بیان کیا ہے۔ فرج بن فضالہ ہلال ابو جبلہ سے انہوں نے سعید بن مسیب سے اور انہوں نے

عبد الرحمٰن بن سمرہ سے روایت کیا کہ ہم مدینہ شریف کے ایک چبوترے پر جمع تھے کہ حضور سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہو کر فرمایا کل رات میں نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا۔ میں نے اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ ملک الموت اُس کی رُوح قبض کرنے کے لیے اس کے پاس پہنچتے ہیں لیکن والدین کی خدمت آکر ملک الموت کا راستہ روک لیتی ہے۔

حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات

اعمال صالحہ کا راز: فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں اپنے ایک اُمتی کو دیکھا کہ اسے عذاب کے ملائکہ نے وحشی بنایا ہوا ہے لیکن اس کی نماز آکر ان کے ہاتھوں سے چھڑا لیتی ہے۔ پھر ایک اُمتی کو دیکھا کہ پیاس سے بے تاب ہے جب حوض کے قریب جاتا ہے اُسے پیچھے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور وہاں سے بھگا دیا جاتا ہے لیکن رمضان المبارک کے روزے آکر اسے خوب طور پر پانی پلاتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنے اپنے حلقے باندھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ایک اُمتی کو دیکھا کہ وہ جس حلقے میں جاتا ہے اُس کا غسل جنابت اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لاکر بٹھا دیتا ہے۔ ایک اُمتی کو دیکھا کہ اُس کے چاروں طرف اور اُوپر نیچے اندھیرا ہی اندھیرا ہے وہ اس میں حیرانی کے عالم میں ہے لیکن اس کا حج اور عمرہ آکر اسے اندھیرے سے نکال کر اجالے میں پہنچا دیتا ہے۔ ایک اُمتی کو دیکھا کہ وہ آگ کے شعلوں اور انگاروں سے بچنا چاہتا ہے اتنے میں اس کا صدقہ آکر اُس کے اور آگ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اس کے سر پر سایہ بھی کر لیتا ہے۔ ایک اُمتی کو دیکھا کہ وہ مومنین سے گفتگو کرنا چاہتا ہے لیکن کوئی بھی اُس سے بات نہیں کرتا لیکن اُس کی صلہ رحمی آکر کہتی ہے مسلمانوں یہ شخص صلہ رحمی میں پیش پیش رہتا تھا۔ اس سے گفتگو کیجئے۔ بالآخر مسلمان اس سے گفتگو کرنے لگتے ہیں اور مصافحہ بھی کرتے ہیں۔ ایک اُمتی کو دیکھا کہ اسے دوزخ کے ملائکہ نے

پریشان کیا ہوا ہے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آکر ان کے ہاتھوں سے چھڑا لیتا ہے اور ملائکہ رحمت میں داخل کر دیتا ہے۔ ایک امتی کو دیکھا کہ دوزانو بیٹھا ہوا ہے اور اس کے اور اللہ کے درمیان پردہ حائل ہے لیکن اس کا حسنِ خلق آتا ہے اور ہاتھ پکڑ کر اللہ کی بارگاہ میں لے جاتا ہے۔ پھر ایک امتی کو دیکھا کہ اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں طرف سے جاتا ہے لیکن اس کے پاس خوفِ خداوندی آکر اعمال نامہ لے کر دائیں طرف رکھ دیتا ہے۔ پھر ایک امتی کو دیکھا کہ اس کی تول ہلکی ہو گئی ہے لیکن اس کے پاس چھوٹی عمر میں مر جانے والے بچے آتے ہیں اور اس کا وزن بھاری کر دیتے ہیں۔ پھر ایک امتی کو دیکھا کہ دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہے لیکن اس کے پاس اللہ سے امید آتی ہے اور اسے وہاں سے ہٹا دیتی ہے اور وہ چلا جاتا ہے۔ پھر ایک امتی کو دیکھا کہ وہ آگ میں گر گیا ہے لیکن آنسو کا وہ قطرہ آتا ہے جو خشیت الٰہی سے گرا تھا اور اسے دوزخ سے نکال لیتا ہے۔ پھر ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کھڑا ہوا اس طرح کانپ رہا ہے جیسے آندھی میں کھجور کا تنا ہلتا ہے لیکن اس کا اللہ رحیم و کریم کے ساتھ حسنِ ظن آکر اس کی کپکپاہٹ کو دور کر دیتا ہے۔ پھر ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر گھسٹ رہا ہے کبھی گھسٹتا ہے اور کبھی لٹک جاتا ہے لیکن اس کی نماز آکر اسے اس کے پاؤں پر کھڑا کر دیتی ہے اور بچا لیتی ہے۔

مزید مناظر خواب کا انکشاف

پھر ایک امتی کو دیکھا کہ بہشت کے دروازے پر پہنچ جاتا ہے مگر بہشت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو کلمہ طیبہ آکر دروازے کھلوا کر اسے بہشت میں داخل کرا دیتا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ کا فرمان ہے کہ یہ حدیث شریف اعلیٰ درجہ کی حسن ہے اسے سعید بن مسیب عمر بن ذر اور علی بن زید نے روایت کیا ہے۔

یاد رہے کہ انہی جیسی احادیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے

خواب بھی وحی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث اپنے ظاہری معنیٰ پر ہے۔ یہ خواب ان خوابوں جیسے نہیں ہوتے جو تعبیر کی رہین منت ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ یہ بھی دیکھا کہ گائے ذبح کی گئی۔ اور آپ نے یہ تعبیر لی کہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوگی۔ نیز آپ نے دیکھا کہ آپ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں۔ اسی طرح سمرۃ، علی اور ابوامامہ والی صحیح روایات میں آپ کے ایک لمبے خواب کا بیان ہے جس میں برزخ میں دینے جانے والوں کی سزا کا ذکر ہے۔
الغرض اس قسم کے خواب تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں مگر

خوابوں میں امتیازات:۔ اس خواب میں عذابات کے ساتھ ان اعمال کا بھی بیان ہے جو عامل کو عذاب سے نجات دلوا دیتے ہیں۔ ہلال ابوجبلۃ مدنی ہیں اور اسی حدیث سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ حدیث بہترین احادیث میں سے ہے۔

باب یازدہم

توضیحات

سوال :۔ کیا سوال قبر میں مسلم اور غیر مسلم سب سے ہوتا ہے یا صرف مسلمان سے ہی ہوتا ہے ۔ اسے اقوال علماء سے بیان کیجئے ؟

جواب :۔ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ قبر میں اہل قبلہ کی آزمائش کی جاتی ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا منافق ہوں ۔ پھر اللہ رحیم و کریم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھتا ہے ۔ اور منافق ناکام ہو جاتے ہیں ۔ کافر و مشرک کو آزمایا نہیں جاتا ۔ لیکن قرآن و سنت سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ سوال قبر کفار اور مسلمانوں دونوں سے ہوتا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اللہ تبارک و تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور عقبیٰ میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالمین کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور جنازے میں شریک ہونے والے واپس ہوتے ہیں تو مُردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے ۔ پھر فرماتے ہیں کہ منافق اور کافر سے دریافت کیا جاتا ہے کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا ۔ وہ جواب دیتا ہے میں نہیں جانتا ۔

جو لوگ کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تو نے جاننے کی کوشش نہیں کی۔
اور نہ ہی قرآن پڑھا۔ پھر اس پر لوہے کے ہتھوڑے سے مار پڑتی ہے اور وہ چیختا ہے۔
ان کی چیخیں سوائے انسان اور جنات کے سب سنتے ہیں۔ اس سے پہلے احمد اور ابن ماجہ
کی ابو سعید خدری والی حدیث گزری کہ ہم حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ
والتسلیمات کے ہمراہ ایک جنازے میں تھے کہ آپ نے فرمایا کہ لوگو! یہ اُمت اپنی قبروں
میں آزمائی جاتی ہے۔ جب انسان کو دفن کر کے لوگ واپس ہوتے ہیں تو فرشتہ ہتھوڑا
لے کر آتا ہے اور اسے بٹھا کر دریافت کرتا ہے کہ تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا ہے۔
ایمان دار کہتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ
وَرَسُوْلُهٗ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا
ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے اور رسول ہیں۔ فرشتہ بندے کا یہ سوال سن کر
کہتا ہے کہ تو سچا ہے۔ پھر دوزخ کا دروازہ کھول کر اُس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو
کافر ہوتا تو تُو اس میں ہوتا۔ یہ سن کر کافر و منافق کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ پھر کہا
جاتا ہے کہ نہ ہی تو نے کچھ جانا اور نہ ہی تو راہ پر آیا۔ پھر جنت کا دروازہ کھول کر
اس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو ایمان دار ہوتا تو تیرا یہ ٹھکانہ ہوتا۔ پھر دوزخ کا دروازہ
کھول کر کہا جاتا ہے کہ اب تیرا یہ ٹھکانا ہے۔ پھر فرشتہ اسے لوہے کے ہتھوڑے سے
مارتا ہے جسے انسان اور جن کے سوا اللہ کی تمام مخلوق سنتی ہے۔ کسی نے بارگاہِ نبوی میں
عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا کوئی نہیں ہے کہ جس کے سر پر فرشتہ ہتھوڑا لے کر کھڑا ہو
اور مرعوب نہ ہو۔ آپ نے آیۂ کریمہ یثبت اللہ الذین الخ پڑھ کر سنادی۔
اور براء والی طویل حدیث میں ہے کہ جب کافر عقبیٰ میں داخل ہونے والا اور دنیا سے
نکلنے والا ہوتا ہے تو فرشتے اس پر آسمان سے ٹاٹ لے کر آتے ہیں۔ پھر قبر میں اس کی
رُوح اس کے جسم میں لوٹادی جاتی ہے۔

کافر کی روح کا تذکرہ:۔ پھر جب کافر ہوتا ہے تو اس کے پاس ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں۔ دریافت کرتے ہیں کہ گندی روح کس کی ہے؟ فرشتے اس روح کا بدترین نام لے کر جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں کی روح ہے۔ پھر جب اس کی روح دنیوی آسمان پہ لے جاتے ہیں تو دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اور روح آسمان ہی سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیۂ کریمہ پڑھی ومن یشرك باللہ الخ مشرک کہتے ہیں آسمان سے گر گیا۔ اب چاہے اسے پرندے اچک لیں یا کسی دوسری جگہ ہوا لے جا کر پھینک دے۔ فرمایا پھر جسم میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس سخت ڈانٹ ڈپٹ والے فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر ڈانٹ ڈپٹ سے پوچھتے ہیں کہ بتا تیرا رب کون ہے وہ کہتا افسوس کہ میں نہیں جانتا پھر فرشتے کہتے ہیں کہ تو نے کب جانا تھا۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ اس نبی کی کیا حیثیت ہے جو تم میں مبعوث کیے گئے تھے۔ وہ کہتا ہے میں نے لوگوں سے سنا کہ وہ انھیں نبی کہتے تھے مگر میرے علم میں نہیں۔ وہ کہتے ہیں تو نے کب جانا تھا۔ ویضل اللہ الظالمین الخ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ یعنی اللہ ظالمین کو گمراہ کر دیتا ہے۔

فاجر کی حقیقت:۔ یاد رہے کہ قرآن مجید فرقان حمید اور حدیث شریف کی اصطلاح میں فاجر میں قطعی طور پر کافر بھی شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وان الفجار لفی جحیم اور فاجر دوزخ میں ہوں گے۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے کلا ان کتاب الفجار لفی سجین۔ ہرگز نہیں یقین کیجئے کہ فاجروں کے اعمالنامے سجین میں ہوں گے۔ براء والی حدیث کا ایک لفظ یہ بھی ہے کہ جب کافر آخرت میں داخل ہونے والا اور دنیا سے نکلنے والا ہوتا ہے تو اس پر زبردست صاحب قوت اور غصے والے فرشتے آگ کے کپڑے اور تارکول کے پاجامے لیے ہوئے اترتے

ہیں اور اسے بوکھلا دیتے ہیں اور اس کی رُوح اس طرح کھینچی جاتی ہے جس طرح بہت سی شاخوں والی سلاخ تر اون سے کھینچی جاتی ہے۔ پھر جب نکال لی جاتی ہے تو اس پر فضا کا ہر فرشتہ لعنت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ آسمان کا بھی ہر فرشتہ لعنت کرتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب لوگ واپس ہوتے ہیں تو مردہ واپس ہونے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ پھر دریافت کیا جاتا ہے کہ اے شخص تیرا رب کون ہے و تیرا نبی کون ہے اور تیرا دین کیا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ کہا جاتا ہے کہ تو نے کب جانا تھا۔ براء والی حدیث کا ایک لفظ یہ ہے کہ ہم حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ہمراہ ایک انصاری کے جنازے میں شریک تھے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب کافر دنیا سے منہ موڑنے والا اور آخرت کی طرف بڑھنے والا ہوتا ہے اور اس کی موت کا وقت ہوتا ہے تو اس پر فرشتے آگ کا کفن اور آگ کی بدبو لے کر اُترتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں پھر اس کی رُوح اس کی قبر کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دانتوں سے مٹی ہٹاتے ہوئے اور بالوں سے زمین کھودتے ہوئے منکر نکیر آتے ہیں۔ ان کی آواز سخت کڑک دار اور آنکھیں اُچکنے والی بجلی کی طرح ہوتی ہیں۔ یہ اسے بٹھا کر دریافت کرتے ہیں اے شخص تیرا رب کون ہے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ قبر کے ایک کونے سے آواز آتی ہے تو نے کب جانا تھا۔ پھر ملائکہ اسے اس قدر بھاری لوہے کے ہتھوڑے سے مارتے ہیں کہ اگر اسے ساری دنیا بھی مل کر اُٹھانا چاہے تو اُٹھا نہیں سکتی۔ اور اس کی قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ پسلیوں سے پسلیاں نکل جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب کافر مردہ رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس منکر نکیر آتے ہیں اور اسے بٹھا کر دریافت کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ مُردہ کہتا ہے مجھے علم نہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ تو نے کب جانا تھا۔ براء میں حدیث میں عام بیان کرنے والے یقین کے ساتھ کافر ہی کا لفظ لائے ہیں۔ ہاں بعض فاجر اور بعض منافق و مرتاب بھی لائے ہیں۔

یہ لفظ راوی نے شک کے طور پر استعمال کیا ہے کہ یقین نہیں

الفاظ کی پرکھ پڑچول ۔ جانتا۔ منافق کہا یا مرتاب کہا۔ لیکن کافر و فاجر کا لفظ لانے والوں کو شک نہیں۔ لہٰذا ان کی روایات جو یقین کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور بکثرت ہیں۔ شک کرنے والوں کی روایت سے جب کہ وہ منفرد بھی ہیں زیادہ قابل قبول ہے۔

اس کے علاوہ روایات میں تصادم بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کافر اور مومن کی طرح منافق سے بھی سوال کرتا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان کو ثابت قدم رکھتا ہے اور ظلم کرنے والوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں کافر اور منافق کو جمع بھی کر دیا ہے جس میں صراحت ہے کہ سوال کافر اور منافق دونوں سے ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ابن عبدالبر کا یہ کہنا کہ کافر سے سوال نہیں ہوتا غلط

الحاصل کلام ۔ ہے۔ اس سے بھی سوال ہوتا ہے بلکہ اس سے تو بدرجہ اولیٰ سوال ہونا چاہیئے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ محشر کے روز کفار سے سوال کرے گا۔ فرمایا یوم ینادیھم الخ اور جس روز اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت پر عمل کیا۔ ارشاد فرمایا فوربك لنسئلنھم الخ آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ان کے عمل پوچھے بغیر نہ رہیں گے۔ فرمایا فلنسئلن الذین ارسل الخ ہم ان سے بھی ضرور سوال کریں گے جن کی طرف رسول مبعوث ہوئے تھے اور رسولان عظام علیہم السلام سے بھی۔ پھر جب کفار سے محشر کے روز سوال ہوگا تو قبر میں بھی بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیئے۔

باب دوازدہم

خصوصیات

سوال :۔ کیا منکر نکیر کے سوالات اُمتِ محمدیہ کے لیے ہی خاص ہیں یا دیگر اُمتوں کے لیے بھی۔

جواب :۔ کیا منکر نکیر کے سوالات صرف اُمتِ محمدیہ کے لیے خاص ہیں یا سب اُمتوں سے وابستہ ہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض کے نزدیک سوالات اُمتِ محمدیہ کے لیے ہی خاص ہیں۔ کیونکہ سابقہ اُمم اگر رسولانِ عظام کا انکار کرتی تھیں تو رسول ان سے الگ ہو جاتے تھے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ عذاب کے ذریعے انھیں ہلاکت میں ڈال دیتا تھا۔ لیکن اللہ رب العالمین جل مجدہم الکریم نے نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور نہ ماننے والوں سے عذاب روک لیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں تلواریں دے دیں تاکہ ان کے خوف سے لوگ دینِ محمدی میں داخل ہو جائیں۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے قلوب میں ایمان جڑ پکڑ مضبوط کرلے۔ اسی طرح انھیں مہلت دی گئی یہاں سے نفاق پیدا ہوا کہ منافق دلوں سے کافر رہتے تھے اور بظاہر ایمان لے آتے تھے۔ زندگی میں

ان کی اندرونی حالت پر پردہ پڑا رہتا تھا لیکن اللہ رحیم و کریم نے بعد از موت ان کی پول کھولنے کے لیے منکر نکیر مسلط کر دیئے تاکہ سوالات کر کے ان کے دلی حالات کا علم ہو جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ صالحین سے غیر صالحین کو علیحدہ کر دے۔

یاد رہے کہ قرطبی کے نزدیک تمام امم کے افراد سے سوال ہوتا ہے

الحاصل کلام:- ابن عبد البر نے توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ یہ امت قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔ اور بعض روایا میں ہے کہ اسی سے سوال ہوتا ہے۔ ان الفاظ سے احتمال ہوتا ہے کہ یہی امت خاص ہو۔ مگر اس کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ اس امت کی خصوصیت کے دعوے داروں نے حضرت زید بن ثابت والی حدیث سے دلیل لی ہے۔ اور ان الفاظ سے بھی کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہو۔

اس کے علاوہ ملائکہ کا یہ قول کہ اس شخص کے متعلق جو تم میں

مومن کا جواب:- بھیجا گیا تھا کیا کہتا ہے۔ مومن جواب دیتا ہے کہ میں اقرار کرتا ہوں آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ مردے نے جواب میں اپنا نبی آخر الزمان رسول کو بتایا ہے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ میرے بارے میں تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تم سے سوال کیا جائے گا۔ یہ بھی خصوصیت کی دلیل ہے۔ یہ بھی خصوصیت کی دلیل ہے۔ خصوصیت نہ ماننے والوں نے یہ جواب دیا ہے کہ تمام باتیں اسی امت کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتیں کیونکہ اس امت سے یا تو بنی نوع انسان کی امت مراد ہے جیسا کہ مندرجہ آیہ شریفہ میں ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يُوالا زمین پر چلنے والے اور فضا میں اڑنے والے جانوروں کی بھی تمہاری طرح امتیں ہیں۔ ہر جاندار کی جنس کو امت کہا جاتا ہے۔

چیونٹیوں کا جل جانا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کتوں کی اور اُمتوں کی طرح ایک اُمت نہ ہوتی تو میں قتل کر دینے کا حکم دے دیتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک کو ایک چیونٹی نے کاٹ دیا۔ پھر آپ کے حکم سے چیونٹیوں کا سارا کا سارا چھتہ جلا دیا گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تم نے ایک چیونٹی کے کاٹ کھانے کی وجہ سے اللہ کی ایک اُمت جلا ڈالی جو اللہ کی پاکی بیان کرتی تھی۔ یا اُمتِ محمدیہ مراد ہے۔ اس صورت میں بھی دیگر اُمم سے نفی لازم نہیں آتی بلکہ ان کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ انھیں کو قبر کے سوال کی خبر دی جا رہی ہے اور یہ بھی کہ پہلی اُمتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس اُمت میں بھی اس کا وجود ہے۔ کیونکہ یہ اُمت سب اُمم سے افضل اور بزرگ ہے۔ اسی پر دوسرے دلائل کا قیاس کر لیجیے۔

امتیازات۔ رہی یہ بات کہ مردہ جواب میں حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ہی کو بتاتا ہے یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ہر اُمت کا مردہ اپنے اپنے نبی کو بتائے گا۔ حدیث شریف کے الفاظ میں کسی نبی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ ہیں کہ وہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ جب حقیقی امیں دریافت اور برہان کے قیام کے بعد ہر اُمت پر عذاب ہوگا تو عالم برزخ میں بدرجہ اَولیٰ ہونا چاہیئے۔ یہی جواب حقیقت پر مبنی ہے۔

باب سیزدہم

امتحانات

سوال :- کیا قبر میں بچوں کا بھی امتحان ہوتا ہے؟ اس کا ماحصل کیا ہے؟

جواب :- بعض کے نزدیک قبر میں بچوں کا بھی امتحان ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہوتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں قول ہیں جو امتحان کے قائل ہیں ان کی برہان یہ ہے کہ بچوں پر نماز جنازہ مسنون اور ان کے لیے بھی اللہ سے دعا کی جاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قبر اور قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور

دعائے نبوی :- سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھی اور انھوں نے آپ سے یہ دعا سنی۔ اے اللہ! اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھ۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے ایک چھوٹے بچے کا جنازہ گذرا۔ آپ جنازہ کو دیکھ کر رونے لگیں۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں روتی ہیں ام المومنین نے فرمایا یہ بچہ ہے قبر سے بھینچنے سے مجھے اس پر ترس آگیا اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھوٹے بچے کی نماز جنازہ پڑھتے تو کہتے اے اللہ اسے قبر کے عذاب سے محفوظ فرما۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ قبر میں ان کی عقلیں مکمل کر دیتا ہے تاکہ اپنی اسلامی یا غیر اسلامی حیثیت شناخت کر سکیں اور حیثیت کے مطابق ان کے دلوں میں جواب ڈال دیا جاتا ہے۔

الحاصل کلام:۔ کہا جاتا ہے کہ ان بکثرت احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آخرت میں بھی امتحان ہو گا تو قبور کے امتحان میں کون سا استحالہ ہے وہ تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے اور جو امتحان کے قائل نہیں ان کا قول ہے کہ سوال اس سے ہوتا ہے جو رسول کو اور شریعت کو سمجھتا ہو تاکہ پتہ چل جائے کہ اس نے رسول پر ایمان لا کر ان کی اطاعت کی یا نہیں کی۔ لیکن بچے کو تو کسی صورت سے تمیز ہی نہیں بھلا اس سے کیسے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ ان کے متعلق کیا کہتا ہے جو تم میں مبعوث ہوئے تھے۔ اگر قبر میں اس کی عقل بھی مکمل کر دی جائے تو پھر بھی اس سے ان باتوں کا سوال عقل کے خلاف ہے جن کی جان پہچان سے وہ قدرت نہ حاصل کر سکا تھا۔

حدیث کی معرفت کا حصول:۔ اور اس سوال سے کچھ بھی فائدہ نہیں رہا۔ آخرت کے امتحان پر قیاس کرنا بھی خطا ہے کیونکہ اس وقت تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے پاس رسول مبعوث فرمائے گا اور انھیں آپ کی اطاعت کا حکم فرمائے گا اور ان کی عقلیں بھی مکمل ہوں گی۔ پھر اطاعت کرنے والا نجات پا جائے گا اور سرکش و نافرمان دوزخ میں جائے گا۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں قبر کے عذاب سے ترک اطاعت یا گناہ کے فعل پر سزا مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ رحیم و کریم کسی کو کسی گناہ کے بغیر سزا نہیں دیتا۔

مرادی معنیٰ:۔ اور کبھی عذاب قبر سے وہ دکھ مراد ہوتا ہے جو کسی کو کسی اور وجہ سے پہنچ رہا ہو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل خانہ کے رونے کے

سبب مردے پر عذاب ہوتا ہے یعنی اسے تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں کہ بیچارہ زندہ لوگوں کے گناہ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید فرقانِ حمید میں ہے کہ کسی کا کوئی بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس معنی میں حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا فرمان ہے کہ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔

معلوم ہوا کہ عذاب عام ہے اور عقوبت خاص ہے۔ قبر میں بغیر شبہ

الحاصل کلام یہ کہ آلام و مصائب اور پریشانیوں کا سامنا ہے جن سے بچے بھی متاثر ہوتے ہیں اور بچوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے نمازی کو مسنون ہے کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں دعا کرے کہ چھوٹے بچے قبر کے عذاب سے بچے رہیں۔

باب چہاردہم

عذاب دوام

سوال :۔ کیا قبر کا عذاب ہمیشہ کے لیے ہے یا کہ وقتی طور پر ہے پھر ختم ہو جاتا ہے؟

جواب :۔ یاد رہے کہ قبر کا عذاب دائمی بھی ہے اور وقتی طور پر بھی ہے ۔ دائمی قبر کے عذاب سے وہ قبر کا عذاب مراد ہے جو مرنے کے بعد سے لے کر پہلے صور کے پھونکے جانے تک قائم رہتا ہے۔ کیونکہ بعض احادیث میں ہے کہ دونوں صوروں کے مابین وقفہ میں عذاب کی تخفیف ہو جائے گی پھر قبر سے اٹھیں گے تو کہیں گے افسوس ہمارے لیے خرابی ہے۔ کس نے ہمیں خواب گاہ سے بیدار کر دیا۔

دوام عذاب پر برہان :۔ دائمی عذاب کی یہ دلیل ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا کہ وہ صبح شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ خواب والی حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ محشر تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ قبر پر تر شاخ گاڑی جانے والی حدیث میں ہے شاید خشک ہونے تک عذاب ہلکا ہو جائے۔ اس حدیث میں

تخفیف رطوبت سے مقید ہے کہ رطوبت جاتی رہے گی تو پھر عذاب تیز ہو جائے گا۔

احادیث میں تضاد۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ پھر آپ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے اور کچلتے ہی درست ہو جاتے تھے۔ ان پر مسلسل یہی عذاب ہو رہا تھا۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص دو چادریں اوڑھ کر اکڑ کر چلنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے زمین میں دھنسا دیتا ہے۔ اب وہ حشر تک دھنستا چلا جائے گا۔ براء والی حدیث میں کافر کے متعلق ہے پھر اس کے لیے دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے یہاں تک قیامت برپا ہو جائے۔ اسی حدیث کی ایک سند سے یہ الفاظ ہیں پھر اس کے لیے دوزخ کا ایک سوراخ کھول دیا جاتا ہے۔ اس سے اس کے پاس اس کی تپش اور دھواں قیامت تک آتا رہے گا۔

وقتی عذاب قبر کا انکشاف۔ دوسری قسم کا قبر کا عذاب وقتی ہوتا ہے جو تھوڑے سے گنہگاروں پر ان کے گناہوں کے مطابق ایک مقررہ وقت تک ہوتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ گناہ گاروں کو ایک خاص وقت تک دوزخ میں عذاب ہوگا۔ پھر عذاب موقوف ہو جائے گا۔ اس قسم کا عذاب قبر دعا سے یا صدقہ سے یا استغفار سے یا قرآن کی قرآت سے جو کسی عزیز کی طرف سے مُردے کو پہنچتی ہے موقوف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دنیا میں کسی کو کچھ سزا دی جاتی ہے پھر کوئی سفارش کر کے اسے چھڑا لیتا ہے۔ دنیوی شفاعت میں اجازت کا حصول لازم و ملزوم نہیں۔

شفاعت کا انوکھا راز۔ یاد رہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے آگے کوئی سفارش کے لیے نہیں بڑھ سکتا جبکہ اللہ خود ہی اسے اجازت نہ دے جب اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہتا ہے تو وہ شفیع کھڑا کر دیتا ہے۔ اس لیے بروز حشر اسی نوع کی شفاعت ہوگی۔ جو لوگوں نے مختلف قسم کی شفاعات بنا رکھی ہیں وہ درست

نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے من ذا الذی یشفع الخ کون ہے جو اجازت کے بغیر اللہ
کے ہاں سفارش کرے۔ ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ الخ اسی کی سفارش کریں گے جس
سے اللہ راضی ہوگا۔ ما من شفیع الا من بعد اذنہ ہر شفیع اللہ کی اجازت کے بعد ہی
کھڑا ہوگا۔ ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الخ اللہ کے نزدیک شفاعت اُسے ہی نفع دے
گی جس کے لیے اللہ نے اجازت دی ہوگی۔ قل للہ الشفاعۃ الخ آپ فرما دیجئے کہ
شفاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔ زمین اور آسمان میں وہی بادشاہ ہے۔

رحمتِ باری بہانہ می جوید:۔ عبداللہ بن نافع کا بیان ہے کہ ایک مدنی نے وفات
پائی پھر اسے ایک شخص نے خواب میں دیکھا جیسا
کہ وہ دوزخ میں ہے۔ اُسے ایسا دیکھ کر صدمہ ہوا۔ پھر کچھ روز کے بعد اسے خواب میں دیکھا
تو جنتی معلوم ہوا۔ دریافت کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں دوزخی ہوں۔ اُس نے کہا معاملہ
تو ایسا ہی تھا لیکن ہمارے پاس ایک صالح آدمی دفن ہے اس کی اس کے چالیس ہمسایوں
کے حق میں سفارش قبول کر لی گئی اُن میں سے ایک میں بھی ہوں۔

آگ سے رہائی ملنا:۔ احمد بن یحییٰ کا بیان ہے کہ ہمارے ایک رفیق نے کہا کہ میرا
بھائی وصال کر گیا۔ میں نے بھائی کو خواب میں دیکھا اور دریافت
کیا کہ قبر میں جانے کے بعد کیا معاملہ پیش آیا۔ اُس نے کہا آنے والا میری طرف آگ کا
انگارہ لے کر بڑھا اگر دُعا کرنے والا میرے حق میں دُعا نہ کرتا تو وہ انگارہ مجھے ہلاک کر دیتا۔

ہدیہ عجوبہ:۔ عمرو بن جریر نے کہا کہ جب کوئی شخص اپنے مُردہ بھائی کے لیے دُعا مانگتا
ہے تو اس دُعا کو ایک فرشتہ قبر میں لے کر جاتا ہے اور کہتا ہے اے
صاحبِ قبر غریب الوطن لے تیرے بھائی نے تجھ پر مہربانی کی جو یہ ہدیہ ہے۔

دعاؤں کا مقبول ہو کر نورانی طباق میں ڈھانپنا:۔ بشار بن غالب کا بیان ہے
کہ میں حضرت رابعہ

بصری رحمۃ اللہ علیہما کے لیے کثرت سے دعائیں کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور کہنے لگیں کہ تمہارے ہدیے طباق میں رکھ کر اور انہیں ریشمی رومال میں ڈھانپ کر میرے پاس لائے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا جب زندہ مومن مُردوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور ان کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں تو وہ دعائیں نورانی طباق میں لگا کر ان پر ریشمی رومال ڈھانپ کر جس کے لیے دعائیں مانگی تھیں اس کے پاس لائی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ آپ کے لیے فلاں نے ہدیہ بھیجا ہے۔

زندوں کی دعاؤں کے اثرات

ابو عبیدہ بن بحیر کا بیان ہے کہ ہمارے ایک رفیق نے کہا کہ میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا زندوں کی دعائیں تم تک پہنچتی ہیں۔ اس نے کہا ہاں پہنچتی ہیں۔ واللہ! ریشمی جبین اور نورانی صورتوں میں آتی ہیں۔ پھر مردہ اسے پہن لیتا ہے۔ اس کے بعد اسی قسم کا اور بیان ہے۔

باب پانزدہم

اَرواح کا ٹھہرنا

سوال :۔ بعد از موت محشر تک اَرواح کا ٹھہرنا کیسا ہے ؟ اس کی اصل کیا ہے ؟

جواب :۔ بعد از موت محشر تک کے درمیانی وقفہ میں اَرواح کا ٹھہراؤ کہاں ہے ؟ کیا آسمان میں رہتی ہیں یا زمین میں رہتی ہیں ؟ کیا بہشت میں رہتی ہیں یا نہیں رہتیں ؟ کیا انھیں کوئی نیا جسم دے دیا جاتا ہے جس میں انھیں عذاب وثواب ہوتا ہے یا مجرد ہی رہتی ہیں ؟ یہ بہت اہم مسئلہ ہے اس میں لوگوں کا بہت بڑا اختلاف ہے۔ اصل میں اس نوع کے مسائل نقل پر موقوف ہیں

اَرواح کے مختلف مقامات :۔ بعض کے نزدیک مومنین کی اَرواح اللہ رحیم و کریم کے پاس بہشت میں رہتی ہیں خواہ شہداء کی اَرواح ہوں یا دیگر کی اَرواح ہوں۔ شرط یہ ہے کہ ان میں کوئی کبیرہ گناہ میں ملوث نہ ہو یا مقروض نہ ہو۔ ان سے ان کا رب عفو و ترحم سے پیش آتا ہے۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ اور حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے۔ بعض کے بہشت کی حدود میں بہشت کے دروازوں پر رہتی ہیں اور انھیں بہشت کی ٹھنڈی ہوائیں، بہشت کی نعمتیں اور بہشت کی روزیاں پہنچتی رہتی ہیں۔

بعض کے نزدیک ارواح کی جماعت اپنی اپنی قبور میں رہتی ہیں اور قبور کے صحنوں میں رہتی ہیں۔

یاد رہے کہ امام احمد بن حنبل
امامین کے نزدیک ارواح کی کیفیات:- رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفار کی ارواح دوزخ میں اور مومنین کی ارواح بہشت میں رہتی ہیں۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجھے خبر ملی ہے کہ ارواح آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ
صحابہ کرام کے نزدیک ارواح کی کیفیات:- عنہم اور تابعین کرام کی ایک جماعت کے نزدیک مومنین کی ارواح اللہ کے پاس رہتی ہیں۔ انہوں نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں فرمایا۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین کی دوسری جماعت کے نزدیک مومنین کی ارواح جابیہ میں اور کفار کی ارواح برہوت میں رہتی ہیں۔

صفوان بن عمرو نے کہا کہ میں نے ابوالیمان عامر
صفوان بن عمرو کا بیان:- سے دریافت کیا، کیا مومنین کی ارواح اکٹھی ہوتی ہیں؟ انہوں نے کہا وہ زمین جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے ذکر کے بعد زبور میں تحریر کر دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے وہ زمین ہے جہاں حشر تک مومنین کی ارواح جمع رہتی ہیں۔ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ وہ زمین ہے جس وارث اللہ رحیم و کریم دنیا میں مومنین کو بنائے گا۔

حضرت کعب کا بیان ہے کہ مومنین کی ارواح علیین
حضرت کعب کا بیان:- میں ساتویں آسمان میں رہتی ہیں اور کفار کی ارواح ساتویں زمین میں سجین میں ابلیس کے لشکر کے نیچے رہتی ہیں۔

حضرت سلمان فارسی کا بیان:۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مومنین کی ارواح زمین و آسمان کے مابین رہتی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں اور کفار کی سجین میں رہتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مومنین کی ارواح زمین میں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔

ایک اور راز:۔ یاد رہے کہ بعض کے نزدیک مومنین کی ارواح زمزم میں اور کفار کی ارواح برہوت میں رہتی ہیں۔ اور بعض کے نزدیک مومنین کی ارواح حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں طرف رہتی ہیں اور کفار کی ارواح ان کے بائیں جانب رہتی ہیں۔

قرآن سے اثبات ارواح:۔ ابن حزم وغیرہ کی رائے میں جہاں ارواح اجسام کی تخلیق سے پہلے تھیں وہی ان کی قرار گاہ ہے۔ قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے واذ اخذ ربك من بنی آدم الخ اور جب آپ کے پروردگار نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد نکالی اور ان سے ان کے بارے میں اقرار کرایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب دیتے ہوئے کہا کیوں نہیں ہم سب گواہ ہیں تاکہ تم سب محشر کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو اس کی کچھ خبر نہیں تھی۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے ولقد خلقناکم ثم صورناکم الخ ہم نے تمہاری تخلیق کی۔ پھر تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کیجئے۔

الحاصل کلام:۔ معلوم ہوا کہ اللہ رحیم و کریم نے ایک ہی مرتبہ تمام ارواح کی تخلیق فرمائی۔ اسی طرح رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے بتایا کہ ارواح جمع شدہ لشکر ہیں جن میں تعارف ہو جاتا ہے۔ ان میں دنیا میں محبت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ اجنبیت ہی رہتی ہے۔

حکمت ازلیہ اور حکمت ابدیہ:۔ یاد رہے کہ اللہ رحیم و کریم نے ارواح سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرا لیا ہے اور انھیں گواہ بنا لیا ہے ارواح مخلوق مصور اور عقل والی تھیں۔ اس سے پہلے کہ ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ملا اور اس سے پہلے کہ ارواح اجسام میں داخل ہوں اس وقت اجسام مٹی اور پانی تھے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھیں جہاں چاہا ٹھہرا دیا۔ اور وہ برزخ ہے جس کی طرف موت کے وقت لوٹ کر جاتی ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی ایک کے بعد دوسری جماعتیں منی سے پیدا ہونے والے جسموں میں بھیجتا رہتا ہے۔

ماحصل کلام:۔ معلوم ہوا کہ ارواح اجسام میں جن میں ایک دوسرے کو پہچاننے کی صلاحیت ہے۔ بعض میں تعارف ہوتا ہے اور بعض میں اجنبیت ہوتی ہے۔ ان میں تعارف پایا جاتا ہے اور پہچان کی طاقت بھی۔ پھر اللہ انھیں جس طرح چاہتا ہے دنیا میں آزماتا ہے۔ پھر مار دیتا ہے اور وہ برزخ کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔

ارواح کا مشاہدہ:۔ اسی برزخ میں حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں پہلے آسمان پر دیکھا کہ صالحین کی ارواح حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھیں اور بدبختوں کی ارواح جنت میں ہیں۔ ابن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور اسی پر اہل علم کا اجماع ہے۔ یہی تمام مسلمانوں کا قول ہے اور قرآن مجید بھی یہی کہتا ہے۔ ارشاد باری ہے فاصحب المیمنۃ الخ پھر دائیں والے کیا ہیں۔ دائیں والے اور بائیں والے کیا ہیں۔ بائیں والے اور سبقت کرنے والے ہیں۔ وہی مقرب ہیں۔ اور نعمت والی جنتوں میں ہیں۔ ایک جماعت سابقین میں سے ہے اور کم لوگ سابقین میں سے ہیں۔ فاما ان کان من المقربین پھر اگر وہ مقرب لوگوں میں سے ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے اور روزی ہے اور نعمت والی جنت ہے۔

ثانوی زندگی کا انکشاف:۔ پس ارواح مستقل طور پر وہاں رہتی ہیں حتیٰ کہ صور سے پہونکی جانے والی ارواح کی تعداد پوری ہو جائے اور محشر برپا ہو جائے۔ پھر اللہ رحیم و کریم انھیں ان کے اجسام میں پھونک دے گا۔ یہی ثانوی زندگی ہے جس سے مخلوق سے حساب لیا جائے گا۔ اور ہر ایک کو اس کی منزل ہمیشہ کے لیے جنت یا دوزخ میں مل جائے گی۔

ابن عبد البر کا بیان ہے کہ شہداء کرام کی ارواح بہشت میں اور عام مومنین کی ارواح اپنی اپنی قبروں کے صحن میں رہتی ہیں۔

مختلف احباب کا بیان:۔ مجاہد نے بیان کیا کہ ارواح جنت میں تو نہیں ہیں البتہ اس کے پھل کھاتی ہیں اور اس کی خوشبو سے لذت حاصل کرتی ہیں۔

ابن شہاب سے ارواح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی طرح عرش سے لٹکی ہوئی ہیں۔ صبح اور شام بہشت کے باغات میں آجاتی ہیں اور ہر روز اللہ رحیم و کریم کی بارگاہ میں جا کر سلام کرتی ہیں اور آتی ہیں۔

ابن عبد البر نے ابن عمر والی حدیث کی شرح میں فرمایا کہ بعد از موت مردے پر صبح و شام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اگر بہشتی ہے تو بہشت اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ قیامت کی آمد کے بعد یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اس سے ان لوگوں سے دلیل لی ہے جو کہتے ہیں کہ ارواح قبروں کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ اور یہی صحیح ترین قول ہے کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم کا قول:۔ میرے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ کبھی قبروں کے صحن میں بھی ہوتی ہیں یہ نہیں کہ وہیں رہتی ہیں اور وہاں

سے کبھی نہیں ہٹتی ہیں۔ چنانچہ امام مالک علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ ارواح جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں۔

ارواح کے بارے میں مختلف اقوال

مجاہد کا بیان ہے کہ ارواح مرنے کے بعد پہلے سات روز تک قبور کے صحنوں میں رہتی ہیں۔ اور وہاں سے ہٹتی نہیں۔ ایک فرقے کا خیال ہے کہ ارواح جسم کی طرح معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ روح کو حیات اور ادراک کی طرح جسم کے عوارض سے مانتے ہیں لیکن یہ قول قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ارواح اپنے مناسب اخلاق و صفات والی ارواح کے اجسام میں رہتی ہیں۔ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں۔ اور موت کے بعد والی زندگی کو نہیں مانتے۔ یہ قول تمام اہل اسلام کے اقوال سے منفرد ہے اور باطل ہے۔ ارواح کے بارے میں تمام خیالات ہیں جو میں نے اس رسالہ میں جمع کر دیئے ہیں۔ کسی دوسری کتاب میں نہیں ملیں گے۔

دلائل ارواح

جو اس بات کے قائل ہیں کہ ارواح بہشت میں رہتی ہیں تو ان کے حسب ذیل دلائل ہیں فاما ان کان من المقربین[1] الخ پھر اگر وہ مقرب حضرات میں سے ہے تو ٹھنڈی ہوا ہے اور روزی ہے اور نعمت والی بہشت ہے۔ روح کی حالت موت کے وقت جسم سے نکلنے کے بعد بتائی گئی ہے۔

اقسام روح

روح تین اقسام میں منقسم ہے۔ مقرب ارواح دائیں طرف والی ارواح اور جھٹلانے والی گمراہ ارواح۔ ظاہر ہے کہ یہ احکام ارواح پر بدنوں سے الگ ہونے کے بعد لاحق ہوتے ہیں۔ اسی سورت کے آغاز میں ارواح کے حشر کے روز والے احوال بتائے گئے ہیں۔ یعنی پہلی سورت میں قیامت کبریٰ کے بعد والے حالات میں اور آخر سورت میں قیامت صغریٰ کے بعد والے حالات ہیں۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ[۲] الخ اے مطمئن روح اپنے رب کی طرف راضی خوشی لوٹ۔ رب بھی تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں میں شامل ہو کر میری اُمت میں داخل ہو جا۔ اس آیہ شریفہ میں اکثر صحابہ کرام اور تابعین کرام کا قول ہے کہ ارواح سے یہ خطاب موت کے وقت کیا جاتا ہے جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہوتی ہیں۔ اس وقت ملائکہ انھیں بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جنھوں نے یہ خطاب آخرت کا خطاب بتایا ہے۔ ان کا قول بھی اس کے خلاف نہیں کیونکہ بشارت موت کے وقت بھی دی جاتی ہے اور قبروں سے اُٹھتے وقت بھی اور آخرت میں بھی دی جائے گی۔ یہ وہی خوشخبری ہے جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ الخ جنھوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر لیا پھر اس پر قائم رہے تو ملائکہ ان پر نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ڈرو نہیں اور نہ ہی صدمہ کیجئے۔ اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا تھا۔ یہ خوشخبری قبر میں موت کے وقت اور موت کی زندگی کے بعد دی جاتی ہے۔

روایاتِ مختلفہ کا اسلوب: براء بن عازب والی حدیث میں گزر چکا کہ فرشتہ رُوح قبض کرتے وقت اس سے کہتا ہے کہ جنت کی ٹھنڈی ہوا اور روزی سے خوش ہو جا۔

فرمان نبوی میں حکمت: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی رُوح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں کھاتی پیتی ہے جب تک کہ اللہ اسے قیامت کے روز اس کے جسم میں نہ لوٹا دے۔ یہاں نسمۃ سے مراد رُوح ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کے یہ الفاظ حتیٰ یرجعہ اللہ الی جسدہ دلالت کر رہے ہیں۔ بعض کے نزدیک نسمۃ انسان کا مترادف لفظ ہے۔ رُوح کو نسمۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کی جسمانی زندگی رُوح پر موقوف ہے۔ اس کی دلیل کہ

نسمہ انسان ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے من اعتق نسمۃ مومنۃ جس نے کسی مسلمان انسان کو آزاد کیا۔ اور حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی والذی فلق الحبۃ وبرء النسمۃ اس کی قسم جس نے دانہ اگایا اور انسان پیدا کیا اور ایک شاعر نے کہا اذا النسمات نفضن الغبار جب انسان مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے اٹھ کر چلے ہوں گے۔ خلیل کے نزدیک نسمہ انسان کو بھی کہتے ہیں اور روح کو بھی اور نسیم ہوا کے چلنے کو۔ تعلق یہ لفظ لام کے زبر اور پیش دونوں طرح سے منقول ہے۔ مگر معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی کھانا اور چرنا۔ یعنی روح بہشت کے درختوں کے پھل کھاتی ہے۔ اور بہشت میں چگتی پھرتی ہے۔ علوقہ اور علق کھانا اور چرنا محاورہ ہے۔ ما ذاق الیوم علوقا یعنی آج اس نے کھانا نہیں کھایا میں کہتا ہوں اسی سے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول انما یاکلن العلقۃ من الطعام۔ یعنی اس وقت عورتوں کو تھوڑا سا کھانا ملتا تھا۔ یہ لفظ تعلق سے نکلا ہے۔ یعنی وہ جو غذا سے نفس و دل کو متعلق کر دے۔ اس حدیث کی رو سے بعض علماء کا قول ہے کہ مومنین کی ارواح بہشت میں رہتی ہیں خواہ شہید ہوں یا نہ ہوں۔ بشرطیکہ کوئی بڑا گناہ۔ یا قرض انہیں جنت سے نہ روکے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے اپنی مہربانی اور معافی سے پیش آتا ہے۔

صبح و شام ٹھکانا پیش کیا جاتا — ابن عمرو اور حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ارواح مومنین علیین میں اور ارواح کفار سجین میں رہتی ہیں۔ ابو عمرو کہتے ہیں کہ مگر اس قول سے حدیث ٹکراتی ہے کہ بعد از موت مردے پر اس کا بہشتی یا دوزخی ٹھکانا صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔ اور قیامت تک پیش کیا جاتا ہے اور قیامت تک پیش کیا جاتا رہے گا۔

علماء کی نظر میں :- بعض علماء کے نزدیک حدیث کا یہ مطلب ہے کہ عام مومنین کی نہیں بلکہ شہداء کی ارواح بہشت میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن و حدیث

سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا تحسبن الذین قتلوا الخ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور انھیں ان کے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے۔ اور وہ اللہ کے عطا کیے ہوئے فضل سے خوش ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ

شہداء کا صبح و شام بہشت میں آنا جانا۔ شہداء کرام صبح و شام جنت میں آتے جاتے ہیں اور عرش سے لٹکی ہوئی قندیلوں میں ان کا ٹھکانا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ میں نے جو تمھیں عزت دے رکھی ہے کیا تمھارے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی عزت ہے۔ کہتے ہیں، نہیں۔ ہاں ہماری یہ تمنا ہے کہ ہماری ارواح ہمارے اجسام میں لوٹا دی جائیں تاکہ ہم پھر تیری راہ میں شہید ہوں۔

جب اُحد کے روز تمھارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ رحیم و کریم نے

اُحد کا فلسفہ۔ ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھیں وہ جنت کی انہار پر آتی ہیں اور بہشت کے پھل کھاتی ہیں اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ جب انھوں نے اپنا عمدہ کھانا پینا اور رہائش گاہ دیکھی تو تمنا کی کہ ہمارے بھائیوں کو بھی خبر ہو جاتی کہ ہم بہشت میں زندہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں تاکہ وہ جہاد سے نہ رکتے۔ ارشاد باری ہوا میں تمھارا پیغام پہنچا دیتا ہوں چنانچہ آیۂ کریمہ ولا تحسبن الذین۔ الخ نازل کی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تصدیق۔ اس آیہ شریفہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو کہا کہ ہم نے بھی اس کے متعلق دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ شہداء کرام کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں۔ پھر قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ ایک مرتبہ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے انھیں جھانک

کر دیکھا اور دریافت کیا کچھ خواہش ہے؟ بولیں بہشت میں سب کچھ ہے اور کیا خواہش ہو مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بار بار یہی سوال کیا جب انہوں نے دیکھا کہ جواب کے بغیر چارہ نہیں تو بولیں اے ہمارے پروردگار ہم چاہتی ہیں کہ ہمیں پھر ہمارے اجسام میں لوٹا دیا جائے تاکہ پھر تیری راہ میں شہید ہوں۔ پھر جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے دیکھا کہ ان کی کوئی خواہش نہیں تو انہیں چھوڑ دیا۔

حارثہ کی خوشخبری:۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ بن سراقہ کی والدہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ آپ مجھے حارثہ کے بارے میں بتایئے۔ اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی ورنہ جتنا مجھ سے رویا گیا میں روؤں گی۔ ارشاد نبوی ہوا کہ اے حارثہ کی والدہ کئی قسم کی جنتیں ہیں اور تیرا لخت جگر جنت الفردوس میں ہے۔ جو سب سے اعلیٰ ہے۔

ارواح صحابہ کرام کی نظر میں:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں متحرک ہیں اور بہشتی پھل کھاتی پیتی ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ ارواح شہداء سفید پرندوں کی شکلوں میں ہیں اور بہشتی پھل کھاتی ہیں۔ ابن عمرو کا بیان ہے کہ ارواح شہداء چڑیا سے کچھ بڑے پرندوں میں ہیں جن میں آپس میں جان پہچان بھی ہے اور بہشتی پھل کھاتی ہیں۔

ابو عمرو کا فلسفہ:۔ ابو عمرو کہتے ہیں کہ مذکورہ تمام آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید عام مومنین کی طرح نہیں ہیں اور ان کا مقام بہشت ہے۔ پھر کسی اثر میں تو پرندوں کی طرح اشکال ہیں، کسی میں پرندوں کے پیٹ آتے ہیں اور کسی میں سبز پرندے آئے ہیں۔ میرے خیال میں تو اس کا قول زیادہ معتبر ہے جس نے پرندوں کی شکلیں بتائی ہیں۔ کیونکہ یہ ہماری مذکورہ بالا حضرت کعب والی روایت کے مطابق ہے جس

میں ہے کہ رُوحِ مومن پرندوں کے پیٹ میں ہے۔ بعض روایات میں ہے سبز پرندے کی طرح آیا ہے۔ مگر صحیح مسلم میں سبز پرندوں کے پیٹوں میں آیا ہے۔

ارشادِ نبوی آئینہ خودی:۔ اس صورت میں گویا حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ شہید مومن کی رُوح ایک پرندہ ہے جو بہشت کے پھل کھاتا ہے۔

اقوال میں تضاد:۔ میرے خیال میں قول ہٰذا میں اور اُس قول میں کہ مرنے کے بعد مردے پر صبح و شام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے کوئی ٹکراؤ نہیں۔ یہ پیشی بھی مومن اور شہید دونوں کو شامل ہے اور بہشت میں رہنا سہنا بھی دونوں کو شامل ہے کیونکہ شہید کی بہشتی منزل جو خاص اسی لیے تیار کی گئی ہے۔ اس میں تو وہ بروز حشر داخل ہوگا۔ کیونکہ شہداء کے محل وہ قندیلیں نہیں ہیں جن میں برزخ میں ان کی ارواح رہتی ہیں۔

ارواحِ مومنین:۔ پس عام مومنین کی ارواح شہید کی ارواح بھی ان قندیلوں سے اپنے بہشتی ٹھکانے ہر روز صبح اور شام دیکھتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اصل گھر تو قیامت کے روز ملیں گے۔ برزخ میں نہیں۔ اس کی نظیر بدبخت ہیں کہ ان پر صبح اور شام دوزخ پیش کی جاتی ہے پھر محشر کے روز یہ اس میں داخل ہو جائیں گے جو برزخ میں پیش کی جاتی رہی۔

ماحصل:۔ معلوم ہوا کہ جنت میں عالم برزخ میں ارواح کا آرام و چین اور ہے اور محشر کے روز دونوں کے ساتھ بہشت میں اپنے گھروں میں جانا اور ہے۔ برزخ میں جو رُوح کو غذا ملتی ہے وہ اس غذا سے کم ہے جو زندگی بعد الموت کے بعد بہشت میں بدنوں کے ساتھ ملے گی۔ اسی سبب سے فرمایا تعلق فی شجر الجنۃ یعنی بہت کم غذا ملتی ہے۔ پورا پورا سکون اور راحت و سرور قیامت کے روز بدنوں کے ساتھ نصیب ہوگا۔

معلوم ہوا کہ ان دونوں احادیث میں ٹکراؤ نہیں

احادیث میں موافقت :۔ بلکہ موافقت ہے۔ جن کا یہ کہنا ہے کہ حضرت کعب والی حدیث خاص شہداء کے بارے میں غلط ہے کیونکہ الفاظ سے تو خصوصیت نکلتی ہے۔ یعنی عام لفظ کو اس کے کم سے کم افراد پر محمول کرنا حدیث کے الفاظ سے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ شہداء مومنین کی نسبت سے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ اجر اور صفت ایمان کی شرط سے وابستہ فرمائی ہے۔ صفت شہادت سے نہیں۔ دیکھئے نہیں جو حکم شہداء کے ساتھ خاص ہے اسے صفت شہادت پر معلق کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مقدام بن معدیکرب والی حدیث میں ہے کہ اللہ کے نزدیک شہید کی چھ خصلتیں ہیں۔ خون کے پہلے قطرے پر اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اسے اس کا جنتی ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے۔ اس پر ایمان کا زیور سجا دیا جاتا ہے۔ اس کے سر پر وقار کا تاج رکھ دیا جاتا ہے جس کا ایک ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتا ہے۔ اس کا بہتر بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے نکاح پڑھا دیا جاتا ہے اور اس کے ستر عزیزوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول ہو جاتی ہے۔ یہ شہید کی خصوصیات ہیں اسی لیے فرمایا ان للشہید یہ نہیں فرمایا ان للمومن۔ اسی طرح قیس الجذامی والی حدیث میں ہے کہ شہید کو چھ خصلتیں دی گئی ہیں۔ اسی طرح وہ تمام احادیث اور آیات ہیں جن میں جزاء شہادت پر معلق رکھی گئی ہیں۔ لیکن وہ آیات یا احادیث جن میں جزا ایمان پر معلق کی گئی ہے تمام مومنین کو شامل ہیں۔ خواہ وہ شہید ہوں یا غیر شہید ہوں۔ رہے وہ آثار جو خصوص جو شہداء کے رزق میں اور جنت میں ان ارواح کے رہنے کے بارے میں آتے ہیں سب درست ہیں۔ مگر ان سے جنت میں مومنین کی ارواح کے رہنے کی نفی لازم نہیں آتی۔ خاص طور پر صدیقین کے رہنے کی جو متفق طور پر شہداء سے افضل ہیں۔ پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ صدیقین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ بہشت میں ہیں یا نہیں۔

اگر جواب ثبوت میں دیں اور یہی دیں گے ۔ تو معلوم ہوا کہ آثار و نصوص میں شہداء کی خصوصیت نہیں۔ اور اگر نفی میں جواب دیں تو لازم آئے گا کہ جلیل القدر صحابہ کرام کی ارواح جیسے حضرت ابوبکر و عمر، ابن مسعود، ابوالدرداء اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ارواح بہشت میں نہیں اور ہمارے عہد کے شہداء کی ارواح جنت میں ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ حکم شہداء کے لیے خاص نہیں تو پھر ان آثار و نصوص میں خصوصاً شہداء کا کیوں ذکر کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر سے شہادت کی فضیلت اور شہداء کے اعلیٰ مقام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف بھی کہ شہداء کے لیے اس ثواب کی ضمانت ہے اور انھیں ثواب کا ایک بہت بڑا حصہ نصیب ہوگا۔

گویا اس برزخی ثواب میں شہداء کا بہ نسبت غیر

شہداء کے لیے اجر عظیم

شہداء کے بڑا حصہ ہے اگرچہ کسی غیر شہید کا ان سے آخرت میں اعلیٰ درجہ ہو۔ اور اس درجہ میں کوئی اس کا شریک نہ ہو۔ دیکھیے شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھی ہیں۔ کیونکہ اللہ کی راہ میں ان کے جسم ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے عوض اللہ کریم نے انھیں برزخ میں اعلیٰ قسم کے جسم دے دیئے جن میں وہ محشر تک رہیں گی۔ اور ان اجسام کے ذریعہ انھیں بہ نسبت اُن ارواح کے آرام کے جن کو ایسے جسم نہیں ملے، بہت زیادہ آرام ملے گا۔ اسی وجہ سے فرمایا کہ مومن کی رُوح پرندے کی صورت میں یا پرندے کی طرح ہے۔ یہ لفظ شہید غیر شہید سب کو شامل ہے۔ پھر شہید کو ان الفاظ سے خاص کیا کہ ان کی رُوح پرندے کے پیٹ میں ہے۔ یہ بات بدیہی ہے کہ جب رُوح پرندے کے پیٹ میں ہوگی تو اس پر پرند کا لفظ صادق آئے گا۔ سبحان اللہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے الفاظ بھی ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ کے پاس سے ہیں۔ اور یہ دونوں روایات صحیح ہیں۔

حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ثواب کا حصول عجیب انداز میں :- شہید بہشت کے دروازے والی نہر کے
کنارے پر سبز گنبد میں ہوں گے اور ان کا رزق صبح و شام انھیں جنت سے ملتا رہے گا۔
اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جنت میں نہ ہوں۔ کیونکہ یہ نہر جو جنت کے دروازے
پر ہے جنت ہی سے آتی ہے۔ اسی نہر کے کنارے پر ان کے محلات ہوں گے اور جنت
میں روزی پیدا ہوگی۔ کہتے ہیں کہ جنت کے آخرت والے متوقع محلوں میں نہ ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ مجاہد نے آخرت والے جنتی محلوں کی نفی کی ہے۔ ایسی عبارات کا
ماحصل :- لانا جس سے دونوں میں تمیز ہو جائے بڑا محال ہے۔ مقصد پر دلالت کے
اعتبار سے سب سے زیادہ قابل اعتبار عبارت حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
ہوتی ہے۔ اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کی۔ جب تم ان دونوں عبارات پر غور کرو گے
تو ہدایت حاصل کرو گے اور دوسروں کی عبارات میں دعووں، بیانات اور پریشانی
کے سوا کچھ نہ حاصل ہوگا۔

ام کبشہ بن معرور کا بیان ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
ام کبشہ کا بیان :- ہمارے پاس آئے۔ ہم نے آپ سے ارواح کے متعلق دریافت
کیا۔ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ گھر والوں کو رلا دیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ مومنین کی ارواح
سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں۔ جو بہشت میں چگتے پھرتے ہیں اور اس کے پھل
کھاتے اور پانی پیتے ہیں۔ پھر عرش کے نیچے سونے کے قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں۔
اور کہتے ہیں اے رب ہمارے ہمارے بھائیوں کو بھی ہمارے پاس لے آ۔ اور جس
کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اسے عطا فرما دے۔

اور کفار کی ارواح سیاہ پرندوں کی پوٹوں میں رہتی
ارواح کفار کا حال :- ہیں جو آگ کھاتی پیتی ہیں اور آگ کے بل میں رہتی ہیں۔

اور کہتی ہیں اے ہمارے خدا ہمارے پاس ہمارے بھائی نہ لا۔ اور جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اسے عطا نہ فرما۔

ضمرۃ بن حبیب نے بیان کیا کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے مومنین کی ارواح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سبز پرندوں میں ہیں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چگتی پھرتی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کفار کی ارواح۔ فرمایا وہ سجین میں بند ہیں۔

ارواحِ مومنین:۔ ابن عمرو نے کہا کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا اہل ایمان کی ارواح ازبر پرندوں کی طرح کے سبز پرندوں میں ہیں جو بہشت کے پھل کھاتی ہیں۔

ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ استقبال کرنا:۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے روایت کی کہ جب مومن کی روح کو لے کر ملک الموت آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس روح کا حضرت جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ استقبال کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک فرشتہ نہ صرف خود ہی بلکہ آسمان والے فرشتوں کی طرف سے بھی فرحہ

سناتا ہے۔ ملک الموت عرش کے پاس جا کر سجدے میں گر جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کی روح بے کانٹوں والی بیری میں تہ بہ تہ پھل والے کیلے میں پھیلے ہوئے سائے میں اور بہتے ہوئے پانی میں رکھ دو۔ اس کے لیے پُر فضا سکون وہ جگہ مقرر کر دو۔ جہاں خورد و نوش کا سامان وافر مقدار میں ہو۔

ارواح کا قبر سے تعلق اور لاتعلقی:۔ ارواح کے قبور میں رہنے سے اگر یہ مراد ہے کہ وہاں سے کبھی جدا ہی نہیں ہوتیں تو یہ غلط ہے۔ جیسا کہ تردید قرآن وحدیث سے ہوتی ہے۔ اس کے کچھ

دلائل تو بیان ہو چکے اور کچھ ہم بیان کریں گے۔ انشاء اللہ! اور اگر یہ مراد ہے کہ کبھی قبور میں آ جاتی ہیں یا اپنی حقیقی جگہ پر رہ کر قبروں سے تعلق قائم رکھتی ہیں تو درست ہے مگر اس سے معلوم ہوا کہ قبریں ان کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہیں۔

ابن عبد البر کا قول۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ تم دیکھتے نہیں کہ اس قول پر دلالت کرنے والی احادیث بھی اس قول پر دلالت کرتی ہیں کہ متواتر احادیث سے ابن عمر رضی اللہ عنہما براء بن عازب، انس، جابر اور سلام والی تمام احادیث اور عذاب و ثواب قبر والی تمام احادیث مراد ہیں۔ یہ قول صحیح احادیث سے اور آثار سے ثابت ہے غلط ثابت ہوتا ہے۔ ان کے سب کے سب دلائل سے ارواح کا مستقر بہشت اور رفیق اعلیٰ ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اس سے قبل بیان کیا ہے کہ مردوں پر جنت اور دوزخ پیش کیے جانے سے ارواح کا ہمیشہ قبور میں یا قبور کے پاس رہنا لازم نہیں آتا بلکہ ان کا قبور سے تعلق ثابت ہوتا ہے۔ اسی تعلق پر اس کے ٹھکانے پیش کیے جاتے ہیں کیونکہ روح کا معاملہ ہی الگ ہے۔ وہ رفیق اعلیٰ اور اعلیٰ علیین میں رہتے ہوئے بھی اس حقیقت سے بدن سے متصل ہے کہ جب مردے پر کوئی مسلمان سلام کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر اس کی روح لوٹا دیتا ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے حالانکہ روح ملاء اعلیٰ میں ہے۔ اس پر اکثر لوگوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ جسم کی طرح بیک وقت دو مکانات میں روح کا پایا جانا ناممکن ہے۔ مگر یہ فریب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا۔ یاد رہے کہ روح آسمانوں پر یا اعلیٰ علیین میں ہونے کے باوجود بھی قبر میں آ کر سلام کا جواب دیتی ہے اور سلام کرنے والے کو جانتی ہے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی روح مبارک دائمی طور پر رفیق اعلیٰ

میں رہتی ہے لیکن قبر میں سوال کرنے والوں کے سلام سُن کر ان کے جواب دیتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور انہیں چھٹے آسمان پر بھی دیکھا گیا۔ اس صورت میں یا تو رُوح انتہائی سریع الحرکت ہے کہ پلک جھپکنے میں ہزاروں سال کی مسافت طے کر لیتی ہے۔ یا اس کا قبر سے اور اس کے ماحول سے تعلق قائم رہتا ہے جیسا کہ سورج آسمان میں ہے مگر کرنوں کے ذریعہ زمین سے بھی اس کا تعلق ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سونے والے کی رُوح ذرا سی دیر میں ساتوں آسمانوں کی مسافت طے کر کے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ کرتی ہے اور کھڑی ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ فرشتے اسے اس کے لیے جنت میں جو نعمتیں تیار ہیں انھیں دکھاتے ہیں۔ پھر رُوح اُتر کر تجہیز و تکفین میں شامل ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ ابن عباس والی حدیث میں اس کی صراحت آ گئی

صراحتِ حدیث: ہے کہ تجہیز و تکفین کی معمولی سی مدت میں فرشتے رُوح کو اُتار کر لاتے ہیں اور اس کے جسم کے ساتھ کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان

قبر سے قرأت کا سُنا جانا: کیا کہ میں ایک مرتبہ غابہ میں اپنے کھیتوں پر گیا۔ وہاں رات ہو گئی۔ بالآخر حضرت عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس ٹھہر گیا میں نے قبر سے قرأت کی آواز سُنی۔ اس سے بہتر قرأت کبھی نہیں سُنی تھی۔ پھر میں نے یہ واقعہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں بیان کیا تو آپ نے فرمایا یہ عبد اللہ ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اُرواح کو قبض کر کے یاقوت و زبرجد کی قندیلوں میں رکھ کر انھیں بہشت کے مابین لٹکا دیا ہے۔ رات کو اَرواح آتی ہیں اور صبح کو چلی جاتی ہیں۔

ارواح کا دور و نزدیک سے آنا

مذکورہ حدیث میں ارواح کی سرعت حرکت کی صراحت ہے کہ وہ ذرا سی دیر میں عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک پہنچ جاتی ہیں۔ اسی سبب سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ارواح چھوڑی ہوئی ہیں جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہے۔ عوام بھی خواب میں مُردوں کی ارواح سے ملاقات کر لیتے ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کرتے کہ یہ بہت دُور سے آئی ہیں۔ اہل قبور پر سلام و خطاب سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ارواح جنت میں نہ ہوں اور قبر کے پاس ہوں۔

ارواح کا قبر میں ہونا لازم و ملزوم نہیں

غور کیجیے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مقدسہ اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی شہیدوں کی ارواح بہشت میں ہیں۔ حالانکہ دوسروں کی طرح ان پر بھی سلام کیا جاتا ہے جیسا کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل قبور کو سلام کرنے کے بارے میں کہا۔

شہدائے اُحد پر صحابہ کا سلام کہنا

یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شہدائے اُحد پر سلام کیا کرتے تھے حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شہدائے کرام کی ارواح بہشت میں جہاں چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں۔ شاید تم یہ کہو کہ یہ کس قدر عجیب و غریب بات ہے کہ رُوح بہشت میں بھی ہو اور قبر پر سلام کرنے والوں کے سلام بھی سُنے اور پھر اُن کا جواب بھی دے۔

ارواح میں حکمت عجوبہ

اس کا جواب یہ ہے کہ ارواح کا اجسام پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ دیکھیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین کو دیکھا کہ ان کے سات سو پر ہیں۔ اور ان میں سے دو پروں نے

مغرب اور مشرق کا پورا فاصلہ بھر رکھا ہے۔ یہ وہی جبرائیل ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آکر دو زانو بیٹھ جاتے ہیں اور تھوڑی جگہ میں سما جاتے ہیں۔ دیکھئے آپ ملاء اعلیٰ میں اپنی جگہ پر بھی ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بھی۔ اگر یہ بات تمہاری عقلوں میں نہ آئے تو اللہ رحیم وکریم نے ایسے دل پیدا کیے ہیں جو اس کی تصدیق کرتے اور اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ بات جس کے دل میں نہ سمائے وہ اس بات پر بھی ایمان نہیں لائے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر روز رات کے پچھلے حصے میں آسمانِ دنیوی پر اُترکر آتا ہے۔ کیونکہ وہ آسمانوں کے اُوپر عرش پر ہے۔ کبھی اس کے اُوپر کوئی چیز نہیں نہیں ہو سکتی۔

نزولات بر نزولات:۔ اللہ ہر چیز سے بلند وبالا ہے اور علو اس کی ذاتی صفت ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ عرفہ کے روز زوال کے بعد موقف والوں سے قریب ہوتا ہے۔ اسی طرح بروز محشر مخلوق کے حساب کے لیے آئے گا اور زمین اس کے نُور سے جگمگائے گی۔ اسی طرح اُس وقت آیا تھا جب زمین بچھائی اور درست کی اور اسے پھیلا کر اور بچھا کر ٹھیک اور درست کیا اور اُسے مقاصد کے لیے تیار کیا۔ اسی طرح محشر کے روز آئے گا۔ جب روئے زمین پر کوئی شخص باقی نہ رہے گا جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ آپ کا پروردگار زمین پر چلے پھرے گا۔ اور شہر خالی پڑے ہوں گے۔ دیکھئے اور غور کیجئے کہ رب کریم غفور ورحیم بیک وقت زمین پر بھی ہوگا اور عرش پر بھی ہوگا۔ قرآن کہتا ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔

ارواح کی صورتِ مختلفہ:۔ جاننا چاہیئے کہ مختلف صفات کے اعتبار سے ارواح میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی روح بڑی طاقت والی اور بہت بڑی ہے اور کوئی رُوح اس سے بھی کم ہے۔ لہٰذا چھوٹی بڑی روح

کا جو حال ہو گا وہ اس سے کم عالی کا نہ ہو گا۔ تم دنیا میں بھی اَرواح کے احکام میں خاصا فرق محسوس کرتے ہو۔ ان کی کیفیات و قویٰ میں ان کی تیزی اور سستی میں اور ان کی امداد و اعانت میں بڑا فرق محسوس کرتے ہو۔ پھر جو رُوح بدن کی قید سے اور اس کی آلائشوں سے آزاد ہو گئی۔ اسے جو تصرف و قوت، ہمت و حوصلہ اور سرعت پرواز اور واسطہ کا حصول ہو گا وہ اس رُوح کو حاصل نہ ہو گا جو قیدی ہو۔ جسمانی آلائشوں میں لتھڑی ہوئی ہو اور بدنی رکاوٹوں سے گھری ہوئی ہو۔ پھر جب حالت قید میں اَرواح کے احوال میں فرق ہے تو آزادی کے بعد تو جدا گانہ ہی حال ہو گا۔ جب کہ ان میں ان کے قویٰ جمع ہوں گے۔ اور اپنی اصلی حالت میں ہوں اور عالی ہمت والی ہوں گی۔

اَرواح کے عجوبہ کارنامے: یاد رہے کہ بعد از موت اَرواح کے افعال کے بارے میں ہر طبقے کے لوگوں میں بے شمار خواب ہیں کہ ان سے ایسے ایسے پاک اور بلند افعال ظہور میں آتے ہیں۔ جو بدن میں رہ کر ظہور میں نہیں آسکتے تھے۔ مثلاً تن تنہا ایک یا دو یا چند اَرواح لشکرِ جرّار کو شکست دے دیتی ہیں۔ کئی مرتبہ لوگوں نے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کو خواب میں دیکھا کہ اَرواح نے کفار اور ظالمین کے لشکروں کو شکست دے دی۔ پھر اس کا ظہور بھی ہوا کہ ٹڈی دل لشکر، نہتے، کمزور اور تھوڑے سے مسلمانوں سے شکست بھی کھا گیا۔ یہ حیرانی کی بات نہیں تو اور کیا ہے کہ دو مسلمان دوستوں کی اَرواح خواب میں ملاقات کرتی ہیں۔ حالانکہ دونوں میں زیادہ سے زیادہ مسافت ہوتی ہے

جسمانی ملاقات کا راز: بعض اَرواح کو دکھ بھی پہنچتا ہے اور پہچانتی بھی ہیں کہ ہم دوست ہیں حالانکہ ان کی جسمانی ملاقات بھی نہیں ہوتی۔ پھر جب دونوں کی جسمانی ملاقات ہوتی ہے تو جو کچھ خواب میں دیکھا تھا بعینہٖ اس

کے مطابق ہوتا ہے۔ ابن عمرو کا بیان ہے کہ ارواح مومنین ایک روز کی مسافت سے
ملاقات کر لیتی ہیں حالانکہ کسی نے کسی کو دیکھا بھی نہیں ہوتا۔ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے کہ سونے
کی حالت میں روحِ حقیقی تو جسم میں ہی رہتی ہے۔ تاہم اس کی پرواز سے دُور تک ہوتی ہے
اور جب جسم میں آجاتی ہے تو انسان بیدار ہو جاتا ہے۔ جیسے آفتاب کی کرنیں جو آفتاب سے
نکلتی ہیں تو زمین تک پہنچ جاتی ہیں۔ اصل کرنیں تو سورج میں ہی ہیں تاہم ان کی پرواز
بہت دُور تک پہنچ جاتی ہے۔

ارواح کی پرواز کا فلسفہ تجزیہ

بعض علمائے کرام کا قول ہے کہ رُوح ناک کے راستے اپنی روشنی پھیلاتی ہے لیکن اس
کی سواری جسم ہی رہتا ہے۔ اگر پوری طرح سے نکل جائے تو انسان مر جائے۔ جس طرح کہ
چراغ سے بتی نکال لی جائے تو کما حقہٗ گل ہو جاتا ہے۔ اس کے اُلٹ اگر چراغ میں
بتی روشن ہے تو اس کی روشنی دُور دُور تک پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح رُوح نیند کی حالت
میں ناک کی راہ سے پھیل کر دُور دُور تک گھوم آتی ہے اور مُردوں کی ارواح سے بھی
ملاقات کر آتی ہے۔ اگر فرشتہ جو خوابوں پر مؤکل ہے اسے کوئی شے دکھا دیتا ہے اور
یہ شخص بیداری کی حالت میں ہوشیار رہتا ہے اور بیداری کی حالت میں کسی غلط بات
کی طرف راغب نہیں ہوتا تو جب اس کی طرف رُوح لوٹ کر آتی ہے تو رُوح اس
کے دل میں وہ بات ڈال دیتی ہے جو اللہ نے اس کی صلاحیت کے مطابق دکھائی ہے۔
لیکن اگر بیوقوف دھوکے میں آجانے والا اور باطل پسند ہوتا ہے تو خواب میں بحکم الٰہی جو
جو کچھ اچھی یا بری بات دیکھتا ہے تو چونکہ اس نے کچھ شیطانی کرشمے اور غلط باتیں بھی
راہ میں دیکھی ہیں اس لیے بیداری پر ذہن میں صحیح خواب نہیں رہتا۔ کیونکہ غلط اور
صحیح میں فساد پیدا ہو گیا ہے اور قوت فیصلہ نہیں ہے۔ اسی سبب سے پریشان خواب
کی تعبیر بتانے والے بھی قاصر رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بہترین قول ہے اور اس کا قائل اَرواح اور احکام

لازوال مثال:۔ اَرواح کی معرفت و بصیرت والا ہے۔ ایک شخص علم و حکمت کی طرف رجوع نہیں کرتا اور اس سے نفع حاصل نہیں کرتا۔ لیکن اگر شیطانی لہو و لعب گانا بجانا رنگ راج یا غلط باتیں اس کے کان میں پڑ جاتی ہیں تو وہ ان کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور انھیں قبول کر لیتا ہے اور وہ اس کے دل و دماغ میں گھر کر لیتی ہیں جس کے نتیجے میں دانائی کی باتوں میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور اچھے بُرے میں تمیز نہیں رہتی۔ ایسے ہی نیند میں اَرواح کی حالت ہے۔ لیکن جسموں سے سراسر الگ ہونے کے بعد روحوں کو ان باطل عقائد اور شبہات پر جو تعلقات جسموں کی حالت میں ان کا حصہ بن چکے تھے، عذاب ہوتا ہے۔ اور ان ارادوں اور خواہشات پر بھی جو حاصل ہو گئے تھے۔ اور ان اعمال پر بھی جن میں رُوح و جسم کے ساتھ شریک رہی۔ یہی برزخ کی تنگ روزی اور تنگ زندگی ہے چونکہ پاکیزہ، عالی حوصلہ اور حق پسند رُوح باطل پسند نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے کبھی مانوس ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے درست عقیدوں، اعتقاد اور علوم و معارف کے سبب جو اس نے موت کے چراغ سے حاصل کر لیے ہیں اور اپنے اَرفع ارادوں اور پاکیزہ حوصلوں سے سکون پاتی ہے۔ یہی عمل اس کے لیے برزخ میں جنت کا باغیچہ اور اس کے لیے دوزخ کا گڑھا بن جاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے بل احیاء عند ربھم یرزقون

تبصرۂ اَرواح:۔ بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور روزی کھاتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُرنور شافع یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والثناء نے فرمایا بعد از موت رُوح کو آسمان پر لے جاتے ہیں حتیٰ کہ اس آسمان پر پہنچ جاتی ہے جہاں رب تعالیٰ ہے لیکن رُوحِ بد کے لیے پہلے

آسمان کے بھی دروازے نہیں کھولے جاتے اور وہیں سے پٹخ دی جاتی ہے۔ پھر وہ قبر میں آتی ہے۔

خوشبو کا نکلنا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب مومن کی رُوح بدن سے باہر نکلتی ہے تو فرشتے اُسے لے کر پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ آسمان والے دریافت کرتے ہیں یہ کیا ہے؟ لانے والے جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں ہیں اور یہ ایسے ایسے عمل کیا کرتے تھے یہ سُن کر آسمان والے لانے والے فرشتے اور روح کا استقبال کرتے ہیں اور ان سے روح لے لیتے ہیں۔ آسمان کے جس دروازے سے عمل چڑھا کرتا تھا اسی دروازے سے رُوح چڑھتی ہے اور آسمانوں میں سورج کی طرح جگمگاتی ہوئی چڑھتی ہے حتیٰ کہ عرش تک پہنچ جاتی ہے۔ اور ایسی رُوح کے بدن سے نکلتے ہی مشک سے زیادہ پیاری خوشبو نکلتی ہے۔

فرشتوں کی بیزاری۔ کافر کی رُوح بھی پہلے آسمان کے قریب تک پہنچتی ہے تو آسمان والے دریافت کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے۔ لانے والے کہتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں کے بیٹے ہیں اور یہ ایسے ایسے گندے عمل کیا کرتا تھا۔ فرشتے بیزار ہو کر اسے اُلٹے ہاتھ دھکا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے لے جاؤ۔ پھر وہ تحت الثریٰ تک پہنچا دی جاتی ہے۔

ارواح کا اجسام میں جانا۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ارواح بارگاہِ الٰہی میں ٹھہری ہوئی ہیں اور اپنے اپنے جسم میں جانے کی منتظر ہیں جب تک کہ دوسرے دو صوروں کے بعد ان میں نہ چلی جائیں۔

حضرت ابن زبیر کی لاش کا لٹکنا۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں گئے۔ دیکھا کہ وہاں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش لٹکی ہوئی ہے۔ آپ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو تسلی و تشفی دی اور فرمایا صبر کیجئے اور تقویٰ کی راہ اختیار کیجئے۔ یہ جسم کچھ نہیں۔ اصل روحیں تو بارگاہِ الٰہی میں ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا میں ہر طرح سے صابر ہوں۔ یاد رہے کہ حضرت یحییٰ کا سر ایک اسرائیلی فاحشہ کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔

ہلال بن یساف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم

مقامات کی شناخت کا راز:۔ کعب، ربیع بن خثیم، خالد بن عمرة اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے۔ کعب نے کہا یہ تمہارے چچازاد بھائی آ رہے ہیں۔ آپ نے انہیں جگہ دی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں نے تمام قرآن سمجھ لیا ہے۔ بس چار جگہ سے سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ چار مقامات مجھے سمجھا دیجئے۔ پہلا مقام یہ کہ سجین کیا ہے۔ دوسرا مقام یہ کہ علیین کیا ہے؟ تیسرا مقام یہ کہ سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ چوتھا مقام یہ کہ ورفعناہ مکانا علیا کیا ہے؟ فرمایا علیین تو ساتواں آسمان ہے جس میں ارواحِ مومنین ہیں۔ اور سجین ساتویں زمین کے نیچے والا طبقہ ہے۔ کفار کی ارواح ابلیس کے لشکر کے نیچے ہیں۔ اور آیۂ مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ میں ہر روز تمام انسانوں کے اعمال کے مساوی تمہارے عمل اٹھاتا ہوں۔ آپ نے اپنے ایک دوست فرشتے سے درخواست کی کہ موت کے فرشتے سے کہیں کہ مجھے تھوڑی سی مہلت دیں تاکہ عمل کا اور موقع مل جائے۔ بالآخر فرشتہ آپ کو اپنی پشت پر بٹھا کر اڑ گیا۔ جب آسمان چہارم پر پہنچا تو موت کے فرشتے نے پوچھا وہ کہاں ہیں۔ فرشتے نے کہا میری پشت پر ہیں۔ موت کے فرشتے نے کہا میں حیران تھا کیونکہ مجھے حکم ہوا تھا کہ ان کی روح کو چوتھے آسمان پر قبض کر لوں

سدرۃ المنتہیٰ ایک بیری کا درخت ہے جو عرش اٹھانے والے فرشتوں کے سروں پر ہے۔ یہی مخلوق کے علم کی انتہا ہے۔ اس کے ماوریٰ کا کسی کو علم نہیں۔ اسی لیے اسے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں۔

علیون کی حقیقت کا انکشاف: ضحاک نے بیان کیا کہ روح قبض کیے جانے کے بعد مومن کی روح دنیوی آسمان تک پہنچانے کے لیے جاتے ہیں

چڑھائی جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک پہنچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح ساتوں آسمانوں سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتی ہے۔ دریافت کیا گیا کہ سدرۃ المنتہیٰ کیوں کہتے ہیں فرمایا اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی حکم اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ فرشتے کہتے ہیں اے پروردگار یہ تیرا فلاں بندہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مہر لگی ہوئی دستاویز بھیجتا ہے جو اسے عذاب سے محفوظ رکھتی ہے۔ اسی کی طرف اس آیۂ کریم کلا ان کتاب الابرار الخ ہرگز نہیں نیکوں کے اعمال نامے علیین میں ہیں تمہیں کیا معلوم ہے کہ علیون کیا ہے؟ علیون ایک مہری مہر لگی تحریر ہے جس پر مقرب ملائکہ کی گواہی ثبت ہے، میں اشارہ ہے۔

ماحصل: یہ قول بہشت والے قول کے خلاف نہیں ہے کیونکہ بہشت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی ہے اور اللہ کے پاس بھی۔ گویا اس کے قائل نے یہ قول زیادہ موافق اور زیادہ سلامتی والا دیکھا۔ کیونکہ اللہ نے بتایا ہے کہ شہداء کی ارواح اس کے پاس ہیں۔ اور حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے یہ بتایا کہ وہ ارواح بہشت میں جہاں چاہتی ہیں گھومتی پھرتی ہیں۔

ارواح پر تبصرہ: ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ رافضیوں کا قول ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے غلط ہے کیونکہ اہل سنت وجماعت کی ایک جماعت

کا بھی یہی قول ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین کرام کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ارواحِ مومنین جابیہ میں جمع ہوتی ہیں اور ارواحِ کفار حضرموت کی شوریلی زمین میں جسے برہوت کہتے ہیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ ابن عمرو کے پاس جمع ہیں اور ان سے مسائل دریافت کر رہے ہیں۔ ایک شخص سے کہا کہ ان سے جا کر دریافت کیجئے کہ مومنین اور کفار کی ارواح کہاں ہیں۔ بالآخر اس نے پوچھا تو فرمایا کہ جابیہ اور برہوت میں ہیں۔

اچھے بُرے کا انکشاف: حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ روئے زمین پر سب سے اچھا کنواں زمزم ہے اور بدترین کنواں برہوت ہے اور زمین کا بہترین علاقہ مکہ شریف ہے اور ہند کا وہ علاقہ ہے جہاں حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام اُتارے گئے تھے اسی علاقہ سے تمہاری خوشبو آتی ہے اور بدترین علاقہ احقاف ہے جو حضرموت میں ہے اور جہاں ارواحِ کفار لوٹائی جاتی ہیں۔

برہوت کیا ہے؟: حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ روئے زمین کی سب سے بڑی جگہ حضرموت کی دلوی ہے جسے برہوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جہاں کفار کی ارواح ہیں اور وہاں ایک کنواں ہے جس کا پانی دن میں پیپ کی طرح سیاہ معلوم ہوتا ہے اور اس میں حشرات الارض جمع رہتے ہیں۔

ایک موکل کا انکشاف: ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے برہوت کی وادی میں ایک رات گزاری۔ میں نے وہاں مختلف قسم کی آوازیں سنیں جیسے لوگ پکار رہے ہیں اے دومتہ اے دومتہ۔ کسی اہل کتاب نے بتایا کہ دومتہ وہ فرشتہ ہے جو کفار کی ارواح پر موکل ہے۔

سفیان کا قول ہے کہ ہم نے حضرمیوں سے سُنا کہ برہوت کی وادی میں کوئی شخص

رات بسر نہیں کر سکتا۔

جابیہ سے مُرادی حصول:

اگر جابیہ سے مُراد تمثیل ہے کہ اَرواح اپنی ایسی وسیع جگہ پر جمع ہیں جو اپنی وسعت اور ہوا کی پاکیزگی میں جابیہ کے مانند ہے تو بہتر اور اگر خاص جابیہ کی جگہ مراد ہے تو اس کا علم شریعت ہی ہو سکتا ہے۔ شاید اُنھوں نے اہلِ کتاب سے یہ بات سماعت کی ہو۔

مسکنِ اَرواح کا ایک انوکھا انکشاف:

اگر اس سے یہ مراد ہے کہ آیت مبارکہ کا یہی مطلب ہے تو صحیح نہیں ہے غلط ہے کیونکہ آیۂ کریمہ کی تفسیر میں ابن عباس اور اکثر علمائے تفسیر نے اَرض سے جنت کی زمین مُراد لی ہے۔ ابن عباس کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے دنیا کی وہ زمین مُراد ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح کرائے گا یہی قول درست ہے۔ جس کی نظیر سورۂ نور کی یہ آیت وعدہ اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں زمین پر حاکم بنائے گا جس طرح کہ اس نے ان سے پہلے مسلمانوں کو حاکم بنایا تھا۔ ہے۔

مشرق و مغرب کا سمٹنا:

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ دنیا کے مشرق و مغرب میرے لیے سمیٹ دیئے گئے۔ جلد ہی میری اُمت کی حکومت ان ممالک پر ہو جائے گی۔

بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک اَرض، بیت المقدس مُراد ہے۔ یہ وہ زمین ہے جس کا وارث اللہ کے بندوں کو بتایا گیا مگر آیۂ شریفہ اسی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

مختلف اَرواح پر تبصرہ:

سابقہ علماء کرام کا یہی قول ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اس سلسلے میں اُوپر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عالی اور حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ والی حدیث گزر چکی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بھی گزر چکا۔ نیز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی گزر چکا کہ ارواح شہداء عرش کے نیچے قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں اور حضرت براء رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی گزر چکی۔ لیکن ان سب دلائل سے روحوں کا مجرد ہوتے ہی ٹھہرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارواح بارگاہ خداوندی میں پیش کی جاتی ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان میں اپنا فیصلہ فرما کر انہیں اہل سجین یا اہل علیین میں سے لکھتا ہے۔ پھر روح سوال و جواب کے لیے قبر کی طرف لوٹتی ہے پھر جہاں اس کے ٹھکانہ کا فیصلہ ہوتا ہے اسی کی طرف لوٹ آتی ہے یعنی مومنین کی ارواح علیین میں اور کفار کی ارواح سجین میں ٹھہر جاتی ہیں۔

ازالہ عظیمہ:۔ اس پر کتاب و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی یہ کسی سند یافتہ اور علم والے کا قول ہے۔ بئر زمزم میں تمام مومنین کی ارواح نہیں سما سکتیں۔ یہ قول سراسر سنت کے مخالف ہے۔ سنت حقیقیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو بہشت کے اشجار سے پھل کھاتا ہے۔ یہ قول تو جابیہ والے قول سے بھی پیچھے ہے کیونکہ وہ جگہ کشادہ تو ہے اور کنواں تو واقعی تنگ ہوتا ہے۔

برزخ کیا ہے؟:۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ برزخ اس آڑ کو کہتے ہیں جو دو چیزوں میں حائل ہو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب ہے کہ ارواح اس زمین پر رہتی ہیں جو دنیا و آخرت کے مابین ہے اور وہاں آزاد ہیں۔ اس کائنات پر جہاں چاہتی ہیں آ جاتی ہیں۔ یہ قول بھی قوی ہے۔ کیونکہ ارواح دنیا کو تو چھوڑ چکیں اور عقبیٰ ابھی آئی ہی نہیں اس لیے عقبیٰ میں بھی نہیں گئیں بلکہ دنیا اور عقبیٰ کے مابین مومنین کی ارواح کشادہ برزخ میں ہیں جس میں سکون ہی سکون اور نعمتیں ہی نعمتیں ہیں اور کفار کی ارواح تنگ برزخ میں ہیں جہاں تکلیف ہی تکلیف

ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ان کے ماوراء زندگی موت کے بعد تک برزخ ہے۔

برزخ کہاں ہے؟ اس قول کی تائید معراج والی حدیث کرتی ہے لیکن حدیث ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مساوی ارواح کے اجتماع کا اثبات ہو بلکہ کچھ ارواح آپ کے دائیں جانب ہیں اور آپ سے بلند اور وسیع ترین مقامات پر ہیں اور کچھ بائیں اور پست اور تاریک اور تنگ مقامات پر ہیں۔ ابن حزم کا قول ہے کہ یہ برزخ دنیوی آسمان کے پاس ہے۔ یعنی عناصر کی حدود سے ماوراء جگہ ہے اور آسمان دنیا کے زیریں ہے۔ لیکن ابن حزم بغیر دلیل کے گفتگو کرنے والوں پر تو گرفت کرتے ہیں لیکن خود اپنے گریبان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اس قول پر قرآن و حدیث سے کون سی دلیل ہے۔ ہم ان کے قول پر مکمل کر تبصرہ کریں گے۔

مختلف اقوال پر اثبات حقیقیہ:- اگر کوئی یہ کہے کہ اگر مسلمانوں کی ارواح پہلے آسمان پر حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دائیں جانب مان لی جائیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح عرش کے سائے میں ہیں اور عرش آسمانِ ہفتم کے اوپر ہے تو دونوں اقوال میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے اس کا جواب مختلف نوع پر ہے۔ پہلا جواب یہ کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارواح دائیں بائیں جانب بلندی اور پستی کی جانب نہ ہوں۔ دیگر دنیوی آسمان پر دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارواح کے ٹھہراؤ کی جگہ علیین یا سجین میں نہ ہو۔ سوم آپ نے یہ خبر نہیں دی کہ آپ نے اس جگہ تمام نیک لوگوں کی ارواح کا مشاہدہ کیا تھا بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب ارواح کو دیکھا اور بائیں جانب بھی۔ حالانکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اوپر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام چھٹے اور ساتویں آسمان پر ہیں۔

یعنی حال رفیق اعلیٰ کی ارواح کا ہے بلکہ یہ باہم ارواح بھی حسب مراتب بلند ہیں جیسا شقی کی ارواح پستی میں حسب مراتب پست ہیں۔

مسلک جمہور پر ایک نظر: یہ ابن حزم کا قول ہے اس دعویٰ کی اصل اس پر ہے کہ ارواح جسموں سے قبل مخلوق تھیں لیکن اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ مسلک جمہور یہ ہے کہ ارواح جسموں کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ جو اس دعویٰ پر ہیں کہ ارواح کو پہلے پیدا کیا گیا ان کے پاس قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی اجماع سے کوئی دلیل ہے۔ یہ دعویٰ یا تو انہوں نے آیات سے استنباط کیا ہے یا ضعیف احادیث سے۔ ابن حزم کا قول ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے واذ اخذ ربك من بنی ادم الخ جب آپ کے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی اور انھیں انھیں پر شاہد کر کے دریافت کیا، کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں تو انہوں نے کہا ہم شاہد ہیں۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے ولقد خلقنٰکم ثم صورنٰکم۔ الخ بلاشبہ ہم نے تمھیں پیدا کیا پھر تمھاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کیجئے۔ چنانچہ ملائکہ آدم کے سامنے سربسجود ہو گئے۔

ماحصل کلام: اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو بیک وقت پیدا فرمایا اسی طرح حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارواح جمع شدہ لشکر ہیں۔ جب اللہ رحیم و کریم نے ارواح سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا ہے تو وہ مخلوق صورت اور شکل والی تھی اور عقل مند بھی تھی۔ اور ابھی ملائکہ کو حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے سجدہ کا حکم بھی نہیں ملا تھا اور ارواح کو جسموں میں داخل بھی نہیں کیا گیا تھا اس وقت جسم خاک تھے۔ لیکن آیۂ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لفظ ثمّ استعمال کیا ہے جو وقفہ کے ساتھ تاخیر کا متمنی ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں تخلیق فرما کر جہاں چاہا ٹھہرا دیا۔ یعنی برزخ میں جس طرف

بعد از موت لوٹ کر چلی جاتی ہیں۔ اس پر سیر حاصل تبصرہ اس سوال کہ کیا بدن سے پہلے ارواح کو پیدا کیا گیا یا بدن کے ساتھ ساتھ پیدا کیا گیا' میں آرہا ہے۔ اس جگہ گفتگو کا موضوع تو یہ ہے کہ بعد از موت ارواح کہاں ٹھہرتی ہیں۔

ابن حزم کا قول: ابن حزم کا یہ قول کہ ارواح اس برزخ میں ٹھہرتی ہیں جس میں جسموں کی تخلیق سے پہلے تھیں، اپنے عقیدے پر مبنی ہے۔ ابن حزم کا یہ قول کہ ارواح حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں جانب ہے درست ہے جیسا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے لیکن ان کا یہ قول کہ ارواح کا مستقر برزخ میں وہ مقام ہے جہاں عناصر کا سلسلہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے بغیر دلیل کے ہے۔ قرآن وحدیث سے اس پر کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی ارباب اسلام کے عقائد کے مشابہ ہے۔ بلکہ احادیث صحیحہ سے پتہ چلتا ہے کہ ارواح کا مستقر عناصر سے اوپر جنت میں بارگاہِ الٰہی میں ہے اور قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

شہدا اور صدیق میں امتیاز: شہدائے کرام کے بارے ابن حزم بھی کہتے ہیں کہ وہ بہشت میں ہیں۔ اور ظاہر ہے صدیقین شہدا سے افضل ہیں۔ لامحالہ وہ بھی بہشت میں ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اکابر صحابہ کرام کی ارواح آسمان دنیا کے نیچے ہوں اور ہمارے عہد کے شہدا کی ارواح جنت میں ان سے اوپر ہیں۔

ابن حزم کا یہ قول کہ محمد بن نصر مروزی اسحاق بن راہویہ سے یہی قول نقل کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ تمام علماء اور اہل اسلام کا اسی پر اتفاق ہے۔ درست نہیں غلط ہے کیونکہ یہ اپنی کتاب "کتاب الرد علی ابن قتیبۃ" میں واذ اخذ ربك من بنی ادم الخ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علمائے کرام کا اجماع ہے

کہ جسموں سے پہلے اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا۔

اس عبارت سے ابن حزم کا یہ دعویٰ کہ ارواح کا مستقر وہ مقام ہے جہاں عناصر ختم ہوتے ہیں کسی صورت سے بھی ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اجسام سے قبل ارواح موجود تھیں۔ بس اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کریم رؤف الرحیم نے اس وقت ارواح کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر ان سے ربوبیت کا اقرار کرایا اور پھر انھیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت ہی میں لوٹا دیا۔ اگرچہ اس کی قائل جماعت علماء سابقہ ہے اور علمائے قدیم بھی قائل ہیں۔ لیکن صحیح قول اس کے خلاف ہے جو عنقریب بتایا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ کیونکہ اس مسئلہ کے جواب کی غرض میں یہ داخل نہیں کہ روحیں جسموں سے قبل تھیں یا بعد میں۔ اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ارواح پہلے تھیں تو یہ دعویٰ کہاں سے ثابت ہوا کہ ارواح کا مستقر مقام وہ ہے جہاں عناصر کا اختتام ہوتا ہے اور موت سے پہلے بھی وہی ان کا مستقر تھا۔

ارواح کی تخلیق اور موت کا راز: یہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے جو ارواح کو عوارض اجسام سے مانتے ہیں اور انھیں حیاتی خیال کرتے ہیں جیسے ابن قلانی وغیرہ۔ ابوالہزیل علاف کا بھی یہی قول ہے لیکن انھوں نے روح کو زندگی سے تعبیر نہیں کیا۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ جسم کی موت سے دیگر تمام اعراض کی طرح روح بھی مر جاتی ہے۔ ان کا قول ہے کہ ایک عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا۔ لہذا ہر تغیر کے بعد ایک نئی کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ یعنی زندگی کچھ عرصے میں انسان کی ہزار ہا ارواح پیدا ہوتی ہیں اور مر جاتی ہیں اور مرنے پر پچھلی روح بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آسمان پر چڑھنے اترنے اور قبر میں آنے جانے، ملائکہ کے بٹھلانے اور چھوڑنے عذاب و ثواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بس اللہ تبارک و تعالیٰ ہی جسم کو عذاب و ثواب پہنچاتا ہے۔ اور جب جسم کو عذاب و

ثواب پہنچتا ہے۔ یہ ان کا کہنا ہے کہ جن کو اپنی اَرواح کا بھی علم نہیں دوسروں کی ارواح کا کیا ہو گا۔ یہ قول قرآن وحدیث اور اجماع کے خلاف ہے اور عقلی و فطری دلائل بھی اسے رد کر دیتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارواح کو نکلنے اور داخل ہونے اور لوٹ کر آنے کا حکم دیا ہے اور صحیح وصریح دلائل بتاتے ہیں کہ اَرواح چڑھتی اترتی، پکڑی اور چھوڑی جاتی ہیں۔

اَرواح کی آمد و رفت: ان کے لیے آسمان کے دروازے کھلتے ہیں۔ وہ سجدہ اور گفتگو کرتی ہیں۔ وہ پانی کے قطرے کی طرح جسم سے نکل آتی ہیں۔ جنت یا دوزخ کے کفنوں میں لپیٹی جاتی ہیں۔ انھیں موت کا فرشتہ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ پھر اس کے ہاتھ سے فرشتے لے لیتے ہیں۔ ان سے خوشبو یا بدبو نکلتی ہے۔ انھیں ایک آسمان کے فرشتے دوسرے آسمان تک پہنچاتے ہیں۔ پھر وہ ملائکہ کے ساتھ زمین ہی پر بھیج دی جاتی ہیں۔

مشاہداتِ اَرواح: رُوح کو نکلتے وقت مرنے والے کی آنکھ دیکھتی ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اَرواح ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ حلق تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ روحوں کی آپس میں ملاقات اور ان کا آپس میں تعارف بھی ہوتا ہے اور وہ ایک جگہ جمع شدہ لشکر ہیں۔

مختلف اَرواح کا منفرد حال: یہ تمام دلائل مذکورہ بالا قول کی تردید کرتے ہیں۔ مزید برآں معراج میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں بائیں ارواح کو دیکھا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ مومن کی رُوح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے کھاتا پیتا ہے اور شہداء کی اَرواح سبز پرندوں کے ٹولوں میں ہیں اور آلِ فرعون

کی ارواح پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے۔ کس قدر بڑی غلطی ہے کہ ایک انسان کی زندگی میں ہزارہا ارواح تسلیم کی جائیں اور بعد از موت ایک روح بھی عذاب و ثواب کے لیے باقی تسلیم نہ کی جائے۔ یہ بات عقل اور فطرت کے بھی خلاف ہے اور قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے۔

مسئلہ تناسخ کی روداد:- مسئلہ تناسخ جس قدر احادیث سے ثابت ہے برحق ہے خواہ سے تناسخ سے تعبیر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ فلاسفہ کا تناسخ کہ دنیا ختم نہ ہوگی اور ارواح مختلف اجسام میں یونہی آتی جاتی رہیں گی غلط ہے اور یہ سراسر درست ہے کہ ارواح شہداء سبز پرندوں کی پوٹوں میں رہتی ہیں۔ جو عرش سے لٹکے ہوئے قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ اور یہ قندیلیں گھونسلوں کی طرح ہیں۔

صراحت لفظی:- ان الفاظ سے اس کی صراحت بھی ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھی ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ مومن کی روح پرندہ ہے جو بہشت کے اشجار سے کھاتا پیتا ہے۔

احتمالات:- اس میں دو احتمال ہیں یا تو بدن کی طرح یہ پرندہ روح کی سواری ہے جو چگتا پھرتا ہے۔ یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور جہلا کے گمان کے مطابق نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مومن کی روح جنت میں پرندے کی طرح اڑتی پھرتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ پرندے کی شکل و صورت میں ہے۔

نسمۃ کے قیاس کے مثال:- یاد رہے کہ نسمۃ میں تا رسے تانیث اس طرح ہے جس طرح کوئی فصیح عرب کسی سے کہتا ہے اَتَتْكَ كِتَابِىْ فَاَسْتَخْفَفْتَ بِهَا۔ آپ نے میرے خط کی قدر نہیں۔ اس نے کہا کتاب مونث بنا دی۔ برا کیا ہے۔ کتاب کا دوسرا نام صحیفہ نہیں ہے۔ اسی پر نسمۃ کو قیاس کیجئے۔

اس حدیث میں زیادتی ہے کہ ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔ یہ صرف ایک ہی حدیث ہے۔

تبصرہ سے ازالہ ردی: ابن حزم کی بات لفظی اعتبار سے بھی درست نہیں اور معنوی اعتبار سے بھی درست نہیں۔ کیونکہ نسمۃ المومن طائر یعلق فی شجر الجنۃ اور ارواح الشہداء فی حواصل طیر خضر۔ دو مختلف نوع کی احادیث ہیں۔ تاویل کی پہلی حدیث میں تو گنجائش ہے مگر دوسری حدیث میں کسی صورت سے بھی نہیں۔ دوسری حدیث کے ایک لفظ میں حواصل کی بجائے اجواف ہے اور ایک لفظ میں خضر کی بجائے بیض ہے۔ حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ والثناء نے یہ بھی بتایا کہ وہ پرندے جنت میں چگتے پھرتے ہیں۔ اس کے پھلوں سے کھاتے ہیں اور اس کی انہار سے پانی پیتے ہیں پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں آرام کرتے ہیں جو ان کی طرح گھونسلوں میں ہیں۔ ابن حزم کا یہ کہنا کہ ان پرندوں کے پوٹے قندیلوں کی صفت ہے درست نہیں غلط ہے۔ بلکہ یہ قندیلیں ان پرندوں کی آرام کرنے کی جگہ ہیں۔

صراحت حدیث: اس حدیث میں تین باتوں کی صراحت ہے۔ ارواح کی صراحت ان سب پرندوں کی صراحت جن کے پوٹوں میں ارواح ہیں۔ اور ان قندیلوں کی جو ان پرندوں کی آرام گاہیں ہیں۔ قندیلیں عرش کے نیچے ہیں جو چلتی پھرتی نہیں اور پرندے چلتے پھرتے ہیں۔ اور ارواح پرندوں کے پیٹوں میں ہیں۔

تائید ایزدی کارساز: اگر روح کو براہ راست پرندہ ہی تسلیم کر لیا جائے اور پرندے کا بدن اس کی سواری نہ مانی جائے تو کیا نقصان ہے۔ بلکہ اس کی قرآن وحدیث سے تائید بھی ہوتی ہے فرمایا فی ای صورۃ ما شاء رکبک۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے جس صورت سے چاہا بنا دیا۔ حدیث کے ایک لفظ میں ہے کہ ان کی ارواح سبز پرندوں کی طرح ہیں۔ ابن حزم نے بھی یہی کہا ہے۔ اس کا

جواب یہ ہے کہ حدیث میں دونوں لفظ ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں فی اجواف طیر خضر ہے۔ یعنی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہیں۔ اُحد کے شہیدوں کے متعلق حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا کہ اللہ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھی ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ ارواح شہداء سبز پرندوں میں ہیں۔

الحاصل کلام:- معلوم ہوا کہ پرندے ارواح کی سواریاں ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں۔ اور نہ ہی اس کے ماننے سے کوئی شریعت کا قانون باطل ہوتا ہے اور نہ ہی قرآن و حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے بلکہ اللہ کریم نے شہیدوں کی خاطر و مدارات اس طرح کی ہے کہ انہوں نے جو بدن فی سبیل اللہ قربان کیے تھے ان کے عوضانہ میں انہیں بہتر بدن عطا کر دیئے۔ جو ان کی ارواح کی سواری کا کام دیں۔ تاکہ ان کے ساتھ وہ بہشتی نعمتوں سے اچھی طرح لطف حاصل کر سکیں اور پھر بروز حشر ان کی ارواح دنیوی اجسام میں لوٹا دی جائیں گی۔

دلائل عقلی اور دلائل نقلی:- اس سے کسی کو تناسخ کا شبہ نہ ہو۔ اگر اسے تناسخ سے تعبیر کر لیا جائے تو یہ وہ تناسخ نہیں ہے جس کے قائل کفار اور بے دین ہیں۔ بلکہ یہ مفہوم درست اور صریح حدیث سے ثابت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ وہم تناسخ اسے باطل نہیں کر سکتا۔

جس طرح صفات باری تعالیٰ اور اسمائے حسنیٰ کے جو حقائق عقلی و نقلی دلائل سے ثابت ہیں اور جن کو نہ ماننے والے ترکیب و تجسیم کہہ دیتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کی صفات سے معطل کرنے والوں کی باتوں سے مرعوب ہو کر ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح عقلی اور نقلی دلائل سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے جو افعال ثابت ہوتے ہیں مثال کے طور پر اپنی حیثیت سے کلام کرنا، رات کے پچھلے پہر روزانہ دنیوی آسمان پر اُتر آنا۔

اور یہ کہ وہ بروز محشر فیصلوں کے لیے بندوں میں آئے گا برحق ہیں۔ اگر کوئی حلول سے تعبیر کرے تو کرنے دیجئے۔

اقوالِ حقیقیہ مبنی حق: عرش پر بیٹھنا، فرشتوں اور ارواح کا اس کی طرف چڑھنا اُترنا اور اس کی طرف پاکیزہ کلمات کا چڑھنا۔ حضور سید الرسل امام السبل علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والثنار کا معراج میں بارگاہِ الٰہی میں جانا۔ اس سے قریب ہونا دونوں میں بلکہ اس سے بھی کم کمانوں کا فاصلہ رہ جانا تمام باتیں حق ہیں جہمیہ کے اس ڈر سے کہ وہ حیز وجہت اور جسمیت کا الزام دیں گے ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

امام احمد بن حنبل کا فرمان اُمتِ محمدیہ کے نام: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ہے کہ کسی معترض کے ڈر سے ہم کسی بھی صفاتِ الٰہیہ کے منکر نہیں ہوسکتے۔ اہلِ بدعت کی یہ عادت ہے کہ وہ اہلِ سنت کو اور ان کے اقوال کو ایسے القاب سے تعبیر کیا کرتے ہیں جن سے جاہل متنفر ہو۔ مثال کے طور پر انھیں حشو، ترکیب اور تجسیم کے نام سے پکارتے ہیں۔ عرش الٰہی کا نام حیز وجہت رکھ لیا ہے تاکہ اس راستہ سے مخلوق خداوندی کے اُوپر اور عرش کے اُوپر ہونے کی نفی کریں۔ جیسے رافضی صحابہ کرام سے اُنس رکھنے والوں کو ناصبی سے اور قدریہ مجوسیہ تقدیر تسلیم کرنے کو جبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ القاب کچھ نہیں اصل حقائق ہیں۔ الغرض یہ حقیقت اثبات کے بعد کہ اَرواحِ شہداء سبز پرندوں میں ہیں۔ اگر کوئی اسے تناسخ کہنے لگے تو اس لفظ تناسخ سے اس معنی کی حقیقت باطل نہیں ہوگی۔

تناسخ باطل کا انکشاف: تناسخ باطل وہ ہے جس قائل ملحد ہیں اور جو موت کی زندگی کے بعد نہیں مانتے۔ ان کے فاسد گمان میں اَرواح جسموں سے الگ ہوکر اپنے اپنے اعمال کے مطابق

حیوانات، زمین کے کیڑے مکوڑے اور پرندوں کی اشکال اختیار کر لیتی ہیں اور اسی چکر
میں رہتی ہیں۔ ان کا یہی عذاب وثواب ہے اور انہیں اس چکر سے کبھی خلاصی حاصل
نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے گمان میں دنیا کا چکر کبھی اختتام پذیر نہ ہوگا۔
موت کے بعد زندگی کی حقیقت چہ معنی دارد۔

موت کے بعد زندگی کی حقیقت :- کیونکہ دنیا ختم نہیں ہوگی یہی وہ باطل نتائج
ہے جو سب کے سب انبیائے کرام علیہم السلام کی متفقہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اور
یہی اللہ اور عقبیٰ کا منکر ہے۔ اس گمراہ فرقہ کے نزدیک ارواح کا مستقر بدن سے جدا
ہونے کے بعد مناسب حیوانات کے اجسام ہیں۔ یہ انتہائی گھناؤنا اور غلط قول ہے اسی
کے قریب قریب ان کا قول ہے۔
جو یہ کہتے ہیں کہ اجسام کی طرح ارواح بھی فنا ہو جاتی ہیں۔ اور

ارواح کا فانی ہونا :- عذاب وثواب جسم کے اجزاء پر یا کسی جزو پر ہوتا ہے۔ خواہ
وہ ریڑھ کی پچھلی ہڈی ہو یا کچھ اور ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسی میں خواہ زندگی لوٹا کر یا زندگی
لوٹائے بغیر ہی احساس لذت والم پیدا فرما دیتا ہے۔ ان لوگوں کے گمان میں برزخ میں
عذاب وثواب صرف جسم پر ہے۔
اس کے اُلٹ جن کا کہنا ہے کہ روح جسم میں کسی صورت

عذاب وثواب کا راز :- سے بھی نہیں لوٹائی جاتی اور نہ جسم سے اس کا واسطہ رہتا
ہے اور عذاب وثواب صرف روح پر ہوتا ہے۔ صحیح احادیث میں دونوں باتیں غلط ہیں
اور خبر ہے کہ عذاب وثواب جسم و روح دونوں پر ہے جو اکٹھے ہوں یا الگ الگ ہوں۔
روح کے مستقر کے متعلق بکثرت اقوال اور ان کے

مستقر ارواح کا انکشاف :- دلائل بیان کیے گئے ہیں لیکن ان تمام میں
ترجیح کس قول کو ہے تاکہ مسلمان اس عقیدہ کو اختیار کریں! ارواح کے برزخ میں حسب

مراتب مستقر ہیں۔ بعض ارواح کا مستقر ملاء اعلیٰ میں اعلیٰ علیین میں ہے جیسے ارواح انبیاء کا مستقر۔ پھر انبیائے کرام علیہم السلام کے مستقر میں بھی حسب مراتب فرق ہے جیسا کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج شریف میں انبیائے کرام علیہم السلام کو دیکھا۔ بعض انبیائے کرام علیہم السلام کا مستقر سبز پرندوں کے پوٹوں میں سا ہے جو جنت میں جہاں چاہتے ہیں چگتے پھرتے ہیں۔ یہ بعض شہدائے کرام کی ارواح ہیں سب شہداء کی نہیں۔ کیونکہ بعض کی ارواح کو قرض وغیرہ کے سبب سے جنت میں نہیں جانے دیا جائے گا۔

جنت سے روکا جانا۔ مسند شریف میں ہے کہ کسی نے حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا اگر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو مجھے کیا ثواب ملے گا۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا جنت عطا ہو گی۔ پھر جب اُس نے پیٹھ موڑی تو فرمایا سوائے شہید کے جس کے متعلق ابھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ بعض ارواح جنت کے دروازے پر روک دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ میں نے تمہارے ایک رفیق کو دیکھا کہ باب جنت پر روک دیا گیا ہے۔ بعض ارواح قبر میں محبوس رہتی ہیں جیسا کہ چادر والے کی حدیث میں ہے کہ کسی نے چادر چوری کر لی تھی۔ پھر وہ شہید ہو گیا۔ لوگوں نے اسے جنتی کہا مگر حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا واللہ اس نے جو چادر چوری کی تھی وہ آگ بن کر اس کی قبر میں بھڑک رہی ہے۔

باب جنت اور شہداء کرام۔ بعض ارواح کا مستقر جنت کا دروازہ ہوتا ہے جیسا ابن عباس والی روایت میں ہے کہ شہدائے کرام جنت کے دروازے والی نہر کے کنارے پر سبز گنبد میں ہیں۔

جنت سے ان کی روزی صبح و شام ان کے پاس آتی ہے۔ ۱۳۱ ہ کے علاوہ جعفر بن ابی طالب ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں ہاتھوں کے عوض دو پر دے دیئے ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔ بعض کی ارواح زمین میں ہی محبوس رہتی ہیں۔ یہ ملاء اعلیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ جیسے دنیا میں ان دونوں اقسام کی ارواح کا اجتماع نہیں تھا۔ جسے دنیا میں پروردگار عالم کی معرفت اور ان کی محبت اور اس کا قرب حاصل نہ ہو سکا بلکہ خواہشات کی دنیا میں مستغرق رہا اس کی روح بدن سے الگ ہو کر بھی اپنے مناسب ارواح علویہ کے ساتھ رہتی ہے۔ جیسا کہ عالی حوصلہ شخص کی روح جو دنیا میں تقرب الٰہی اور انس میں مستغرق رہا بدن سے الگ ہو کر بھی اپنے مناسب ارواح علویہ کے ہمراہ رہتی ہے۔

عالم برزخ اور انسانیت:۔ الغرض بروز محشر عالم برزخ میں بھی انسان اسی کے ساتھ ساتھ ہے جس سے اسے محبت کا تعلق ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ برزخ میں اور قیامت کے روز مناسب ارواح کو ملا دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں گزر چکا ہے۔ یعنی پاکیزہ ارواح پاکیزہ ارواح کے ساتھ رہتی ہیں اور نجس ارواح نجس ارواح کے ساتھ رہتی ہیں۔ بعض زانی مردوں اور زانی عورتوں کی ارواح تنور میں رہتی ہیں۔ بعض ارواح خونی نہر میں تیرتی ہیں۔ اور ان کے مونہوں میں پتھر ٹھونسے جاتے ہیں۔ بہر حال ارواح کا ایک ٹھکانہ نہیں ہے علوی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں اور سفلی ارواح زمین سے آگے نہیں بڑھتیں۔

قیاس بر ارواح ارواح کا جسموں پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ارواح جنت میں ہونے کے باوجود آسمان پر بھی ہیں اور قبر کے پاس بھی ہیں۔ قبر والے بدن میں بھی ہیں۔ یہ اترنے چڑھنے میں انتہائی تیز رفتار ہیں۔ ارواح آزاد بھی ہیں، محبوس بھی ہیں، علوی بھی ہیں اور سفلی بھی ہیں انہیں

بدن سے الگ ہونے کے بعد صحت و بیماری اور لذت اور دکھ بدنی حالت اتصال سے کہیں زیادہ پہنچتا ہے۔ ان کا حال جنین سے اور پیدا ہونے کے بعد بچے سے ملتا جلتا ہے۔

اہل خانہ کے ارواح: ارواح کے چار گھر ہیں اور ہر لاحق گھر ہر پہلے گھر سے بڑا ہے۔ پہلا گھر ماں کا شکم ہے جو تنگ و تاریک اور تین تین اندھیروں میں گھرا ہوا ہے۔ دوسرا گھر دنیا ہے جو انسانی خیر و شر نیکی اور بدی کی کھیتی کرتا ہے اور ان کے اسباب مہیا کرتا ہے۔ تیسرا گھر برزخ ہے جو دنیا سے وسیع تر ہے بلکہ ان دونوں نسبت وہی ہے جو پہلے دو گھروں کی ہے۔ چوتھا گھر آخرت ہے یعنی بہشت یا دوزخ۔ اس کے آگے کوئی گھر نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بتدریج انسان کو ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل کرتا ہوا آخری گھر حقیقی میں لے آتا ہے۔ جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا تھا۔ اور جس کی پیدائش کی غرض سے اس گھر کی شقاوت وسعادت کا حاصل کرنا تھا۔ ہر گھر کے حالات الگ الگ ہیں۔ وہ لوگ برکت والے ہیں جو دنیا میں آکر نیکی کے اسباب مہیا کرتے ہیں اور برائی کے کانٹوں سے دامن بچا کر آگے بڑھتے ہیں۔ قرب خداوندی اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خواہشات کے اجتناب سے حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی ہر بات حق پر مبنی ہے دیگر ہر بات باطل و کذب ہے۔

باب ہفتدہم

ثواب کی اہمیت وافادیت

سوال:۔ کیا مردوں کی ارواح کو زندوں کے کسی اعمال سے نفع حاصل ہوتا ہے؟ شرح کیجئے۔

جواب:۔ اہل نفاست، محدثین کرام اور مفسرین عظام کا اس پر اتفاق ہے کہ مُردوں کو زندوں سے دو صورتوں میں نفع حاصل ہوتا ہے۔ پہلی صورت یہ کہ خود مُردہ حالت حیات میں سبب تھا۔ دوسری صورت دُعا، استغفار، صدقہ، حج وغیرہ ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ عمل کا ثواب پہنچتا ہے یا خرچ کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔ اور بعض احناف کے نزدیک خرچ کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔ بدنی عبادت مثلاً نماز، روزہ اور ذکر الٰہی وغیرہ کے ثواب کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔ یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب کا بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل کا فرمان اُمت محمدیہ کے نام:۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص نیک عمل مثلاً نماز پڑھے یا صدقہ کرے یا کوئی

اور عمل صالح کرے اور اس کا نصف ثواب اپنی ماں یا اپنے باپ کو بخش دے تو فرمایا مُردے کو ہر عمل کا ثواب ملتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تین مرتبہ آیت الکرسی اور سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا مانگو کہ الٰہی ان کا ثواب مُردوں کو پہنچادے۔ البتہ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک نہیں پہنچتا۔

اہلِ بدعت کا مسلک: بعض اہل بدعت متکلم کا مسلک ہے کہ مُردے کو نہ دُعا کا ثواب پہنچتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے عمل کا ثواب پہنچتا ہے۔ صورتِ اوّل کے راستے سے ثواب پہنچنے کی دلیل حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ بعد از موت انسان سے اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ ہاں تین اعمال باقی رہتے ہیں۔ صدقہ جو جاری رہے۔ وہ علم جو لوگوں کو فائدہ دے رہا ہو۔ صالح اولاد جو اس کے لیے دُعا مانگتی رہتی ہو۔

اس حدیث میں ان تین اعمال کا استثناء بتارہا ہے کہ یہ مرنے والے ہی کے اعمال ہیں۔ کیونکہ ان کا سبب وہی تھا۔

نیک اعمال کے ثواب کا جاری رہنا: بعد از موت مومن کو اس کی نیکیوں اور اعمال میں سے اس علم کا ثواب ملتا ہے جسے وہ دوسروں کو سکھا گیا۔ اور لوگوں میں اُسے پھیلا گیا۔ یا صالح اولاد چھوڑ گیا جو اس کے لیے دعائیں مانگتی رہتی ہے۔ یا قرآن ورثہ میں چھوڑ گیا۔ یا مسجد بنا گیا۔ یا مسافروں کی رہائش گاہ بنا گیا۔ نہر جاری کر گیا۔ یا وہ صدقہ جسے حالتِ صحت میں اپنے ہاتھ سے کر گیا۔ ان اعمال کا ثواب بعد از موت اسے پہنچتا رہے گا۔

جو شخص اسلام میں کسی اچھے کام کو رائج کر گیا اس کا ثواب بھی اُسے ملے گا اور اس کے بعد تمام عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی رونما نہ ہوگی۔ ایسا ہی حال کاربد کا ہے۔

اعمال کا انوکھا طریقہ:۔ حضور سید العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے زمانہ مبارک میں کسی نے لوگوں سے کچھ طلب کیا۔ اسے کسی نے بھی کچھ نہ دیا۔ پھر ایک شخص نے اسے کچھ دیا۔ اسے دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی اسے دیا۔

یاد رہے کہ جو شخص تا حشر ناحق قتل کیا جائے گا اس کے قتل میں قابیل بھی حصہ دار ہوگا کیونکہ سب سے پہلے قابیل نے ہی قتل کیا تھا۔

الحاصل کلام:۔ وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ الخ اور ان کے بعد آنے والے دعائیں مانگتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہماری مغفرت فرما دے اور ہمارے بھائیوں کو بھی جو ہم سے ایمان میں سبقت کر گئے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے مومنین کے حق میں دعائیں مانگنے والوں کی تعریف فرمائی۔ اس سے پتہ چلا کہ مردوں کو زندوں کی دعاؤں سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ پہلوں نے ایمان لاکر ایمان کا طریقہ نکالا تھا اور آنے والوں کے لیے نمونہ بنے تھے کہ آنے والے ان کے نقش قدم پر آسانی سے چلنے لگے اس لیے وہ سبب بن گئے۔ اس صورت میں یہ پہلی صورت بن جائے گی۔ لیکن چونکہ جنازے کی نماز میں مردے کے لیے دعا مانگی جاتی ہے۔ اور اس پر اجماع اُمت ہے کہ اس سے مُردے کو نفع حاصل ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا فائدہ یقینی بات ہے۔

دعا میں خلوص کا ہونا:۔ حضور سید العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے کہ مردے کے لیے خلوص سے دُعا کیا کرو۔ حضور نبی کریم وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک جنازے کی نماز میں یہ دعا مانگی میں نے یہ دُعا یاد کر لی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ اے اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما اسے عافیت دے۔ اس سے درگذر فرما۔ اس کی عزت والی خاطر فرما۔

اس کی قبر کو کشادہ فرما۔ اس کے گناہوں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال اور اسے سفید کپڑے کی طرح گناہوں سے پاک صاف کر دے۔ اسے اس گھر سے بہتر گھر گھر والوں سے بہتر گھر والے اور جوڑے سے بہتر جوڑا عطا فرما۔ اسے بہشت میں داخل فرما اور اسے قبر کے عذاب اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعا کرنا: حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر یہ دعا مانگی اللھم ان فلان بن فلان الخ اے اللہ فلاں بن فلاں تیری حفاظت میں ہے تیرے پڑوس سے وابستہ ہے اسے قبر کی آزمائش اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ تیرا وعدہ سچا ہے لہذا اسے بخش دے۔ اس پر رحم فرما۔ واقعی تو نہایت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الحاصل کلام: مُردے کی نماز جنازہ پڑھنے کا یہی مقصد ہے کہ زندوں کی دعاؤں سے اسے فائدہ حاصل ہو۔ اسی طرح تدفین کے بعد کا یہ مقصد ہے چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے اپنے بھائی کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو۔ کیونکہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح قبر کی زیارت کے وقت یہ دعا بتائی گئی السلام علیکم یا اھل الدیار اے اس دیار کے مسلمانوں تم پر سلامتی ہو۔ انشاء اللہ ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے عافیت چاہتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ کا فرمان: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ مردوں کے لیے کس طرح استغفار کیا جائے تو ام المومنین نے فرمایا یوں کہو اے اس دیار کے مومنو! اور مسلمانو تم پر سلامتی ہو اور اللہ ہم میں سے آگے بڑھنے والوں پر بھی رحم فرمائے اور

پیچھے رہنے والوں پر بھی۔ ہم اللہ کے حکم سے تمہارے پاس آنے والے ہیں۔

دعائے مغفرت کا راز:۔ ایک مرتبہ حضور سید الرسل امام السبل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آخر رات میں بقیع میں تشریف لے گئے اور فرمایا اے مومنین کے گھر میں رہنے والے مومنو! تم پر سلامتی ہو۔ تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ تم نے دیکھ لیا۔ کل قیامت بھی آ رہی ہے۔ ہم بھی انشاء اللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں۔ الٰہی بقیع الغرقد والوں کی مغفرت فرما دے۔

ماحصل:۔ اسی طرح حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے مردوں کے لیے خود بھی دعائیں مانگی ہیں اور دوسروں کو بھی دعائیں مانگنے کا طریقہ بتایا ہے۔ نیز صحابہ کرام اور تابعین کرام اور ہر زمانے کے مسلمان مردوں کے لیے دعائیں مانگتے چلے آئے ہیں۔

اولاد کی دعا کے اثرات:۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ جنت میں ایک شخص کا درجہ بلند فرما دیتا ہے تو وہ اس سے پوچھتا ہے کہ میرا درجہ کیونکر بلند ہوا۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد کی دعاؤں کے سبب تیرا درجہ بلند کیا گیا۔

صدقہ کا ثواب بعد از موت:۔ ایک شخص نے بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں اچانک وصال کر گئی اور وصیت نہ کر سکی۔ میرے خیال میں اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو صدقہ ضرور کرتی۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا انہیں ثواب ملے گا۔ فرمایا ہاں ملے گا۔

حضرت سعد کی ماں کا واقعہ:۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ وصال کر گئی۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو

انھیں نفع حاصل کردں گا۔ فرمایا ہاں۔ بولے تو اچھا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں
میں نے اپنا باغ ان کی طرف سے صدقہ دے دیا۔

ایک شخص حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے پوچھا یا رسول اللہ میرے والد وصال فرما گئے انہوں نے مال چھوڑا ہے اور وصیت نہیں کی۔ کیا صدقہ کرنا ان کی طرف سے کافی ہے فرمایا ہاں۔

افضل صدقہ کا انکشاف۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں حاضر کیا یا رسول اللہ! میری ماں کا وصال ہو گیا اب ان کے لیے کونسا صدقہ افضل ہے فرمایا پانی۔ آخر آپ نے کنواں تیار کروادیا اور اس کا ثواب اپنی ماں کو بخش دیا۔

اُونٹوں کی قربانی صدقہ کرنا۔ حضرت عاص بن وائل نے عہد جاہلیت میں سو اونٹوں کی قربانی کی منت مانی تھی۔ اس کے بیٹے ہشام نے اس کی طرف سے ۵۵ اونٹوں کی قربانی کردی تھی۔ عمرو نے اس بارے میں حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اگر تمہارا باپ توحید کا اقرار کر لیتا تو پھر تم اس کی طرف سے روزے رکھتے اور صدقہ کرتے تو اسے اس کا ثواب ملتا۔

روزوں کا ثواب: حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی پر روزے ہوں اور وہ وصال کر جائے تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ لے۔

ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں وصال کر گئی ان پر ایک مہینہ کے روزے ہیں۔ کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ لوں۔ فرمایا ہاں۔ اللہ کا قرض بدرجہ اولیٰ ادا کیا جائے۔

ایک عورت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ میری والدہ فوت ہو گئی ان پہ

منت کے روزے ہیں۔ کیا میں ان کی طرف سے رکھ لوں۔ آپ نے فرمایا اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا اور تم اسے ادا کر دیتیں تو کیا وہ قرض ادا ہو جاتا۔ بولی ہاں۔ فرمایا تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لو۔

لونڈی کا صدقہ:۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے پاس بیٹھا ہُوا تھا اتنے میں آپ سے ایک عورت نے آکر کہا یا رسول اللہ میری ماں فوت ہوگئی ہیں۔ میں نے انہیں زندگی میں ایک لونڈی صدقہ میں دی تھی۔ فرمایا تمہیں ثواب مل گیا اور میراث سے پھر وہ تمہاری طرف لوٹ آئی۔ بولی ان پر ایک ماہ کے روزے تھے کیا میں ان کی طرف سے رکھ لوں۔ فرمایا ہاں رکھ لو۔ انہوں نے حج بھی نہیں کیا تھا۔ کیا میں ان کی طرف سے حج بھی کروں۔ فرمایا ہاں حج بھی کر لو۔

منت کا مسئلہ:۔ ایک عورت نے کشتی میں منت مانی کہ اگر اللہ نے اسے بچا لیا مگر روزے رکھنے سے پہلے فوت ہوگئی۔ اس کی بہن نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا۔ آپ نے انہیں اس کی طرف سے روزے رکھنے کا حکم دیا۔

ایک عجوبہ انداز:۔ روزوں کے بدل کا ثواب بھی مُردوں کو پہنچ جاتا ہے۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات نے فرمایا جو مر جائے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک محتاج کو کھانا کھلا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس کا فرمان:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جو شخص رمضان المبارک میں بیمار ہونے کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو کھانا کھلا دے۔ اب اس کے ذمہ قضا نہیں اور اگر روزوں کی منت مان لے تو اس کی طرف [illegible]

حج کی منت کا راز:- ایک جہنی عورت نے حضور نبی کریم وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت عالیہ میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری ماں نے حج کی منت مانی تھی لیکن حج کرنے سے پہلے ہی لقمۂ اجل ہو گئی کیا میں اپنی والدہ کی طرف سے حج ادا کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے حج کر لیجئے۔ اگر تمھاری والدہ مقروض ہوتیں تو تم اسے ادا کر دیتے۔ فرمایا اللہ کا قرض بھی ادا کیجئے کیونکہ اللہ کا قرض بدرجۂ اعلیٰ ادا کرنا چاہیئے۔

ادائے حج کا راز:- سنان بن سلمۃ جہنی کی عورت نے بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں رحلت فرما گئی تو وہ اپنی زندگی میں فریضۂ حج ادا نہیں کر سکی۔ کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں۔ فرمایا ہاں تم اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہو۔ پھر فرمایا اگر تمھاری والدہ پر قرض ہوتا اور تم اسے ادا کر دیتے تو کیا ان کی طرف سے ادا نہیں ہوتا۔

ایک عورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگی کہ میرا بچہ رحلت کر گیا ہے وہ فریضۂ حج ادا نہیں کر سکا تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا اُس کی طرف سے تم فریضۂ حج ادا کر دو۔ ایک شخص نے یہی مسئلہ اپنے باپ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اگر تمھارے باپ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کر دیتے۔ بولے ہاں۔ فرمایا تو اللہ کا قرض تو بدرجۂ اولیٰ ادا کرنا چاہیئے۔

اجماعِ اُمت قرض کی ادائیگی:- اس بات پر اجماعِ اُمت ہے کہ اگر مُردے کی طرف سے قرض ادا کر دیا جائے تو ادا ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اجنبی ہی ادا کر دے۔ یا اس کے غیر ذاتی مال میں سے ادا کر دیا جائے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ وہ مردے کی طرف سے دو دیناروں کے ضامن بن گئے تھے جب انہوں نے ادا کر دیئے تو آپ نے فرمایا اب یہ سکون میں ہے۔

حقوق کا ساقط ہو جانا۔ اس پر بھی اجماع امت ہے کہ جب کسی زندہ شخص کا مردے پر کوئی حق ہو اور وہ اسے معاف کر دے تو وہ حق مردے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس کی معافی سے نفع حاصل ہوتا ہے جیسے زندہ شخص کو معاف کرنے سے حق ساقط ہو جاتا ہے۔ پھر نص و اجماع سے زندہ شخص کو معاف کرنے سے حق ساقط ہو جاتا ہے جب کہ اس کی ادائیگی کا امکان باقی ہے۔ تو مردے کی طرف سے بدرجہ اولیٰ معافی سے حق ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

ہدیہ کا پہنچنا۔ پھر جب مردوں کو زندوں کی معافی کا فائدہ پہنچتا ہے تو ان کے تحائف اور ہدیوں کا بھی فائدہ پہنچنا چاہیئے کیونکہ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ عمل کا ثواب ہدیہ دینے والے کا حق ہے۔ جب وہ اپنا حق معاف کر سکتا ہے تو اپنی طرف سے ہدیہ بھی بھیج سکتا ہے۔ قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ اعمال کا ثواب عمل کرنے والے کا حق ہے۔ اگر عمل کرنے والا اسے اپنے کسی مسلمان بھائی کو ہبہ کر دے تو کونسی رکاوٹ ہے۔ جس طرح کہ زندگی میں رکاوٹ نہیں اسی طرح بعد از موت بھی رکاوٹ نہیں۔

مختلف اعمال کا ثواب۔ حضور نبی غیب دان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ مردے کو روزے کا بھی ثواب ملتا ہے حالانکہ روزہ محض ترک ہے اور عمل نہیں اور نیت ہے جس کا واسطہ دل سے ہے جس کی خبر ماسوا اللہ کسی کو نہیں۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ قرات کا بھی

بطریق اولیٰ ثواب ملتا ہے جو زبان کا عمل ہے اور جسے کان سنتے اور آنکھیں دیکھتی ہیں یعنی روزہ صرف ارادہ ہے اور خورد و نوش اور صحبت سے پرہیز ہے۔ حبیب اللہ کریم نے مُردے کو روزے کا ثواب پہنچادیا تو قرأت کا جو عمل اور اسارے دونوں پر ہے بلکہ اس میں ارادہ ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ بدرجہ اُولیٰ پہنچادے گا۔ گویا روزے کے ثواب سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ تمام بدنی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے۔ اسی طرح صدقے کا ثواب بتا کر اشارہ کیا کہ تمام مالی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور حج کا ثواب بتا کر اشارہ کیا کہ تمام مالی اور بدنی ملحقہ حسنات کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔ تینوں اقسام کا ثواب نص اور قیاس سے ثابت ہے۔

منکر ایصال ثواب کے دلائل

مُردوں کے لیے ایصال ثواب کے منکرین :- کے دلائل درج ذیل ہیں :-

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :- وان لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے اپنی جد و جہد سے کیا۔

۲۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے :- وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ تمہیں تمہارے ہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

۳۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے :- لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ نفس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا اور اس پر وہی ہے جو اس نے حاصل کیا۔

الحاصل کلام :- صدقہ جاریہ والی حدیث سے ثابت ہے کہ مُردے کو انہیں اعمال کا ثواب ملتا ہے جن کا وہ زندگی میں سبب بن چکا ہے۔ یہی بات حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ قبر میں سات اعمال کا ثواب ملتا ہے۔ کسی علم سکھایا گیا ہو، نہر کھدوائی گئی ہو، کنواں بنوایا گیا ہو، مسجد بنوائی ہو، قرآن پڑھایا ہو۔

یا صالح اولاد چھوڑ گیا جو بعد از موت اس کے لیے بخشش کی دعا کرتی ہو۔ معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا سات اعمال کے علاوہ مردے کو ثواب نہیں پہنچتا۔ ورنہ حصر بے معنی ہو جاتا ہے۔

ثواب حقیقت میں کیا ہے؟

کہتے ہیں کہ ہدیہ ایک قسم کا حوالہ ہوتا ہے اور حوالہ لازمی حق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے اور یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ عمل ثواب واجب نہیں کرتے بلکہ ثواب فضل خداوندی ہے۔ پھر بندہ صرف فضل پر کیسے حوالہ دے سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں۔ اگر چاہے تو دے نہ چاہے تو نہ دے۔

مثال عجوبہ

مثال کے طور پر کوئی فقیر کسی کو کچھ ہبہ کرے اور ایسے شخص کا حوالہ دے جس سے صدقہ ملنے کی امید ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہبہ بے کار ہے کیونکہ جس کا حوالہ دیا ہے اس پر دینا واجب نہیں چاہے دے یا نہ دے لہٰذا اس قسم کا ہبہ اور ہدیہ درست نہیں۔ جیسے اس چیز کا ہدیہ درست نہیں جس کے ملنے کی بادشاہ سے امید ہے اور یقین نہیں۔

مکروہ کیا ہے؟

اس کے علاوہ اسباب ثواب کا ایثار مکروہ ہے۔ جبکہ وہ ایثار عبادات کے ذریعہ سے ہو۔ لہٰذا نفس ثواب جو عبادات کی غایت ہے بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایثار کے طور پر پہلی صف سے پیچھے ہٹنے کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں سبب کو اسباب سے اعراض ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا جو پہلی صف سے پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ اپنے باپ کو بٹھا دیتا ہے فرمایا ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بکثرت نیکیاں ہیں جو وہ اپنے والد کے ساتھ کر سکتا ہے۔

میت اور زندہ کا ہدیہ

نیز اگر میت کو ہدیہ جائز ہو تو پھر زندہ کو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر یہ جائز ہو تو اپنے لیے

عمل کرنے کے بعد ہدیہ صحیح ہو گا۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ فعل کے وقت مُردے کے ہدیہ کی نیت کو لے ورنہ مُردے کو ثواب نہیں ملے گا۔ جب نقل ثواب جائز ہے تو فعل کے بعد اور فعل سے پہلے ارادہ کرنے میں کونسا فرق ہے۔ نیز اگر ہدیہ جائز ہو تو زندوں پر فرائض کے ثواب کا ہدیہ بھی جائز ہو گا جیسے نوافل کا ہدیہ جائز ہے۔

تکالیف کا انکشاف:۔ اس کے علاوہ تکالیف سے ایک قسم کا امتحان ہے اور تکالیف قبول کا بدل نہیں کرتیں کیونکہ ان سے مقصد مکلف و عاقل کی عین ذات ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی اس کے قائم مقام نہیں بن سکتا۔ اگر کسی کے عمل سے کسی اور کو اس کے بغیر ذاتی عمل کے نفع حاصل ہوتا تو اللہ رب تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق تھا حالانکہ اس نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ انسان کسی کوشش کے بغیر نفع حاصل نہیں کر سکتا۔

نادر الامثال:۔ پھر جس طرح یہ اصول شرع کارفرما ہے اسی طرح قضاء و قدر میں بھی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بیمار، بھوکا یا پیاسا یا ننگا ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے دوا پی لے یا کھانا کھا لے یا پانی پی لے یا کپڑا پہن لے تو کیا اس سے ننگے بھوکے کو فائدہ پہنچ جائے گا۔

اغیار کے عمل کا ثمرہ:۔ اس کے علاوہ اگر غیر کا عمل کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے تو اس کی طرف سے توبہ بھی نافع ہو سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی سبب سے کسی دوسرے کی طرف سے اسلام اور نماز ناقابلِ قبول ہے۔ پھر جب کوئی بڑی سے بڑی عبادات کا یہ حال ہے تو فروعات تو بدرجہ اولیٰ اسی حکم میں ہوں گے۔

دُعا کا راز:۔ کہا جاتا ہے کہ دُعا تو بارگاہِ خداوندی میں درخواست ہے اور اس سے اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ مرنے والے پر مہربانی سے پیش آئے

اور اس کے گناہوں کی طرف نہ دیکھے۔ پس مُردوں کے لیے زندوں کا یہی ہدیہ ہے۔

اقسام عبادات: کہا جاتا ہے کہ عبادت کی دو اقسام ہیں۔ ایک قسم کی عبادت میں تو قطعی نیابت کی گنجائش نہیں جیسے اسلام، نماز، روزہ اور قرآن کی تلاوت۔

اس قسم کی عبادت کا ثواب صرف کرنے والے کو ہی ملے گا۔ اس سے دوسرے کی طرف ثواب منتقل نہیں ہوگا جس طرح کہ زندگی میں معاملہ تھا۔

دوسری قسم کی وہ عبادت جس میں نیابت کی گنجائش ہے جیسے امانت کی ادائیگی، قرض کی ادائیگی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور حج کی ادائیگی وغیرہ۔ اس نوع کی عبادات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ افعال میں بھی دوسروں کی طرف سے کیے جاتے ہیں اور وہ سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ تو مرنے کے بعد بدرجہ اولیٰ ثواب پہنچے گا۔

کہا جاتا ہے کہ مُردوں کی طرف سے روزہ رکھنے کی حدیث کئی طرح جواب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں فرمایا ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزے نہ رکھے۔ اس پر اجماع ہے کسی کا اختلاف نہیں۔ مُردوں کی جانب سے روزے رکھنے والی حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور نسائی میں انھیں سے روزوں کی ممانعت بھی آئی ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی سند میں بھی اختلاف ہے۔ یہ آیت کریمہ لیس للانسان الا ما سعیٰ کے مخالف ہے۔ یہ نسائی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کے مخالف ہے۔ جس میں ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے اور نہ ہی روزہ رکھے ہاں اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے ایک مد گیہوں دے دے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کے بھی مخالف ہے کہ اگر کسی مردے پر رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا جائے۔ یہ قیاس جلی کے بھی خلاف ہے یعنی جس طرح کسی کی نماز، توبہ اور اسلام دوسرے کی جانب سے ناقابل قبول ہے اسی طرح ہر نیکی ناقابل قبول ہے۔

Marfat.com

کفارہ اور غیر کفارہ کی کیفیات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا کی نذر تعیین نہیں کی۔ ہو سکتا ہے کہ حج یا عمرے یا صدقہ کی نذر ہو۔ اور آپ نے مردے کی طرف سے اسے پورا کرنے کا حکم دیا ہو۔ لیکن اگر کوئی نماز یا روزے کی منت مان کر منت پوری کیے بغیر مر جائے تو اس کی طرف سے نماز کے بارے میں نہ کفارہ ہے اور نہ ہی نماز پڑھی جائے گی۔ ہاں روزوں کے بارے میں کفارہ ہے مگر روزے نہیں رکھے جائیں گے۔
اگر کہا جائے کہ کیا حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے روزے رکھنے کی روایت نہیں آئی تو کہا جائے گا کہ ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت ہے۔

تقابلہ و تبصرہ

اگر کہا جائے کہ آپ اسے کیونکر تسلیم نہیں کرتے تو کہا جائے گا کہ زہری عبید اللہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نذر کی روایت کرتے ہیں مگر اس روایت میں نذر کی تعیین نہیں ہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔ حالانکہ امام زہری کا حافظہ اور عبید اللہ کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک لمبے عرصہ تک اٹھنا بیٹھنا مشہور ہے۔ اب اگر کوئی راوی زہری کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے جو عبید اللہ کے علاوہ ہو۔ عبید اللہ والی حدیث کے خلاف لے آئے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ محفوظ نہ ہو۔

تقابل دیگر

اگر کہا جائے کہ تم اسے جانتے ہو جو یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا کہ متعتا النساء ہے۔ اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ جواب روزہ رکھنے کے سلسلے میں دیا جا سکتا ہے۔ فعل حج میں مردوں کو خرچ کرنے کا ثواب پہنچتا ہے اور حج کے افعال کا ثواب محض کرنے والے کو ہی پہنچتا ہے۔ مردوں کو نہیں پہنچتا۔

Marfat.com

لیس للانسان الا ما سعیٰ کے مختلف

ایک اور ازالہ کا انکشاف: مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ اس آیۂ کریمہ میں انسان سے کافر مراد ہیں کیونکہ مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے اعمال سے بھی مومن کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سوال کہ تخصیص کہاں سے نکال لی تو اس کا جواب ظاہر ہے تخصیص جائز ہے جب اس پر دلائل قائم ہوں۔ مگر یہ مطلب نہایت ضعیف ہے اور آیۂ مبارکہ میں عام معنی ہی مراد ہے کیونکہ اس سے پہلے جو آیات ہیں ان میں بھی عام معنی ہی چلے آ رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ اور یہ کہ کوئی کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے گا۔ اول سے آخر تک آیات کا سیاق عام معنی میں ہے مثال کے طور پر وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزاہ الجزاء الاوفیٰ۔ اور یہ کہ انسان عنقریب اپنی کوششیں دیکھ لے گا۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی عام معنی مراد ہے۔ جو نیک و بد اور مومن و کافر سب کو شامل ہے۔ جیسے اس آیت میں عام معنی مراد ہے۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ الخ کہ جو بھلائی یا برائی کرے گا

نیکی اور بدی کا حال: وہ اسے دیکھ لے گا اسی طرح اس حدیث قدسی میں عام معنی ہے کہ اے میرے بندو! میں نے تمہارا ایک ایک عمل گن رکھا ہے۔ پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ پھر جو بھلائی پائے وہ اللہ کی تعریف کرے اور جو بھلائی کے علاوہ پائے وہ اپنے ہی اوپر ملامت کرے۔ یہ آیۂ کریمہ ٹھیک اس آیت کی طرح ہے۔

یا ایھا الانسان انک کادح الخ اے انسان تو اپنے رب کے

نوع انسانی: پاس جانے تک خوب محنت کر رہا ہے۔ مفسرین کی اس بات سے دھوکہ دکھا جاتا کہ قرآن میں انسان سے فلاں جگہ ابوجہل، فلاں جگہ عقبہ بن ابی معیط اور فلاں

جگہ ولید بن مغیرہ مراد ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ نوع انسان تخصیص کے بغیر مراد ہے جیسے مندرجہ ذیل آیات کریمہ میں نوع انسان مراد ہے۔

۱۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔

۲۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْد۔

۳۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خلق ھلوعا۔

۴۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لیطغیٰ۔

۵۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لظلوم کفار۔

۶۔ وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔

ترجمہ:۔ ۱۔ انسان بہت بڑے خسارے میں ہے۔

۲۔ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

۳۔ انسان کی فطرت میں بے صبری ہے۔

۴۔ انسان مال دیکھ ناشکرا ہو جاتا ہے۔

۵۔ انسان بہت بڑا ظالم اور ناشکر ہے۔

۶۔ انسان نے امانت اٹھائی کیونکہ وہ بہت بڑا ظالم و جاہل ہے۔

یہ انسان کی فطری اور ذاتی صفات ہیں۔ وہ ذاتی اعتبار سے ان عادات سے محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک توفیق ایزدی اس کے شامل حال نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہی انسان کو ایمان کی دولت سے مالا مال کیا اور اس کے قلب کو اس سے آراستہ کیا۔ اور اسے کفر، فسق و فجور اور معصیت سے گھن دلائی۔ وہی انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام کو دین پر قائم رکھتا ہے۔ اور ان سے وہی برائی اور بے حیائی دور فرماتا ہے۔

حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ والثناء کے سامنے صحابہ کرام یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا

واللہ! اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔

فرمایا وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ۔ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی ایمان نہیں لا سکتا۔ وما یذکرون الا ان یشاء اللہ۔ وما تشاؤون الا ان یشاء اللہ یعنی تمہاری یاد اور مرضی کچھ نہیں جب تک اللہ کی مرضی کارفرما نہ ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی شریعتوں میں یہی حکم تھا۔ لیکن دلائل کی رُو سے ہماری شریعت میں یہ حکم ہے کہ انسان کو اس کی ذاتی کوششوں کا بھی ثواب ملتا ہے۔ اور ان کوششوں کا بھی جو اس کے لیے دوسرے کرتے ہیں۔ یہ مطلب یا تو پہلے مطلب کی جنس سے ہے یا اس سے گزرا ہوا ہے کیونکہ یہاں یہ جملہ اثبات اور احتجاج کے مقام پر ہے تردید کے مقام پر نہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا اَم لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ۔ کیا اسے موسیٰ کے صحائف کی باتوں کی خبر نہیں ملی۔ یعنی سابقہ شریعتوں میں بھی یہ باتیں بتائی گئی ہیں اور اس شریعت میں بھی بتائی گئی ہیں۔

مالام علیٰ کے معنی میں ہے کہ انسان پر وہی ہے جو اس نے سعی

مالام علیٰ کا مفہوم:۔ کی یعنی اس پر اس کے اعمال بد کا وبال پڑے گا۔ دوسرے کے اعمال بد کا نہیں یہ بھی باطل ہے کیونکہ اس سے معنی اور مفہوم ہی پلٹ جاتا ہے اور ایسا معنی سمجھنا جس سے مفہوم اُلٹا ہو جائے اور الفاظ بھی معاونت نہ کریں روا نہیں ہے ناجائز ہے۔

ولھم اللعنۃ میں ل علیٰ کے معنی میں نہیں بلکہ اپنے اصل

لعنت کا انکشاف:۔ معنی میں ہے یعنی ان کے لیے بھی لعنت کا حصہ ہے اور لی درہم میں بھی ل علیٰ کے معنی میں محاورے کے اعتبار سے لینا غلط ہے۔ عربی زبان

میں ہرگز ایسا محاورہ نہیں۔ یا یہاں حذف ہے یعنی ما سعیٰ کے بعد او سعی لہ محذوف ہے۔ یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس میں ایسا حذف مانا جا رہا ہے جس پر سیاق کسی صورت میں بھی دلالت نہیں کرتا۔ اور اللہ پر اور اُس کی کتاب پر بغیر علم کے بات ہے یا آیۂ کریمہ منسوخ ہے اور ناسخ آیۂ کریمہ والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم الخ اور جو صاحب ایمان ہیں اور ان کی اولاد ایمان میں ان کے نقش قدم پر ہے۔ ہم ان سے ان کی اولاد ملا دیں گے۔ یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی جاتی ہے مگر یہ بھی ضعیف ہے۔ ابن عباس یا کسی دوسرے کے منسوخ کہنے سے تنسیخ ثابت نہیں ہوتی۔ جبکہ دونوں آیۂ کریمہ میں تطبیق نہ ممتنع ہے اور نہ دشوار ہے۔ کیونکہ آخرت میں دنیا کی طرح بیٹے اپنے باپوں کے تابع ہوں گے۔ یہ تبعیت باپوں کی بزرگی اور ثواب کے سبب ہے۔ جن کو انہوں نے اپنی جد وجہد سے حاصل کیا۔ لیکن بیٹوں کا باپوں کے درجہ میں اعمال کے بغیر لاحق ہونا ان کے سبب سے نہیں بلکہ ان کے باپوں کے سبب سے ہے کہ اللہ رحیم وکریم نے جنت میں ان کے پاس ان کی اولاد کو پہنچا کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔ اور بیٹوں پر مہربانی کی جس کے وہ مستحق نہیں تھے جیسا کہ حور وغلمان پر اور اس مخلوق پر جسے وہ بہشت کے لیے تخلیق فرمائے گا ان اعمال کے بغیر مہربانی فرمائی اور ان پر بھی جنہیں اللہ کریم کسی عمل کے بغیر صرف اپنی مہربانی سے بہشت عطا فرمائے گا۔

معلوم ہوا کہ ان تزر وازرۃ وزر اُخریٰ اور ان لیس للانسان

الحاصل کلام: الا ما سعیٰ دونوں محکم ہیں اور یہی فیصلہ اللہ رب العالمین کی عدالت اور حکمت اور کمال اقدس چاہتا ہے اور عقل وفطرت اس فیصلہ پر شاہد ہیں۔ عقل چاہتی ہے کہ کسی غیر کے جرم پر انسان پکڑا نہ جائے اور فطرت چاہتی ہے کہ انسان کی خلاصی اسی کے اعمال ومساعی پر ہو۔ پہلی آیۂ کریمہ انسان کو مطمئن کر دیتی ہے کہ وہ کسی کے جرم

پر پکڑا نہیں جائے گا جیسا کہ دنیا میں کبھی کبھی کرتا ہے کوئی اور دھر لیا جاتا ہے کوئی اور۔ دوسری آیۂ کریمہ یقین دلاتی ہے کہ نجات کا انحصار ذاتی اعمال ہے۔ باپ دادا کے اور بزرگوں اور مشائخ کرام کے اعمال پر نہیں ہے جیسا کہ بعض جہلا نے سمجھ رکھا ہے کہ ہمیں ہمارے پیر بخشوائیں گے۔

قارئین کرام ان آیۂ کریمہ کے حسن اجتماع پر غور کیجئے اور لطف لیجئے۔ اس کی مثل یہ آیت ہے من اهتدیٰ الخ جس نے راہ پالی اُس سے اسے نفع حاصل ہوگا اور جو گمراہ ہوا وہ نقصان میں رہا۔ اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

چہار احکام کا انکشاف:۔ وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً اور ہم رسول بھیجنے سے پہلے عذاب کرنے والے نہیں۔

اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں غیر مسلموں کے چار احکام کو بیان فرمایا۔ یہ چار احکام عدالت وحکمت کی غایت ہیں۔

۱۔ پہلا حکم:۔ ہدایت سے ارباب ہدایت کو فائدہ پہنچے گا۔ کسی دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔

۲۔ دوسرا حکم:۔ گمراہی سے ارباب ضلالت ہی کو نقصان پہنچے گا کسی دوسرے کو نہیں پہنچے گا۔

۳۔ تیسرا حکم:۔ کوئی کسی غیر کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔

۴۔ چوتھا حکم:۔ کسی پر اُس وقت تک عذاب نہ ہوگا جب تک اس کے پاس رسول بھیج کر حجت قائم نہ کر دی جائے۔

مقام غور ہے کہ ان چار مسائل کے ضمن میں کس قدر اللہ رحیم وکریم کی حکمت وعدالت اور فضل وکرم جوش مار رہا ہے۔ اسی طرح دھوکہ کھانے والوں اور جھوٹی اُمیدیں رکھنے والوں کی اور اللہ کے ناموں اور اللہ کی صفات سے جاہل رہنے والوں کی کیسی تردید

ہو رہی ہے۔ یا یہاں انسان سے مراد زندہ انسان ہے مردہ نہیں۔ یہ بھی پہلے احتمال کی طرح غلط ہے۔ یہ لفظ عام میں غلط تصرف ہے۔ صاحب تصرف قطعی باطل ہے جسے آیت کے سیاق، آیت کے قیاس، شرعی قواعد، شرعی دلائل اور شرعی عرف باطل ٹھہراتا ہے۔ اس قسم کے غلط تصرفات کا سبب ذاتی عقیدوں پر مبنی ہے کہ انسان پہلے کوئی عقیدہ قائم کر لیتا ہے۔ پھر اس عقیدے کے خلاف جو نص آتی ہے تو جس طرح ممکن ہو اُسے مروڑ تروڑ کر اپنے عقیدے کے ہم نوا بنانا چاہتا ہے۔ عقائد کے خلاف دلائل کی اس طرح مدافعت کی جاتی ہے جس طرح بے پروا ہو کر دشمن کی مدافعت کی جاتی ہے۔

دلائل میں تصادم: دلائل میں تصادم اُس وقت ہوتا ہے جب حق و باطل مل جائیں۔ صداقت کے دلائل باہم کبھی نہیں ٹکراتے بلکہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ یا انسان نے اپنی کوشش اور حسن معاشرت سے دوست پیدا کر لیے ہوں، اولاد پیدا کی، عقد کیا اور لوگوں سے انس و محبت اور حسن سلوک کیا جس کے نتیجے میں اُنہوں نے بھی ترس کھا کر عبادات کے ہدیے اسے بھیجے۔ گویا یہ ہدیے اسی کی جد وجہد کے نتیجے ہیں جیسا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پاکیزہ رزق یہ ہے کہ انسان کما کر کھائے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی میں شامل ہے۔

اسی معنی کی طرف صدقہ جاریہ والی حدیث اشارہ کرتی ہے

امام شافعی کا فرمان: اسی سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اولاد والدین کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہے اجنبی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اولاد کا پیسہ والدین کا پیسہ ہے اور اب ان پر حج واجب ہے۔ یہ درمیانہ درجہ کا جواب ہے اور اس کی تکمیل کی ضرورت

ہے۔ کیونکہ انسان ایمان واطاعت کی وجہ سے اپنے ذاتی اعمال کے ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں کے اعمال سے بھی فائدہ اٹھائے گا جیسا کہ دنیا میں فائدہ اٹھاتا تھا کیونکہ مشترک اعمال میں مومن بعض بعض کے اعمال سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جماعت کی نماز سے ہر نمازی دیگر نمازیوں کی وجہ سے ستائیس درجہ کا فائدہ اٹھا رہا ہے کیونکہ دوسرے اس کے ساتھ نماز میں شریک ہیں اور اختیار کا عمل اس کے ثواب کی زیادتی کا سبب ہے جیسے اس کا عمل اختیار کے ثواب کی زیادتی کا سبب ہے بلکہ کہا گیا ہے نمازیوں کی تعداد سے مطابق ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اسی پر جہاد، حج، تبلیغ اور ہر نیکی اور تقویٰ کا قیاس کر لیجئے ہر ایک کام کا ثواب باہم کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔

مومن کی اہمیت:- حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا کہ مومن مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے کہ ایک سے دوسرے کو تقویت پہنچتی ہے۔ پھر آپ نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بتایا کہ ایسے ہے۔

دینی اور دنیوی معاملات میں امتیاز:- یہ تو ظاہر ہے کہ دینی معاملات میں دنیوی معاملات کی بہ نسبت اجتماعی طاقت کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہٰذا اسلام کی لڑی میں پرو دیا جانا باہمی استفادہ کا ذریعہ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی سب سے بڑا سبب ہے۔ اور مردوں کو ثواب پہنچنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

مومنین کے لیے انبیاء کا دعا کرنا:- اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے عرش اٹھانے والے فرشتوں کی طرف سے خبر دی ہے کہ مومنین کے لیے اس کے مقدس رسول جیسے حضرت نوح حضرت ابراہیم اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دعا و استغفار کرتے ہیں لہٰذا انسان اپنے ایمان کے سبب سے ان کی نیک دعاؤں سے فائدہ اٹھانے کا سبب بن گیا اور یہ سبب اس کے

مساعی میں سے ہے۔ مسلمانوں کی دعاؤں اور اعمال کے فائدہ اُٹھانے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان کو ارباب ایمان کے لیے سبب بنا دیا ہے۔ پھر جب کوئی ایمان لے آیا تو اس نے سبب کما لیا جس کے سبب وہ اپنے بھائیوں کے اعمال اور دعاؤں سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

حضور کا فرمان عمرو کے نام :- حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تمہارا واحد توحید کا اقرار کر لیتا تو اسے یہ تمہارا عمل پہنچ جاتا۔

یا یہ مطلب ہے کہ قرآن نے دوسروں کے اعمال سے فائدہ پہنچنے کی نفی نہیں کی بلکہ غیر کے اعمال سے ملکیت کی نفی کی ہے۔ دونوں باتوں میں بہت فرق ہے یعنی انسان اپنی ذاتی مساعی کا مالک ہے اغیار کی مساعی کا مالک نہیں کیونکہ ان کے غیر مالک ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو دوسروں کو دے دیں اگر نہ چاہیں تو اپنے لیے ہی محفوظ رکھ لیں۔ ہمارے شیخ نے انھیں معانی کو پسند کیا ہے۔

ہم معنی آیات کا تطابق :- لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ الخ کے ہم معنی آیات حسب ذیل ہیں :-

۱۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔

انسان کی کمائی کا اُسے فائدہ پہنچے گا اور اُسی کا وبال اُس پر پڑے گا۔

۲۔ وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

تمھیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

پس اس آیت کا سیاق صراحت سے بتاتا ہے کہ انسان کی گرفت اسی اعمال پر ہوگی کسی اور کے اعمال پر نہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

فالیوم لا تظلم نفس شیئًا۔ الخ

آج کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہیں ہوگا اور تمہیں تمہارے ہی اعمال کا بدلہ ملے گا۔ یعنی نہ ہی کسی کی برائیاں بڑھائی جائیں گی اور نہ ہی کسی کی نیکیاں گھٹائی جائیں گی اور نہ ہی کسی غیر کے اعمال کے سبب سزا دی جائے گی۔ اس بات کی نفی نہیں ہے کہ کسی غیر کے اعمال سے جزا کے طور پر کوئی فائدہ بھی نہیں اٹھائے گا۔ کیونکہ مُردوں کا زندوں کے ہدایا سے نفع اٹھانا اپنے اعمال پر جزا کے طور پر نہیں ہے بلکہ صرف صدقۃ الیہ ہے اور اس کا فضل و کرم ہے۔ اس نے غیر اجزا کے طور پر اپنے بندے کے عمل کا ثواب جو اس نے ہبہ کر دیا تھا اسے دے دیا ہے۔

غیر اعمال کا ثواب۔ یاد رہے کہ صدقہ جاریہ والی حدیث سے استدلال قطعی غلط ہے۔ درست نہیں کیونکہ اس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے کے انقطاع عمل کی خبر دی ہے۔ انتفاع عمل کی نہیں۔ اغیار کے اعمال کا ثواب عاملین کے لیے ہے۔ اگر کوئی عامل اپنے کسی عمل کا ثواب کسی مُردے کو بخش دے تو اسے اس عامل کے عمل کا ثواب پہنچ جائے گا اور اپنے عمل کا نہیں کیونکہ مرنے سے اپنے عمل کا خاتمہ ہو گیا۔

الحاصل کلام: معلوم ہوا کہ ختم ہونے والی اور چیز ہے اور پہنچنے والی اور چیز ہے۔ یہی اس حدیث کا جواب ہے کہ مردے کے ساتھ اس کی نیکیاں اور عمل ختم ہو جاتے ہیں۔

حوالہ کی کیفیت: تمہارا یہ کہنا کہ ہدیہ حوالہ ہوتا ہے اور حوالہ اسی حق کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے جو لازم ہوتا ہے۔ درست ہے مخلوق کا حوالہ اسی قسم کا ہوتا ہے۔ مخلوق کا خالق پر حوالہ اس کے علاوہ ہے۔ اس قسم کے حوالہ کا اس قسم پر قیاس کرنا درست نہیں غلط ہے۔ نص اور اجماع سے ثابت ہے کہ اگر مُردے کا قرض ادا کر دیا جائے یا اس کی طرف سے حقوق واجبہ ادا کر دیئے جائیں

اور صدقہ کر دیا جائے اور حج کر لیا جائے تو ان اعمال سے انھیں فائدہ پہنچے گا۔ اس نص اور اجماع کو ہٹانے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اسی طرح روزوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ غلط قیاس شرعی قواعد اور نصوص سے نہیں ٹکرا سکتے۔

ایثار کی کراہت پر سیر حاصل بحث:۔ تمھارا یہ کہنا کہ چونکہ سبب کے ذریعے سے ایثار مکروہ ہے۔ لہٰذا اس کا ایثار بھی مکروہ ہے جو عبادات کی غرض و غایت ہے۔ یعنی ثواب کا ایثار بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے۔ اس کے چند جواب ہیں:۔

۱۔ پہلا جواب:۔ زندگی میں انجام کی سلامتی کی خبر نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ جس پر عبادت کا ایثار ہو وہ مرتد ہو جائے۔ اس صورت میں وہ ایثار نا اہل پر ہو۔ اس لیے علمائے کرام نے عبادات کا ایثار مکروہ قرار دیا۔ مگر یہ خطرہ موت سے جاتا رہتا ہے۔ اس لیے مردے کے لیے ایثار مکروہ نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ علم باطن تو اللہ ہی کو ہے تو ممکن ہے جسے ثواب بخشا گیا ہو وہ باطن میں اسلام پر فوت نہ ہوا ہو۔ اس لیے ثواب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مگر یہ اعتراض نہایت درجہ کمزور ہے اس لیے ثواب بخشنا تو نماز جنازہ اور دعا اور استغفار کی طرح ہے۔ اگر مردہ نا اہل ہے تو اس کا ثواب عاملین پر ہی لوٹ آئے گا۔

۲۔ دوسرا جواب:۔ عبادات کا ایثار عبادات سے بے توجہی اور سستی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اسے جائز قرار دے دیا جائے تو اس کا انجام عبادات سے پیچھے ہٹنا، ان میں سستی کرنا اور ان سے ہاتھ دھو لینا ہے بخلاف عبادات کے ثواب بخشنے کے کیونکہ عامل طمع ثواب کی غرض سے ان میں رغبت کرتا ہے اور انھیں بھاگ کر کرتا ہے تاکہ خود فائدہ اٹھائے یا

اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچائے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

۳۔ تیسرا جواب:۔ ایثار عبودیت کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تبارک کو عبادات میں دوڑ دھوپ اور رغبت محبوب ہے۔ جیسے دنیا کے بادشاہ اپنی خدمات میں پوری توجہ اور انتہائی دلچسپی چاہتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادات کو واجب فرما دیا ہے یا مستحب۔ اگر کوئی عبادت میں ایثار کرتا ہے تو واجب یا مستحب کو ترک کر کے غیر پر ٹال دیتا ہے اور خود دست بردار ہو جاتا ہے۔ اس صورت سے عبادت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

ثواب کا اعلیٰ طریقہ:۔ اس کے برعکس اگر خود عبادت کر کے اس کا ثواب کسی اور کو بخش دے تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔ فرمایا السابقوا الی مغفرۃ الخ اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے مساوی ہے۔ فرمایا فاستبقوا الخیرات نیکیوں میں پہل کیجئے۔

ماحصل کلام:۔ ظاہر ہے کہ عبادات میں ایثار ان میں سبقت کرنے اور دوڑنے کے الٹ ہے۔ صحابہ کرام عبادات میں سے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی جدوجہد کیا کرتے تھے اور کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کا راز:۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ واللہ ابوبکر کی اور میری جس نیکی میں دوڑ ہوئی تو ابوبکر مجھ سے سبقت لے گئے۔ بالآخر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہار کر کہا کہ میں اس کے بعد پھر کبھی بھی کسی نیکی میں تمہارے ساتھ دوڑ نہ لگاؤں گا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون اور اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیئے۔ یعنی مقابلہ

کی غرض سے رغبت کرنی چاہیئے کہ میں ہی سب سے پہل کروں اور ایثار میں بجائے رغبت کے اعراض کا پہلو نکلتا ہے۔

زندوں اور مردوں کے ثواب میں راز۔ اس میں دو قسم کے جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ زندوں کو بھی ثواب بخشنا جائز ہے۔ بعض اصحاب احمد بن حنبل کا یہی قول ہے۔ قاضی کا فرمان ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مردے کی تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُن کا فرمان ہے کہ نیکی کر کے اس کا ثواب نصف نصف والدین کو بخش دیا جائے اس پر ابوالوفا ابن عقیل نے اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عقل سے دُور ہے۔ شریعت مطہرہ کے ساتھ مذاق ہے اور اللہ کی امانت میں بے جا تصرف ہے۔ اللہ کریم نے بعد از موت ہمیں ایصال ثواب کا طریقہ استغفار اور نماز جنازہ کا راستہ بتا دیا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ جس طرح کہ زندگی میں کوئی کسی کا قرضہ کا بوجھ اٹھا لیتا ہے تو مرنے پر بھی اُسی طرح اُٹھا سکتا ہے۔

مشابہ حیات و ممات:۔ حیات و ممات کی ضمانت میں کیا فرق ہے۔ دونوں سے مطالبہ ختم ہو جاتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو زندگی اور موت دونوں حالتوں میں ایصالِ ثواب قرینِ قیاس ہے۔ اگر دونوں حالتوں میں ایصال ثواب درست ہو تو ضرور ہے کہ زندوں کے گناہ دوسرے زندوں کی توبہ سے مٹ جائیں اور غیر کے اعمال سے ان سے آخرت کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

لزوم باطلہ:۔ میں کہتا ہوں کہ یہ لزوم باطل ہے بلکہ زندہ حضرات کا دوسروں کی دعا اور استغفار سے نفع حاصل کرنا اور ان کے قرض کو ادا کرنے سے سبکدوش ہو جانا صاف بتا رہا ہے کہ یہ لزوم باطل ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور اور عاجز زندوں کی طرف سے حج کرنے کی رخصت دی ہے۔ بعض کا یہ

جواب ہے کہ زندگی میں انجام کی سلامتی کا بھروسہ نہیں کیونکہ ہدیہ دیئے جانے والے کے مرتد ہونے کا خوف ہے۔ پھر اسے ہدیہ سے فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ ابن عقیل کا فرمان ہے کہ یہ باطل عذر ہے کیونکہ یہ خوف تو ہدیہ دینے والے کے ساتھ بھی ہے کہ وہ مرتد ہو کر مر جائے اور اس کے اعمال ضائع ہو جائیں جن میں سے ایک عمل کا ثواب ہدیہ میت بھی تھا۔ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ یہ لزوم ہی باطل ہے۔ نص اور اجماع کے دلائل اسے باطل کر رہے ہیں کیونکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور روزے کی میت کی طرف سے اجازت دی ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اگر زندہ مردے کی طرف سے قرض ادا کرے تو وہ بری ہو جائے گا۔

حالانکہ مذکورہ بالا خدشات دونوں کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ بھی

ارتداد کے اثرات: جواب دیا جا سکتا ہے کہ زندہ نے مردہ کو جن نیکیوں کا ثواب بخشا ہے اب وہ مردے کی ملکیت بن گیا ہے۔ اب اگر زندہ مرتد ہو جائے تو وہ باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی ملکیت سے نکل گیا۔ مثال کے طور پر مرتد ہونے سے پہلے غلام آزاد کیے تھے یا کفارہ دیا تھا تو ظاہر ہے کہ ارتداد کا ان تصرفات پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ بلکہ اگر لاچار زندہ کی طرف سے حج بھی کیا تھا تو ارتداد سے اس کے حج پر اثر نہیں پڑے گا کہ اب وہ کسی اور سے حج کرائے کیونکہ جس سے بھی حج کرائے گا اس کے ساتھ بھی یہی خدشہ موجود ہے۔

اس کے علاوہ زندوں اور مردوں میں فرق ہے زندہ

زندہ کا لا محتاج ہونا: مردے کی طرح محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ کو عمل کا موقع حاصل ہے ممکن ہے وہ خود عمل کرے۔ لیکن مردے کو یہ موقع حاصل نہیں۔ نیز اگر کسی زندہ کے عمل سے یا تو یہ سے دوسرے زندہ اصحاب کو فائدہ پہنچنا تسلیم کر لیا جائے تو لوگ اپنی عبادات کا بوجھ عزیز و اقارب پر ڈال دیں۔ کیونکہ وہ کرائے پر آدمی

کر کے اپنی عبادات ان سے ادا کرالیا کریں - اور عبادات معاوضہ سے حاصل کی جا سکیں جس کا لازمی نتیجہ فرائض اور نوافل کو ساقط کرا دینا ہے۔ اور جو عبادات قرب خداوندی کا ذریعہ ہیں وہ آدمیوں کے قرب کا ذریعہ بن جائیں۔ اخلاص سے خالی ہو جائیں اور کسی کو بھی ثواب نہ ملے نہ ہی کرنے والے کو ملے اور نہ ہی کرانے والے کو ملے۔ ہم اُس عبادت پر جو قرب کا ذریعہ ہو اُجرت لینے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اجرت لینے سے اجر ختم ہو جاتا ہے۔

اجر کے اعمال کا انحصار ۔ اجر انہیں حاصل ہوتا ہے جو خاص طور پر اللہ کے لیے عمل کرتے ہیں۔ شرع کے حسن کی یہ شان نہیں کہ عبادات کو معاملات بنا دیا جائے کہ ان سے اُجرت اور روزی مدنظر ہو۔ قرض وغیرہ کی ضمانت اس لیے روا ہے کہ یہ مخلوق کے حقوق ہیں۔ ان میں آپس کی زندگی میں بھی ضمانت جاری ہوتی ہے اور مرنے کے بعد بھی ہوتی ہے۔

جزئی ایصال ثواب کی حقیقت کا انکشاف ۔ تمہارا یہ کہنا کہ اگر کسی عمل کا ایصال ثواب روا ہو تو جزئی ایصالِ ثواب بھی روا ہونا چاہیئے۔ غلط ہے۔ ہم اسے نہیں مانتے کہ کلی ایصال جائز ہو تو جزئی بھی جائز ہو۔ کیونکہ یہ صرف تمہارا دعویٰ ہے جو تشنۂ دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اگر جزئی ایصال ثواب بھی تسلیم کر لیا جائے تو کون سی خرابی ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس کی تصریح فرمائی ہے کہ انسان اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کرے روا ہے کہ اگر ایک عمل کا تمام مُردوں کو ثواب پہنچائے تو سب کو پہنچ جائے گا۔ مثال کے طور پر چار کو پہنچائے تو چاروں کو چوتھائی پہنچ جائے گا۔ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ شرط منقول نہیں ہے اور نہ ہی پہلے علماء کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ البتہ پچھلے علماء میں سے قاضی

وغیرہ نے یہ شرط لگائی ہے جس نے عمل کے شروع میں ایصالِ ثواب کی نیت کی شرط لگائی ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ عمل کا ثواب بلاواسطہ مُردے کو پہنچ جائے۔ اور جس نے عمل کرکے بعد میں ایصالِ ثواب کی نیت کی پہلے اسے اس عمل کا ثواب ملے گا پھر وہ ثواب اس سے منتقل ہو کر میت کو پہنچ جائے گا۔

حضرت ابوعبداللہ بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ردا اور غیر ردا پر تبصرہ: کہ اگر شروع عمل میں ایصالِ ثواب کی نیت و ارادہ نہیں کیا تو عمل کا ثواب عمل کرنے والے کو ملے گا جو انتقال کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ عمل پر ثواب اس طرح مرتب ہوتا ہے جیسے موثر پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ اسی سبب سے اگر کسی نے اپنی طرف سے غلام آزاد کیا تو حق ولا اسی کو ملے گا اس سے دوسرے کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ ہاں اگر شروع میں غیر کی طرف سے آزاد کرے گا تو حق ولا غیر کو پہنچے گا اسی طرح اگر کوئی اپنی جانب سے قرض ادا کرے اور ادا کرنے کے بعد نیت بدل کر یہ نیت کرلے کہ زید کی طرف سے ادا کر دیا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اپنا حج کرے یا اپنا روزہ رکھے یا اپنے لیے نماز پڑھے پھر غیر کی طرف سے نیت و ارادہ کرے تو جائز نہیں۔

بارگاہِ رسالت سے حکمات ازلیہ کا انکشاف: جنہوں نے حضور نبی کریم وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔ سے ایصالِ ثواب کا مسئلہ دریافت کیا تھا تو یہی دریافت کیا تھا کہ جو ہم اپنی جانب سے صدقہ کر چکے کیا اس کا ثواب انہیں پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح آپ سے ایک عورت نے دریافت کیا تھا کہ کیا میں اپنی ماں کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ اور ایک آدمی نے دریافت کیا تھا کہ کیا میں اپنے والد کی جانب سے حج کر سکتا ہوں تو آپ نے حج کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اپنی طرف سے کیے ہوئے اعمال کے

ایصال ثواب کے بارے میں تو کسی نے دریافت ہی نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی صحابی نے ایسا کیا ہے کہ پہلے اپنے لیے عمل کیا ہو۔ پھر اس کا ثواب دوسرے کی طرف منتقل کردیا ہو۔ یہ شرط کا نکتہ ہے۔ لیکن جو شرط کے قائل نہیں ہیں وہ انتقال ثواب کے بھی قائل نہیں ہیں۔

ساقط اور غیر ساقط کا فلسفہ:۔ جو ابتدائی طور پر نیت کی شرط کے قائل ہیں جو کہ ایصالِ ثواب کے ضمن میں ہیں تو ان پر یہ الزام نہیں آسکتا کیونکہ غیر کی طرف سے ادا کرنے سے اپنا فرض ساقط نہیں ہوتا۔ ہاں جس نے نیت کی شرط نہیں لگائی اس پر الزام ضرور آتا ہے جو وہ جواب رکھتا ہے۔ ابو عبداللہ بن حمدان کا فرمان ہے کہتے ہیں کہ اگر فرض نماز یا فرض روزے وغیرہ کا ثواب کسی غیر کو ہدیہ کر دیا جائے تو جائز ہے اور فاعل کے ذمہ سے فرض بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے فرضی اور نفلی اعمال کا ثواب لوگوں کو بخش دیا اور فرمایا کہ ہم اللہ سے خالی ہاتھ ملاقات کریں گے۔ اس سے شریعت منع نہیں کرتی۔ ثواب عمل کرنے والے کی ملکیت ہے۔ اگر وہ اسے اغیار کو بخش دیتا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ بعض کے نزدیک روا نہیں ہے مگر پہلا قول ہی صحیح ہے۔

فرشتوں کا مومنین کے لیے دعا و استغفار کرنا:۔ یہ اشیاء شریعت مطہرہ میں منع نہیں ہیں کہ مسلمان اپنے بھائی کو کسی عمل سے فائدہ پہنچائے بلکہ یہ پروردگار عالم کی مہربانی اور اس کے احسان کا تتمہ اور اس کی شریعت کا جو عدل و احسان اور تعارف پر مبنی ہے تکملہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو اور عرش اٹھانے والے فرشتوں کو مومنین کے حق میں دعا اور استغفار کے لیے کھڑا کر دیا ہے۔ وہ بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں برائیوں سے بچائے اور حضور سید عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بخشش کی دعا کریں۔ بروز محشر آپ کو مقام محمود میں کھڑا کر دیا جائے گا تاکہ آپ اللہ کو ایک ماننے والوں کی شفاعت فرمائیں۔ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے آپ کو حکم فرمایا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کرام کے لیے دعا فرمائیں۔ حیات وممات دونوں میں۔ آپ قبرستان میں جا کر ان کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔

ایک مسئلہ کا حل - شریعت مطہرہ میں یہ تسلیم شدہ مسئلہ ہے کہ جو فرض کفایہ ہے اگر اسے کوئی ایک قابل بھروسہ مسلمان ادا کر دے تو یہ تمام کی طرف سے ساقط ہو جائے گا۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ میت کی طرف سے حق ادا کرنے پر دخول جنت کی رکاوٹ اور قبر والی تپش کو دور فرما دیتا ہے۔ گو مکلف کے حق میں وہ وجوب امتحان ہے۔ اسی طرح امام کی نماز صحیح ہونے کی وجہ سے مقتدی سے سجدہ سہو ساقط ہو جاتا ہے اور امام کی قرأۃ سے مقتدی کی قرأت ساقط ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امام کے سترے سے مقتدی کا سترہ ساقط ہو جاتا ہے۔

احسان کیا ہے؟ ایصالِ ثواب کے احسان کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان نمونہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مخلوق اللہ تبارک و تعالیٰ کی اولاد ہے۔ اللہ کو سب سے بڑھ کر محبوب ہے جو اس کی اولاد کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ثابت ہو۔ پھر جب اللہ تبارک و تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی مخلوق کو پانی کا ایک گھونٹ یا تھوڑا سا دودھ یا روٹی کا ٹکڑا دے دے تو ان سے کیسے محبت نہ کرے گا جو اس کی مخلوق کی حالت ضعف اور حالت فقر میں جب کہ انھیں عمل کا موقع بھی نہیں ملتا اور سخت حاجت مند ہیں نفع پہنچائے۔ یہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کو تمام خلق میں سب سے زیادہ محبوب ہونا چاہیے۔ یہ حقیقت ہے۔

اجر کا ضائع نہ ہونا:۔ سلف صالحین کا قول ہے کہ جس نے روزانہ ستر دفعہ یہ دعا کی رب اغفرلی ولوالدی وللمسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات ۔اے پروردگار مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے ۔ تو اسے تمام مسلمانوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ کوئی دُور کی بات نہیں کیونکہ جس نے اپنے بھائیوں کے لیے بخشش کی دُعا کی اس نے اس سے حسن سلوک کیا اور اللہ حسن سلوک کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔

ایصال ثواب کا روا اور ناروا ہونا:۔ یاد رہے کہ یہ لزوم باطل ہے کیونکہ یہ قیاس نصوص اور اجماع سے ٹکراتا ہے اور نص کے مقابلہ میں قیاس کی کوئی بھی وقعت نہیں ۔ اس صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کا حکم جداگانہ رکھا ہے ان کا حکم ایک کر دیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسرے کی جانب سے اسلام اور توبہ قبول نہیں فرمائی البتہ صدقہ، حج اور آزاد کرنا قبول فرمایا ہے۔ لہٰذا دونوں کا حکم مساوی کرنے والا قیاس ایسا ہے جیسے کوئی مردار ذبح شدہ جانوروں کا اور سود اور بیع کا ایک ہی حکم بتائے کہ یہ دونوں حلال ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں میں اسلام کا ایک ہمہ گیر رشتہ قائم فرمادیا ہے جو زندگی میں بھی اور بعداز موت ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے کا قوی سبب ہے ۔اگر یہ رشتہ قائم نہ ہو تو پھر فائدہ پہنچنا ناممکن ہے جیساکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر تمہارے باپ توحید پرست ہوتے اور تم ان کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے تو یہ عمل انھیں فائدہ پہنچاتے ۔

اسباب کا اثبات:۔ اسلام اور توحید کے ہوتے ہوئے ہی اعمال کا فائدہ پہنچتا ہے ۔اگر خود عامل اسلام اور توحید سے محروم ہے تو اسے

خود بھی اپنے نیک اعمال سے نفع حاصل نہیں ہوتا۔ جیسے خلوص اور اتباع سنت عمل کی قبولیت کی شرط ہے اور جیسے وضو اور نماز کی دوسری شرائط نماز کی صحت کے لیے ضروری ہیں۔ یہی حال تمام اسباب اور مسببات کا ہے چہ جائیکہ شرعی ہوں یا عقلی ہوں یا حسی ہوں جو وجود سبب و عدم سبب والی دونوں حالتوں کو برابر کر دے وہ قطعی نادان ہے۔ یوں کیوں نہیں کہتے کہ اگر نافرمانوں کے حق میں شفاعت قابل قبول ہے تو مشرکین کے حق میں بھی قابل قبول ہوگی یا اگر توحید والے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے تو سب کے سب کفار بھی نکال لیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کا حکم ایک نہیں۔ بہر حال اہل علم کو ان خرافات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اگر لوگ اپنے اعمال نامے لوگوں میں اس قسم کی کتابیں پھیلا کر سیاہ نہ کرتے۔ اس کا جواب عبادات کی دونوں اقسام ہیں۔

نیابت کی قبولیت کا راز: ایک قسم نیابت قبول کرتی ہے اس میں تو ایصال ثواب جائز ہے اور دوسری قبول نہیں کرتی اس میں ایصال ناجائز ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہی ہے اس کی دلیل کیا ہے؟ تم نے یہ کہاں سے امتیاز کر لیا اور اس پر قرآن و حدیث یا قیاس سے کوئی دلیل ہے۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے میت کی طرف سے روزے رکھنے جائز قرار دیئے ہیں حالانکہ روزے نیابت قبول نہیں کرتے۔ ایسے ہی فرض کفایہ میں ایک شخص سب کی طرف سے عبادت انجام دے سکتا ہے تو فرض سب کی طرف سے ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح نا سمجھ بچے کا سرپرست اس کی طرف سے حج کر سکتا ہے اور اپنے نائب کے فعل سے اسے اجر ملتا ہے۔

امام اعظم کا فرمان: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ بے ہوش کی طرف سے اس کے رفقاء حرام باندھ سکتے ہیں

اسی طرح شارع علیہ السلام نے والدین کے اسلام کو ان کے بچوں کے اسلام کا درجہ دیا ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ کس طرح شریعت نے نیکیاں فاعل سے غیر فاعل کی طرف منتقل کر دیں۔ بھلا ایسی کامل شریعت انسان کو والدین کے ساتھ یا اعزہ و اقربا کے ساتھ یا دیگر مسلمانوں کے ساتھ سخت ضرورت کے وقت ایصال ثواب سے روک سکتی ہے۔ ہر گز نہیں۔ نہ ہی کسی شخص کے لیے یہ زیبا ہے کہ عام کو خاص اور تنگ کر دے یا کسی ایسی نیکی سے روک دے جس سے شریعت نے نہیں روکا ہے۔ جو سبب حج، صدقے اور آزاد کرنے کے ثواب پہنچنے کا ہے۔ وہی سبب بعینہ روزے، نماز، تلاوت اور اعتکاف کے ثواب پہنچنے کا ہے۔ یعنی اسلامی رشتہ اور ثواب پہنچانے والے کا احسان اور شریعت کی احسان کے سلسلے میں عدم رکاوٹ بلکہ شریعت نے ہر حالت میں احسان کو بہتر جانا ہے۔

مسلمانوں کے شمار سے باہر خواب ہیں

خواب کی حقیقت کا انکشاف:۔ کہ مُردوں نے انہیں بتایا کہ تمہارے فرستادہ ہدایا ہمیں وصول ہو گئے۔ اگر ہم اس سلسلہ میں اپنے زمانے کے مسلمانوں کے اور اپنے عہد کے پہلے کے مسلمانوں کے خواب رسالہ ہذا میں جمع کر دیں تو رسالہ بہت لمبا ہو جائے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس پر موافق ہیں کہ شب قدر آخری عشرے میں ہے آپ نے اہل ایمان کے خوابوں کے توافق کا اعتبار کیا۔ یہ اعتبار ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کی روایات کے توافق کا اعتبار ہے۔ کیونکہ جب ایک بات پر بکثرت روایات یا خواب جمع ہو جائیں تو وہ اس کی سچائی کی دلیل ہیں۔ کیونکہ عقل کا تقاضا ہے کہ سب کے سب جھوٹ نہیں بول سکتے۔

صداقت حدیث:۔ تم نے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات

کی یہ حدیث کہ جو مر جائے اور اُس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اُس کا ولی رکھ لے۔ چند معقول نامعقول دلائل سے رد کر دی۔ ہم اس کی حمایت میں کھڑے ہو کر تمہارے دلائل سے اس کی موافقت ثابت کرتے ہیں۔ نامعقول دلائل کو مٹانے کے لیے تو یہی کافی ہے کہ وہ صریح اور صحیح احادیث سے ٹکراتے ہیں۔ اور صحیح و صریح احادیث کے ہوتے ہوئے ہمیں سوائے اطاعت و قبول کے کوئی چارا نہیں۔ گو کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔ ہمیں کسی کے ماننے سے غرض نہیں بلکہ ہمیں تو غرض اللہ اور اس کے رسول سے ہے۔ معقول دلائل مندرجہ ذیل جوابات پر مشتمل ہیں۔

ایک عظیم فلسفیانہ جواب:۔ تم کہتے ہو کہ موطا میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے۔

ہم کہتے ہیں کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے کہ مسلمان مسلمان کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے۔ اب بتلائیے صراط مستقیم پر کون ہے ہم ہیں یا تم ہو اور کس کی تردید حق پر مبنی ہے۔ تم کہتے ہو کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اہل اسلام کے اجماع کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اپنے علم کے مطابق اہل مدینہ کا اجماع نقل کیا ہے جبکہ مخالفین کا قول آپ کے علم میں نہیں تھا۔ ہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے عدم علم سے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حدیث کو نہیں چھوڑ سکتے۔ بلکہ اگر تمام اہل مدینہ بھی کسی بات پر متفق ہوں اور حدیث ان کے خلاف ہو تو معصوم نبی کی حدیث کا تسلیم کرنا بہتر خیر و برکت کا سبب ہے۔ کیونکہ دوسرے معصوم نہیں ہیں۔ گو مقام میں وہ کس قدر بالا ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے اقوال کو دلیل کے لیے معیار مقرر نہیں کیا کہ اختلاف کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ بلکہ یہ فرمایا ہے فان تنازعتم الخ اگر تم کسی مسئلہ میں اختلاف پاؤ تو اسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف لوٹا دو۔ اگر تمہارا اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے۔ اس میں تمہارے لیے بہتری ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی درست ہے۔ اچھا اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہلِ مدینہ مردوں کی طرف سے روزے رکھنے کے قائل نہیں تو دیکھئے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ رمضان کے مہینوں میں کھانا کھلا دیا جائے اور نذر کے روزوں میں روزے رکھے جائیں۔ امام احمد بن حنبل اور اکثر صحابہ کرام حدیث اور حضرت ابو عبید کا یہی قول ہے۔

ابو ثور کا فرمان ہے کہ نذر وغیر نذر ہر قسم میں روزے رکھے جائیں۔

حسن بن صالح نذر کے روزوں میں فرماتے ہیں کہ اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ سکتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا حقیقی مفہوم

تم کہتے ہو مردے کی جانب سے روزہ رکھنے کی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آئی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کا یہ فرمان ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابی کا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہے۔ فتویٰ سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ روایت معصوم ہے اور فتویٰ معصوم نہیں ہے۔ ممکن ہے فتویٰ دیتے وقت حدیث یاد نہ رہی ہو۔ یا حدیث تو یاد ہو مگر اس کی تاویل کرتے ہوں یا ان کے گمان میں اس کے خلاف کوئی دوسری حدیث ہو جسے ترجیح دیتے ہوں۔

حقیقت پوچھئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ بھی حدیث مختلفہ روایات و... کے خلاف نہیں۔ کیونکہ آپ نے رمضان کے روزوں میں تو یہ فتویٰ دیا کہ کوئی کسی کی طرف سے روزے نہ رکھے۔ اور نذر کے روزوں میں اس

کے برعکس فتویٰ دیا۔ یہ فتویٰ آپ کی روایت کے خلاف نہیں بلکہ آپ نے روایت کو نذر کے روزوں پر محمول کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی آئی ہے۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی روایت کے خلاف کیا تو کیا ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خلاف کرنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول رد کرنا ابن عباس کے قول سے حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت رد کرنے سے اولیٰ ہے۔

اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دونوں قسم کی روایات ہیں لہٰذا مخالف روایت سے حدیث کو چھوڑ دینا حدیث سے مخالف روایت کو چھوڑ دینے سے اولیٰ نہیں ہے۔ تم یہ کہتے ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔ یہ بات صرف قیاس اور ناقابلِ قبول یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اور اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ اسے شیخین نے روایت کیا ہے اور کسی نے بھی سند میں اختلاف نہیں کیا۔

امامین کا عمل:۔ ابن عبد البر یہ حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے اور اس کی طرف گئے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کو اس کی صحت پر موقوف رکھا ہے۔ چونکہ حدیث بغیر شبہ کے صحیح ہے۔ اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہی اکثر اصحاب شافعی علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔

قضا کا جواز:۔ مُردے کی طرف سے قضا کا جواز حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت عطا اور حضرت عکرمہ کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایات سے ثابت ہے۔ اکثر کی روایات میں ہے کہ ایک عورت نے پوچھا۔ شاید وہ عورت حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا کے علاوہ ہو۔ بعض کی روایات میں ہے کہ آپ

نے فرمایا تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لیجئے۔ اس پر مزید لکھا جائے گا۔

کیونکہ لیس للانسان الا ما سعیٰ سے اس

علم احادیث میں مطابقت: حدیث کا تصادم نہیں۔ تم نے الفاظ کا ادب مدنظر نہیں رکھا۔ اور معانی سمجھنے میں سخت غلطی کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ آپ کی احادیث قرآن کی آیات سے ٹکرائیں بلکہ احادیث آیات کی تائید و حمایت کرتی ہیں۔ دیکھئے تعصب اور بے جا تقلید کیا کیا گل کھلاتی ہے۔ اس سے قبل آیات پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ آیت و حدیث میں ٹکراؤ سوء فہم کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ بدترین طریقہ ہے کہ آیات کے ظاہری معنی سے صحیح احادیث کو رد کر دیا جائے۔ پورا علم احادیث کو آیات کے موافق بناتا ہے کیونکہ احادیث قرآن ہی سے لی ہوئی ہیں۔ اور ان کا وہی معلم ہے جو قرآن کا معلم ہے۔ لہٰذا احادیث قرآن کی تفسیر ہیں۔ قرآن سے کیوں ٹکرانے لگیں؟۔

تم کہتے ہو کہ مردے کی طرف سے روزہ رکھنے

مردے کیلئے احادیث کا تقرر: والی حدیث نسائی کی حدیث سے ٹکراتی ہے مگر یہ تمہاری قابل افسوس غلطی ہے کیونکہ نسائی میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ بھلا ابن عباس کے قول کی حدیث کے ہوتے ہوئے کیا قدر و قیمت ہے۔ کسی صورت سے بھی حدیث پر ابن عباس کے قول کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ حالانکہ ابن عباس ہی سے روزہ رکھنے والی حدیث آئی ہے۔ پس نسائی میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں بلکہ مسلم کی بریدہ والی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ میری ماں کا وصال ہو گیا ان پر ایک مہینہ کے روزے تھے۔ فرمایا تم اپنی ماں کی طرف سے

روزے رکھ لیجئے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھ لے۔

تم کہتے ہو کہ روزے والی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث سے بھی ٹکراتی ہے۔ افسوس یہ حدیث بھی آپ پر بہتان ہے۔

علامہ بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث درست و صحیح نہیں ہے۔ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کثیر الوہم راوی ہے بلکہ اصحاب نافع نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن عمر کا قول کہا ہے۔

تم کہتے ہو کہ یہ حدیث قیاس جلی کے بھی خلاف ہے۔

قیاس جلی اور غیر جلی:- ہم کہتے ہیں کہ واللہ تمہارا یہ قیاس جلی پھونک دینے کے قابل ہے کہ اس سے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والتسلیمات کی صحیح اور صریح حدیث کو رد کرتے ہو۔ یہی سنت اس کے غلط ہونے پر شاہد ہے۔

کافر اور ایصال ثواب:- ہم نے اس سے قبل بیان کیا کہ کافر کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے اسلام قبول کرنے میں اور مسلمان مردے کے ایصال ثواب میں کھلا فرق ہے۔ ان دو مسائل میں فرق تو روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اس سے بڑھ کر غلط اور کونسا قیاس ہوگا کہ مسلمان مردے کے ایصال ثواب کو کافر مردے کی طرف سے قبول اسلام پر قیاس کیا جائے۔

حضرت امام شافعی کی تنقید:- حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث میں حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا کی نذر متعین نہیں ہے۔ نامعلوم کہ حج کی نذر تھی یا عمرے کی یا صدقے کی۔ اس کا جواب بیہقی نے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے

بڑے حمایتی ہیں یہ دیا ہے کہ ابن جبیر، مجاہد، عطا اور عکرمہ کی ابن عباس والی روایات
سے مردے کی طرف سے قضا کا جواز ثابت ہو گیا۔

بحث برائے بحث :- بکثرت روایات میں ہے کہ ایک عورت نے پوچھا تھا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ وہ عورت حضرت ام سعد رضی اللہ
عنہ کے علاوہ ہے۔ بعض کی روایت میں ہے کہ حضور سید یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
نے فرمایا کہ تم اپنی والدہ کی طرف سے روزے رکھ لو۔ اس کی شہادت بریدۃ اسلمی والی روایت
دیتی ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں کا وصال ہو گیا اور ان کے ذمے ایک ماہ کے روزے
ہیں۔ فرمایا تم اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ لو۔ میں کہتا ہوں کہ ابن ابی شیبہ کی ابن
عباس والی روایت میں ہے کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات
سے ایک شخص نے آکر دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ان کے ذمے ایک ماہ
کے روزے تھے کیا میں ان کی طرف سے قضا کر لوں؟ فرمایا اگر ان پر قرض ہوتا تو کیا تم
اسے ادا کرتے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا تو رب تعالیٰ کا قرض سب سے پہلے ادا کرنا چاہیئے۔

صراحت حدیث :- اس روایت کو ابو خثیمہ نے بھی بیان کیا ہے اور امام نسائی نے بھی۔ ام سعد رضی اللہ عنہ والی حدیث سے اس کی سند بھی
جداگانہ ہے اور متن بھی جداگانہ ہے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حدیث میں محفوظ نذر مطلق ہی ہے
تو اعمش والی حدیث میں تو روزوں کی صراحت ہے۔ اس کے علاوہ حضور سید عالم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کا نذر کے متعلق تفصیل کے طور پر حالات معلوم نہ کرنا بتا رہا ہے کہ روزوں
اور نماز کی نذر میں کوئی فرق نہیں۔ ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ پوچھ کر کہ روزوں کی نذر
تھی یا نماز کی جواب دیتے۔

اقوال العلماء :- مردوں کی جانب سے روزے رکھنے کے متعلق علمائے کرام کے یہ قول اس لیے بیان کیے جاتے ہیں تاکہ کسی کو اس مسئلہ کے خلاف اجماع کا

وہم نہ ہو۔ ابن عباس اور امام احمد نے کہا کہ نذر کے روزے رکھے جائیں اور رمضان کے روزوں کا کفارہ دیا جائے۔ ابو ثور، داؤد بن علی و اصحاب داؤد نے کہا کہ دونوں قسم کے روزے رکھے جائیں۔ اوزاعی اور ثوری نے کہا کہ روزوں کا کفارہ دیا جائے ورنہ روزے رکھے جائیں۔ ابو عبید قاسم بن سلام نے کہا کہ نذر کے روزے رکھے جائیں اور فرض میں کھانا کھلایا جائے۔ حسن بصری نے کہا کہ مرنے والے پر ایک ماہ کے روزے ہوں اور اس کی طرف سے ایک ہی دن تیس آدمی روزے رکھ لیں تو جائز ہے۔

مُردوں کے لیے خرچ کا ثواب حاصل ہونا

اور یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے جس کی سنت تردید کرتی ہے کیونکہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا کہ تم اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرو۔ ان احادیث میں آپ نے بتایا کہ نفس حج میت کی طرف سے ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ حج پر جو خرچہ آتا ہے وہ میت کی طرف سے واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نے اس سے کہا جو شبرمہ کی طرف سے لبیک کہہ رہا تھا کہ پہلے اپنی طرف سے حج کیا جائے پھر شبرمہ کی طرف سے۔ اسی طرح جب ایک عورت نے اپنے بچے کے بارے میں جو اس کے پاس تھا پوچھا کہ کیا اس کے لیے حج ہے تو فرمایا ہاں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے لیے خرچہ کا ثواب ہے۔ بلکہ فرمایا کہ اس کے لیے حج ہے۔ حالانکہ بچہ نے حج کے لیے کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ کیا اس کی طرف سے کیا۔ اس کی ماں نے کیا اس کے علاوہ کبھی مُردے کی طرف سے حج کرنے والا حاجی خرچہ کے علاوہ کچھ بھی خرچ نہیں کرتا۔ لہٰذا اس قول کو سنت اور قیاس دونوں رد کرتے ہیں۔

ایصالِ ثواب اور اخلاص

احادیث مطلق ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں بھی یہ نہیں

بتا یا کہ یہ بھی کہو کہ الٰہی یہ فلاں بن فلاں کی طرف سے ہے۔ صرف ارادہ اور نیت ہی کافی ہے۔ لہٰذا اگر نیت کے ساتھ الفاظ بھی کہے جائیں تو بہت بہتر اور اگر نہ کہے جائیں تو ثواب پھر بھی پہنچ جائے گا کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کی نیت اور ارادے سے واقف ہے۔ غالباً اسی وجہ سے شرط لگانے والوں نے شروع فعل میں نیت کی شرط لگائی ہے۔ ہاں اگر کوئی عمل صرف اپنے لیے ہی کیا ہو تو پھر اس کے ثواب کی کسی اور کے لیے نیت کر لی ہو تو اس میں صرف نیت ہی کافی نہیں جیسے اگر کوئی کسی کو کچھ ہبہ کرنے یا غلام آزاد کرنے یا صدقہ کرنے کی نیت کرے تو یہ صرف نیت ہی سے حاصل نہیں ہوں گی۔

زکوٰۃ کا ساقط ہونا:- مزید وضاحت کے لیے یوں سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے کوئی مکان بنوائے کہ اسے مسجد یا مدرسہ یا مسافر خانہ بنادے گا تو نیت ہی کے ساتھ وہ مکان وقف ہو جائے گا۔ اگرچہ الفاظ استعمال نہ کیے ہوں تو اسی طرح اگر زکوٰۃ کی نیت سے کسی گداگر کو کچھ دیا ہو تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ اگرچہ الفاظ استعمال نہ بھی کیے ہوں۔ اسی طرح اگر کسی کی طرف سے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ ہو قرض ادا کر دے تو وہ بری ہو جائے گا خواہ یہ نہ کہا ہو کہ یہ فلاں کی جانب سے ہے۔

ثواب اور شرائط:- یہ شرط بیکار ہے۔ نہ ہی شرط کی نیت کی جائے اور نہ ہی اس قسم کے الفاظ استعمال کیے جائیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ثواب پہنچائے گا خواہ شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے۔ ثابت قدمی کی شرط کا انحصار اس پر ہے کہ عمل کا ثواب پہلے عمل کرنے والے کو ملے۔ پھر اس سے منتقل ہو کر دوسرے کو ملے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب عمل کرنے والے نے عمل کے وقت ارادہ کر لیا کہ یہ عمل فلاں کی جانب سے ہے تو فلاں کو اس کا ثواب براہ راست

پہنچ جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی کسی دوسرے کی طرف سے اپنا غلام آزاد کرے تو یہ کوئی نہیں کہتا کہ حق ولا پہلے تو آزاد کرنے والے کو ملے گا پھر اس سے منتقل ہو کر اسے ملے گا جس کی طرف سے غلام آزاد کیا گیا ہے۔ ایصال ثواب کا مسئلہ ایسا ہی ہے۔

افضل ہدیہ کا انکشاف: ہدیہ وہ افضل ہے جو ذاتی طور پر افضل ہو مثال کے طور پر غلام آزاد کرنا، صدقہ کرنا روزوں سے بھی افضل ہے۔ اور افضل صدقہ وہ ہے جس کی صدقہ دیئے جانے کی ضرورت ہو اور ہمیشہ کے لیے ہو۔ اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل صدقہ پانی پلانا ہے۔ یہ اس مقام پر جس مقام پر پانی کی کمی ہو۔ اور تشنگی بجھانے کے لیے پانی کافی نہ ہو۔ ورنہ جس جگہ نہریں اور چشمے ہوں وہاں پانی سے افضل کھانا کھلانا ہے۔ اسی طرح دعا اور استغفار اگر خلوص دل سے عاجزی کے ساتھ ہو تو اپنے مقام پر صدقہ سے افضل ہے۔

ثواب کا ایک انوکھا انداز: جس طرح کہ اپنے مقام پر نماز جنازہ اور قبر پہ کھڑے ہو کر دعا مانگنا صدقہ سے افضل ہے الغرض اپنے اپنے مقام پر غلام آزاد کرنا، صدقہ کرنا، دعا اور استغفار کرنا، اور حج کرنا سب ہی افضل ہیں۔ اجرت کے بغیر رضا کارانہ طور پہ قرآن خوانی کروا کر ثواب پہنچانا بھی جائز ہے۔ روزوں اور حج کے ثواب کی طرح تلاوت قرآن مجید کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔

اعمال کے ثواب کا راز: اس کے دعوے دار کہتے ہیں کہ یہ کسی سلف سے منقول نہیں۔ حالانکہ وہ ہر نیکی کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ نہ اس سلسلے میں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رہنمائی فرمائی جبکہ آپ نے دعا اور استغفار صدقہ حج اور روزہ وغیرہ کے متعلق صراحت سے

تعلیم دی۔ اگر چہ قرآن مجید فرقان حمید کی تلاوت کا بھی ثواب پہنچا تو حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ضرور بتاتے اور صحابہ کرام اس پر ضرور عمل کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم اعمال کے ثواب کے قائل ہو تو کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب نہ پہنچے۔ جب اعمال کا ثواب پہنچتا ہے تو قرآن کی تلاوت بھی ایک عمل ہے پھر متشابہ اعمال میں تفریق کرنے کا سبب بیان کرو۔ اور اگر تم اعمال کے ثواب کے قائل نہیں ہو تو صریح اور صحیح احادیث کی مخالفت کرتے ہو اور اجماع اور قیاس کے خلاف چلتے ہو۔

تلاوت قرآن کا انوکھا انکشاف۔ یہ بات سلف صالحین میں اس لیے نمایاں نہیں تھی کہ انھیں پڑھنے والوں کا علم نہیں تھا اور نہ وہ موجودہ دور کی طرح خاص طور پر قبور پر جا کر تلاوت کیا کرتے تھے۔ نہ ہی وہ کسی کو قرات پر بلکہ صدقہ اور روزے پر شاہد بنایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر تم سے دریافت کیا جائے کہ سلف میں سے کسی سے یہ منقول ہے کہ اس نے یہ الفاظ کہے ہوں کہ اے اللہ اس روزے کا ثواب فلاں کے لیے ہے تو کیا جواب دو گے۔ سلف حسنات کو پوشیدہ رکھتے تھے لہٰذا ایصال ثواب کے لیے قرات کے عمل کو کیسے ظاہر کرتے۔ یہ مسئلہ حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے صحابہ کرام کو خود بخود نہیں بتایا تھا جس نے جو پوچھا آپ نے اُس کو اُسی کا جواب دے دیا۔ اور انھیں اس کے علاوہ اعمال سے بھی نہیں روکا۔ پھر روزوں کے ثواب میں جو صرف نیت اور کھانے پینے اور جماع سے رک جانا ہے۔ اور ذکر و قرات کے ثواب میں جو عمل ہیں کیا فرق ہے۔ جب روزوں کا ثواب پہنچتا ہے تو ذکر و قراۃ کا ثواب تو سب سے پہلے پہنچنا چاہیئے۔ کسی کا یہ کہنا کہ کسی سلف نے تلاوت قرآن مجید سے ایصال ثواب نہیں پہنچایا اپنی کم علمی کا اظہار ہے۔ کیونکہ یہ اس چیز کی شہادت ہے جس کا وہ علم نہیں رکھتا۔

اسے کیا خبر کہ سلف ایسا کیا کرتے ہوں اور دوسرے کو خبر نہ کرتے ہوں۔ اور ان کی نیت کو غیب کے علم کی خبر نہ ہو۔ جبکہ نیت کو الفاظ سے ادا کرنے کی شرط بھی نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی حکمت یہ ہے کہ ثواب عمل کرنے والے کی ملکیت

حکمات کی پاسداری

ہے۔ اگر وہ حسن سلوک اور نیکی کے طور پر اسے اپنے کسی مسلمان بھائی کو وقف کر دے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا ثواب اس تک پہنچا دے گا۔ پھر قرآن مجید کی تلاوت سے ثواب نہ پہنچنے کا کونسا جواز ہے۔ ہر مکتب فکر کا یہ عمل ہے۔

اگر کہا جائے کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات

فقہا کا مسلک

کے ایصال ثواب کے متعلق کیا خیال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے فقہاء میں سے بعض نے تو مستحب جانا ہے اور بعض کے نزدیک بدعت۔ کیونکہ صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا۔ آپ کے لیے تو حشر تک آنے والے امتیوں کے اعمال صالحہ کا ثواب تحریر ہوتا ہے اور ان کے ثواب میں کمی رونما نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ ہی اعلیٰ ترین رہبر و راہنما ہیں۔ لہٰذا آپ کو سب کے اعمال کا ثواب پہنچتا ہے گو خواہ کوئی آپ کو ہدیہ بھیجے یا نہ بھیجے۔

باب ہشدہم

قدیم و حادث

سوال :- کیا رُوح قدیم ہے یا حادث ہے یا مخلوق ہے۔ روح کی حقیقت کیا ہے ؟ رُوح کی حقیقت کا انکشاف کیجئے۔ اور اضافت کو بیان کیجئے۔

جواب عدم جواب :- کیا رُوح قدیم ہے یا حادث و مخلوق ہے۔ اگر اسے حادث و مخلوق مان لیا جائے اور یہ بھی بات تسلیم شدہ ہے کہ رُوح امرِالٰہی ہے تو امرِالٰہی کس طرح حادث و مخلوق ہو سکتا ہے۔ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اپنی رُوح پھونکی۔ یہ اضافتِ رُوح کی قدامت پر برہان و دلیل ہے یا نہیں ؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے خبر دی کہ اس نے انھیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی رُوح پھونکی۔ اس میں ہاتھ اور رُوح کی اپنی طرف اضافت کی ہے۔ اس اضافت کی کیا حقیقت ہے ؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں دنیا کے قدم ڈگمگا گئے اور بکثرت گروہ اپنے حقیقی راستے سے بھٹک گئے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والتسلیم کے ماننے والوں کو صحیح راستے پر چلایا۔ اس پر انبیائے

کرام علیہم السلام کا اجماع ہے کہ رُوح حادث اور مخلوق ہے۔ رب تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اور اس کی پرورش دائرہ تدبیر کے اندر ہے۔ جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ادیان میں یہ بات بدیہی ہے کہ عالم حادث ہے۔ مرنے کے بعد زندہ ہونا یقینی بات ہے تمام اشیاء کو رب تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور اس کے سوا ہر شے مخلوق ہے۔ صرف وہی ذات فرد الفرید خالق ہے۔ اسی طرح رُوح کا حادث ہونا بھی بدیہی ہے۔ بہترین زمانوں میں رُوح کے حادث اور مخلوق ہونے پر اتفاق رہا ہے۔ کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔

ایک نئے گروہ کی تخلیق :- جب تابعین کا زمانہ ختم ہو گیا تو ان کے بعد ایک ایسے گروہ نے جنم لیا جو قرآن و حدیث میں کوتاہ فہم تھا۔ اس گروہ نے دعویٰ کیا کہ رُوح قدیم وغیر مخلوق ہے۔ اور یہ دلیل و برہان دی کہ رُوح اللہ کے امر میں سے ہے اور اللہ کا امر غیر مخلوق ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے علم، کتاب، قدرت سمع، بصر اور ہاتھ کی طرح رُوح کو بھی اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر جس طرح وہ قدیم و غیر مخلوق ہیں اسی طرح یہ بھی قدیم و غیر مخلوق ہے۔ بعض لوگوں نے توقف سے کام لیتے ہوئے کہا کہ ہم مخلوق کہتے ہیں اور نہ ہی غیر مخلوق کہتے ہیں۔

رُوح کی حقیقت کا بین ثبوت اور انکشاف :- رُوح کے بارے میں ابن مندہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کے بارے میں یہ جواب دیا کہ ایک شخص نے مجھ سے رُوح کے متعلق جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کے نفوس اور اجسام کا منتظم بنایا ہے۔ دریافت کیا ہے اس کا قول ہے کہ بعض لوگوں نے رُوح پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے گمان میں رُوح غیر مخلوق ہے اور ذات الٰہیہ میں سے ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے میں علمائے کرام کے مختلف خیالات کو بیان کرتا ہوں پھر ان کے اقوال کے خلاف آیات قرآنیہ کو، پھر احادیث مبارکہ کو

پھر صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال کو اور پھر علمائے کرام کی آراء کو پیش کروں گا۔ اس کے بعد قرآن وحدیث سے رُوح کے دلائل بیان کروں گا اور علم کی روشنی کے بغیر رُوح پر گفتگو کرنے والوں کی اغلاط بتاؤں گا اور یہ بھی بتاؤں گا کہ وہ جسم اور اصحاب جسم کے ساتھی اور رفیق ہیں۔

اَرواح کا مخلوق اور غیر مخلوق ہونا:۔ لوگوں میں اس بات کا اختلاف پایا جاتا ہے کہ رُوح کیا ہے اور یہ نفس میں کونسا مقام رکھتی ہے۔ بعض کے نزدیک تو تمام اَرواح مخلوق ہیں۔ اہلسنت اور اہلحدیث اسی کے قائل ہیں۔ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَرواح جمع شدہ لشکر ہیں۔ پھر ان میں سے جن میں باہمی پہچان ہو جاتی ہے ان میں باہمی اُنس پیدا ہو جاتا ہے اور جن میں پہچان نہیں ہوتی ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ معلوم ہُوا کہ اَرواح مخلوق ہیں کیونکہ جمع شدہ لشکر مخلوق ہی ہوتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اَرواح اَمرِ الٰہی سے ہیں اور اللہ نے مخلوق سے ان کی حقیقت اور ان کی پہچان کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ اس کی دلیل آیۂ کریمہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ آپ فرما دیجئے کہ رُوح اَمرِ الٰہی ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اَرواح اللہ کے انوار و حیات میں سے نور اور حیات ہیں۔ یہ اس حدیث کو دلیل لیتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں تخلیق فرمایا پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔

رُوح کے بارے میں نصرانیت کا عقیدہ:۔ محمد بن نصر مروزی کا قول ہے کہ بے دینوں اور روافض نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح کے متعلق وہی تاویل کی ہے جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی رُوح کے متعلق کی کہ رُوح اللہ کی ذات سے جدا ہو کر حضرت مریم سلام اللہ علیہا میں آگئی۔ اسی بنیاد پر نصرانیوں کے ایک گروہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی پرجا شروع کر دی کیونکہ ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی رُوح ہیں جو حضرت مریم سلام اللہ علیہا میں اتر آئی ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک رُوح غیر مخلوق ہے۔ اور بے دینوں اور روافض کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح بھی اسی طرح ہے اور غیر مخلوق ہے۔ یہ لوگ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي یعنی میں نے ان میں اپنی رُوح پھونک دی۔ پھر ثم سواہ و نفخ فیہ من روحہ۔ یعنی پھر اللہ نے انھیں درست کرکے ان میں اپنی رُوح پھونک دی۔ کی تاویل باطل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح غیر مخلوق ہے۔ جیسے رُوح کو نور کے نام سے تعبیر کرنے والے یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا نور غیر مخلوق ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ رُوح حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد ان کے وصی میں آئی۔ پھر ہر نبی علیہ السلام اور اس کے وصی میں آتے آتے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا میں آئی۔ پھر حسنین کریمین میں آئی اور پھر ہر وصی میں آئی اور امام میں آئی۔ لہٰذا امام ہر شے کو بغیر تعلیم کے جانتا ہے اسے تعلیم کی حاجت نہیں۔ مسلمانوں میں اس بات میں اختلاف نہیں کہ تمام اَرواح خواہ انبیاء علیہم السلام کی ہوں یا غیر انبیاء علیہما السلام کی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھیں ایجاد و اختراع کیا جیسا کہ آیت کریمہ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ۔ اللہ نے اپنی آسمان و زمین کی تمام مخلوق تمہارے تابع کر دی ہے۔ میں اللہ کی طرف تمام مخلوق کی نسبت ہے۔

اجماع علماء: علامہ ابن تیمیہ کا فرمان ہے کہ تمام اہلسنت، ائمہ کرام اور سلف امت کا اجماع ہے کہ رُوح مخلوق ہے اور ایجاد کی ہوئی ہے۔ بکثرت اماموں نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ مثال کے طور پر محمد بن نصر مروزی نے جو اپنے زمانے کے بغیر اختلاف کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ اسی

طرح ابو محمد بن قتیبہ نے رُوح پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ نسمۃ رُوح کو کہتے ہیں۔

مخلوق اور غیر مخلوق رُوح کا انکشاف:۔ اجماعِ اُمت ہے کہ اللہ ہی دانہ اُگانے والا اور رُوح پیدا کرنے والا ہے۔ ابو اسحاق بن شاقلا نے اس مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اصحاب توفیق اس میں شک نہیں کرتے کہ رُوح مخلوق ہے۔ اس مسئلہ پر اکابر علماء و مشائخ کی جماعتوں نے روشنی ڈالی ہے اور جو رُوح کو غیر مخلوق کہتے ہیں ان کی سخت تردید کی ہے۔ بلکہ ابو عبداللہ بن مندہ نے تو اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کی امام محمد بن نصر مروزی اور شیخ ابو سعید خراز ابو یعقوب نہر جوری اور قاضی ابوالعلیٰ نے تعریف کی ہے اور اس پر بڑے بڑے اماموں نے روشنی ڈالی ہے اور ان کی سخت مذمت کی ہے جو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہما السلام کی رُوح کو غیر مخلوق کہتے ہیں۔ دوسری ارواح کا تو ذکر ہی کیا ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے زندیقوں او جہمیہ کی تردید میں ذکر کیا ہے۔

دعوائے باطلہ کا انکشاف:۔ ایک جہمی نے دعویٰ کیا کہ مجھے قرآن کی ایک ایسی آیت معلوم ہے جو بتاتی ہے کہ قرآن مخلوق ہے اور وہ یہ ہے۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الخ یعنی عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اس کی رُوح ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام مخلوق ہیں۔ ہم نے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تجھ سے قرآن کی سمجھ سلب کر لی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں جو قرآن کے لیے نہیں بولے جا سکتے۔ مثال کے طور پر ہم آپ کو مولود، شیر خوار بچہ، ہوشیار لڑکا، سمجھ دار نوجوان خورد و نوش والے کہتے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ؛ آپ سے کرنے کا خطاب بھی ہے۔ آپ پر خطاب، وعدہ وعید بھی جاری ہوتا ہے اور آپ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اس لیے ہمارے لیے روا نہیں ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں وہی قرآن کے بارے میں کہیں۔ کیا تم نے احمد سے سُنا کہ اس نے قرآن کے بارے میں وہی کچھ کہا جو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے متعلق کہا۔ آیۂ مبارکہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ کلمہ سے مراد کلمۂ کن ہے۔ حضرت عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام کلمۂ کُن سے پیدا ہوئے۔ آپ نفس کلمۂ کن نہیں بلکہ کُن قول خداوندی ہے اور مخلوق نہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کلمہ سے پیدا ہوئے وہ مخلوق ہیں۔

کلمہ کن کا انکشاف ؛ نصرانیوں اور جہمیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ پر کذب بیانی کی ہے۔ جہمی کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی رُوح اور اُس کا کلمہ ہیں۔ معلوم ہُوا کہ اللہ کا کلمہ مخلوق ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق ہیں۔ نصرانیوں کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کی رُوح اور اُس کا کلمہ ہیں۔ اور اُس کی ذات میں سے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ کپڑا اسی تھان میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمہ سے پیدا ہوئے۔ نفس کلمہ نہیں۔ کیونکہ کلمہ تو اللہ کا کلمۂ کن ہے۔ اور رُوحٌ مِنه کا یہ مطلب ہے کہ ان میں اللہ کے حکم سے رُوح آئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے تمام زمین و آسمان اپنے حکم سے مسخر فرما دیئے۔ رُوح اللہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ نے اپنے کلمہ سے رُوح کو تخلیق کیا۔ جیسے عبداللہ۔ سماء اللہ۔ ارض اللہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس بات کی صراحت کر دی کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح مخلوق ہے دوسری اَرواح کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی طرف اس رُوح کی نسبت کر دی جسے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی طرف بھیجا تھا۔ لہٰذا آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ رُوح قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ فرمایا فَاَرْسَلْنَا اِلَیْھَا رُوْحَنَا۔ پھر ہم نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی طرف اپنی رُوح بھیج دی۔ اور وہ اُن کے سامنے انسانی شکل وصورت میں نمایاں ہوئی۔ یہ رُوح اللہ کی طرف سے فرستادہ تھی اور آپ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب منسوب کی ہوئی چیزوں کی قسمیں بیان کریں گے اور یہ بھی کہ منسوب کی ہوئی چیز کب اس کی صفت قدیمہ بنتی ہے اور کب وہ مخلوق ہوتی ہے اور اس کا دستور کیا ہے؟

کیا رُوح مخلوق ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ اجل مجدہ الکریم ہے اللّٰہ خالق کل شیٔ (اللہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے) یہ لفظ عموم پر ہے۔ اس میں کسی بھی صورت سے تخصیص کو دخل نہیں۔ اس عموم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کو دخل نہیں کیونکہ وہ ذاتِ الٰہیہ میں داخل ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے اور کمال درجہ صفات سے متصف ہے۔ اس کا علم قدرت حیات ارادہ سمع اور بصر اور تمام صفات اس کے نام کے اسماء میں داخل ہیں۔ مخلوق اشیاء میں داخل نہیں جیسے ذات الٰہیہ پیدا کردہ اشیاء میں داخل نہیں۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات وصفات کے ساتھ خالق ہے اور دیگر سب کی سب چیزیں مخلوق ہیں۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ رُوح نہ تو اللہ ہے اور نہ ہی اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت ہے بلکہ مصنوعات میں سے ایک مصنوع ہے۔ اور ملائکہ، جنات وغیرہ کی طرح یہ بھی ایک مخلوق ہے۔ فرمایا وقد خلقتك من قبل ولم تك شیئا یعنی اے زکریا میں نے تمہیں اس سے قبل پیدا کیا جب کہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔ یہ بات نمایاں ہے کہ خطاب روح وبدن کو ہے

فقط بدن سے نہیں۔ کیونکہ تنہا بدن میں خطاب و فہم کی اور عقل و شعور کی صلاحیت ہی نہیں۔ یہ صلاحیت روح کو ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ روح مخلوق ہے۔

ما حصل خطاب: واللہ خلقکم وما تعملون یعنی اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کی تخلیق فرمائی۔ استدلال کا سبب حسب سابق ہے۔

فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ الخ ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں اور پھر ملائکہ سے فرمایا آدم کو سجدہ کیجئے۔ یہاں بھی جمہور کے نزدیک خطاب ارواح و اجسام کو ہے اور بعض کے نزدیک صرف ارواح سے ہی خطاب ہے۔ ہنوز جسم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ہر صورت میں ارواح کے پیدا ہونے کی واضح اور روشن دلیل ہے۔

ارواح کی مملوکیت: قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارا، ہمارے بزرگوں کا اور ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے۔ لہٰذا اس کی ربوبیت ہمارے ابدان و ارواح دونوں میں شامل ہے جس طرح ارواح بھی مملوک اور پرورش پائی ہوئی ہیں۔ اور ہر مملوک اور پرورش پائی ہوئی مخلوق ہے۔ لہٰذا ارواح بھی مخلوق ہیں۔ قرآن مجید کی سورۂ اول سے کئی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح مخلوق ہیں۔ فرمایا اللہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ چونکہ عالم میں ارواح بھی داخل ہیں لہٰذا اللہ ارواح کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔ فرمایا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ لہٰذا ارواح اللہ کی پوجا کرتی ہیں اور اسی سے مدد کی خواستگار ہیں۔ ارواح اپنے خالق حقیقی کی ہدایت کی محتاج ہیں اور اس سے سیدھی راہ کی ہدایت طلب کرتی رہتی ہیں۔ ارواح پر انعامات اور مہربانی بھی ہوتی ہے اور قہر و غضب بھی۔ یہ شان مخلوق کی ہوتی ہے قدیم اور غیر مخلوق کی نہیں ہوتی۔

حقیقت الحقیقت: دلائل سے پتہ چلتا ہے کہ انسان بندہ ہے جو عبودیت روح کو چھوڑ کر صرف جسم پر واقع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ

حقیقت میں دریافت کیا جائے تو فقط روح کی موجودیت ہے ۔ جسم تو اس کے تابع ہے جیسے اور دیگر تمام احکام میں تابع ہے ۔ پس روح اسے حرکت دیتی اور کام کراتی ہے ۔ هل اتیٰ علی الانسان حین الخ یعنی انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آچکا ہے جب اس کا نام و نشان بھی نہ تھا ۔ اگر روح قدیم ہوتی تو ہمیشہ نام و نشان ہوتا کیونکہ اصل انسان تو روح سے ہے صرف بدن سے نہیں ۔

یا خادم الجسم کم تشقی بخدمة

فانت بالروح لا بالجسم انسان

اے جسم کے خادم جسم کی خدمت کر کے کتنی شقاوت پائے گا تو جسم سے نہیں بلکہ روح سے انسان ہے ۔

دلائل سے ثابت ہے کہ قدیم زمانے میں اللہ تھا اس کے سوا کوئی اور چیز نہ تھی ۔ یمن والوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم دینی سوج بوجھ کے حصول کے لیے آپ کی خدمت میں آئے ہیں ۔

آغاز ائے دنیا کا راز: دنیا کی ابتداء کس طرح ہوئی ۔ فرمایا اللہ تھا اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی ۔ اس کا عرش پانی پر تھا پھر اس نے ذکر کے ساتھ ہر چیز لکھ لی ۔

ماحصل کلام: معلوم ہوا کہ اللہ کے ساتھ ارواح اور نفوس قدیمہ نہ تھے ۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی اولیت میں کوئی بھی کسی صورت سے برابر نہیں ۔ دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ بھی مخلوق ہیں اور فرشتے ایسی ارواح ہیں جو اجسام سے مستغنی ہیں ۔ یہ انسان اور روح انسان سے بہت پہلے پیدا ہو چکے تھے ۔ پھر جب فرشتہ جو انسان کے جسم میں روح پھونکتا ہے مخلوق ہے تو روح جو اس کے ڈالنے سے پڑتی ہے کیسے قدیم ہو سکتی ہے ۔

اَرواح کی مختلف کیفیات: جو اس مغالطے میں ہیں کہ فرشتہ قدیم اور ازلی رُوح کے ساتھ بھیجا جاتا ہے اور وہ رُوح انسان کے جسم میں ڈالتا ہے جیسے کوئی کپڑا دے کر کسی کو کسی کے پاس بھیجے اور وہ اس کپڑے کو پہنا دے۔ مگر یہ سراسر فریب، دھوکہ اور گمراہی ہے۔ بلکہ رُوح فرشتے کے پھونکنے سے پیدا ہوتی ہے جیسے جسم مٹی سے پیدا ہوتا ہے اور غذا سے اس کی پرورش ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ رُوح کا مادہ فرشتے کے پھونکنے سے ہے اور جسم کا مادہ رحم میں منی ڈالنے سے ہے۔ ایک آسمانی مادہ ہے اور ایک زمینی مادہ ہے۔ کسی پر آسمانی مادہ غالب آجاتا ہے اور اس کی رُوح علوی، شریف اور ملائکہ میں رہنے کے قابل بن جاتی ہے۔ اور کسی پر زمینی مادہ غالب آجاتا ہے اور اس کی رُوح سفلی، ذلیل اور ارواح سفلی میں رہنے سہنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ پس فرشتہ رُوح کا باپ ہے۔ اور مٹی جسم کا باپ ہے۔

رُوح کا مخلوق ہونا: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَرواح جمع شدہ لشکر مخلوق ہی ہوتا ہے۔ اس حدیث کے روایت کرنے والے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ رُوح وفات قبض روک لینے اور چھوڑ دینے سے ضعف ہوتی ہے اور یہ شان مخلوق کی ہے۔ فرمایا اللہ یتوفی الانفس الخ اللہ موت کے وقت اَرواح کو اٹھا لیتا ہے اور جن کو موت نہیں ہوتی انھیں نیند کے وقت اٹھا لیتا ہے۔ پھر انھیں روک لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اور دیگر اَرواح مقررہ مدت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس آیۂ کریمہ سے انفس سے قطعی طور پر اَرواح مراد ہیں۔

اَرواح کا رکھ رکھاؤ: حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک دفعہ

رات کے وقت حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ سے ٹھہرنے کی درخواست کی گئی۔ فرمایا اگر تم سو گئے تو پھر ہمیں نماز کے لیے کون بیدار کرے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جگا دوں گا۔ چنانچہ آپ نے پڑاؤ ڈال دیا۔ لوگ سو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ان کو بھی نیند نے گھیر لیا۔ پھر سورج کا کچھ حصہ طلوع ہو گیا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا بلال تم نے خوب جگایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا واللہ ایسی نیند تو مجھے کبھی نہیں آئی تھی جیسی آج آئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ نے جب تک چاہا تمھاری ارواح کو روکے رکھا اور جب چاہا انھیں لوٹا دیا۔

رُوح مقبوضہ اور غیر مقبوضہ رُوح مقبوضہ اُسے کہتے ہیں جسے اللہ تبارک وتعالیٰ موت اور نیند کے وقت اُٹھا لیتا ہے۔ پھر موت کے وقت اُٹھائی جانے والی رُوح لوٹائی نہیں جاتی۔ ملک الموت مرنے والے کے سرہانے آ کر بیٹھتا ہے اور اس کے بدن سے رُوح قبض کرتا ہے اور بہشت اور دوزخ کے کفن میں کفناتا ہے اور پھر آسمان پہ لے کر چڑھتا ہے۔ راستہ میں ملنے والے فرشتے اس کو اچھا برا کہتے ہیں۔ پھر رُوح کو رب کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے اور اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ پھر زمین کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور مردے اور اس کے کفن کے درمیان داخل ہو جاتی ہے۔ پھر قبر میں منکر نکیر سوال کرتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔ پھر یہ رُوح سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھ دی جاتی ہے اور جنت سے کھاتی پیتی ہے۔ اسی پر صبح وشام آگ پیش کی جاتی ہے۔ یہی تصدیق وتکذیب کرتی ہے۔ یہی اطاعت و نافرمانی کرتی ہے۔ یہی امارہ، لوامہ اور مطمئنہ ہے اسی پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔ یہی خوش بخت

اور بدبخت ہوتی ہے۔ یہی معطل اور چھوڑی جاتی ہے۔ یہی تندرست اور بیمار ہوتی ہے۔ یہی لذت اندوز اور المناک ہوتی ہے۔ اسی کو خوف اور ملال ہوتا ہے۔ یہ تمام صفات مخلوق کی ہیں۔

دعائے نبوی۔ حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللّٰھم انت خلقت نفسی الخ۔ اے اللہ تو نے ہی میری رُوح کو پیدا کیا اور تو ہی اسے اٹھائے گا۔ اس کی موت اور زندگی تیرے ہی اختیار میں ہے۔ پھر تو اگر اسے روک لے تو اس پر رحم فرما۔ اور اگر چھوڑ دے تو اپنے صالح بندوں کی طرح اس کی حفاظت کر۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اجسام کی طرح ارواح کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔

تحریر ہونا:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ الخ جو کچھ مصیبت دنیا میں اور تمہاری جانوں میں آتی ہے وہ ایک کتاب میں قبل اس کے کہ ہم مصیبت پیدا کریں تحریر ہے۔ بعض کے نزدیک نبرأہا میں ضمیر زمین کی طرف لوٹتی ہے اور بعض کے نزدیک انفسکم کی طرف۔ ظاہر ہے قریب انفسکم ہی ہے۔ اس لیے ضمیر کا جانوں کی طرف لوٹنا زیادہ مناسب ہے۔ اور اگر تمبنوں کی طرف لوٹا دی جائے تو بھی مناسب ہے۔

تقاضائے ذات۔ بھلا رُوح کیسے قدیم اور خالق سے مستغنی ہو سکتی ہے جب کہ اپنی ایک ایک ضرورت میں اپنے خالق کی محتاج ہے نہ صرف اس کی ذات بلکہ اس کے افعال اور اس کی صفات بھی رب تعالیٰ ہی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس کی ذات کا تقاضا عدم ہے اسے تو اپنے نفع اور نقصان، زندگی اور موت کے بعد پر بھی قدرت نہیں۔ وہ اتنی ہی نیکیاں کماتی ہے جتنی کہ اللہ رحیم و کریم نے اسے عطا فرمائی ہیں اور انھیں برائیوں سے بچتی ہے جن سے اللہ رحیم و کریم بچاتا ہے۔ یہ

دنیا اور عقبیٰ میں اللہ ہی کی ہدایت سے فیض یاب ہوتی ہے۔ اسی کی توفیق و اصلاح سے درست رہتی ہے، اسی کی تعلیم سے علم حاصل کرتی ہے اور اس کے ڈالے ہوئے علم سے آگے نہیں بڑھتی۔ لہٰذا اللہ نے اس کی تخلیق فرمائی۔ پھر شکل و صورت بنائی اور اچھی بری باتیں ان کے دل میں ڈالیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی کہ وہی ارواح کا اور ان کے اچھے اور برے کاموں کا پیدا کرنے والا ہے۔ رُوح نہ خود غیر مخلوق ہے جیسا کہ بعض جہلاء کا قول ہے اور نہ ہی اپنے افعال کی خالق ہے جیسا کہ دوسرے

•

جہلاء کا خیال ہے۔ یہ بات بدیہی ہے کہ اگر روح قدیم اور غیر مخلوق ہوتی تو بالذات اپنے وجود اور اپنی صفات اور اپنے کمال میں مستغنی ہوتی۔ حالانکہ قدم قدم پر محتاج ہے اور یہ احتیاج اس کی ذات سے ہے کسی دوسری علت سے نہیں جیسے اس کا پروردگار مستغنی ہے اور یہ ذاتی استغنا ہے کسی دوسری علت سے نہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدامت اور ربوبیت میں اس بلا شرکت غیرے: ہمہ گیر سلطنت میں، اس کے قدسی کمالات میں اور اس کے استغنا میں کوئی شریک نہیں۔ غرضیکہ اجسام کی طرح حدوث و تخلیق کے نشانات ارواح پر بھی جھلکتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ الخ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز اور توصیف کے قابل ہے۔ یہ خطاب صرف اجسام سے نہیں ہے بلکہ اجسام کے ساتھ ارواح سے بھی ہے اور اللہ کے اس ہمہ گیر استغنا میں کوئی شریک نہیں۔ اس سے بھی روشن دلیل سماعت کیجئے۔ ارشاد گرامی ہے فَلَوْلَا اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ الخ یعنی اگر تم مملوک و مقہور اور اپنے اعمال کا بدلہ دیئے جانے والے نہیں ہو تو جب ارواح حلق میں آکر اٹک جائیں تو انھیں ابدان میں لوٹا کر دکھاؤ۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ارواح [illegible] کہ ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

الغرض ہم نے اس سے قبل جس قدر رُوح کے احکامات اور حالات

الحاصل کلام:- بیان کیے اور بعد از موت ان کی برزخی ٹھہرنے کے مقامات بتلائے وہ سب بتا رہے ہیں کہ رُوح مخلوق و مملوک ہے قدیم نہیں۔ اَرواح کا مخلوق ہونا روز روشن کی طرح روشن ہے۔ دلائل کا محتاج نہیں۔ اور اگر صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے صوفی اور بدعتی اور قرآن و حدیث کے منکر نہ ہوتے تو ہمیں دلائل کی ضرورت نہیں تھی مگر لوگوں نے اپنی الٹی سمجھ کے باوجود اَرواح پر ایسی گفتگو کی جو صاف بتا رہی ہے کہ وہ اَرواح کے متعلق علم نہیں رکھتے۔ ایک موٹی عقل کا انسان بھی ایسی واضح اور روشن بات کا انکار نہیں کر سکتا جس پر نہ صرف اس کی ذات اور ان کی صفات اور ان کے افعال و جوارح شاہد ہوں بلکہ زمین و آسمان اور مخلوق خدا سب کی سب شاہد ہو کہ ماسوی اللہ ہر چیز اپنے مخلوق ہونے پر کسی طرح سے شاہد ہے۔ منکرین کے اندر ہی بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اس فرقہ کے جس قدر دلائل ہیں قرآن حمید کی محکم آیات مبارکہ کو چھوڑ کر متشابہ آیات سے لے لیے ہیں۔ مگر ہر گمراہ اور بدعتی فرقہ کا طریقہ کار ہوتا ہے۔

قرآن مجید فرقان حمید کی اوّل سے آخر تک محکم آیات بتا

اَمر سے مُراد حقیقیہ:- رہی ہیں کہ اللہ رب العزۃ تبارک و تعالیٰ خالق اور اَرواح کو ایجاد کرنے والا ہے۔ انہوں نے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ سے جو رُوح کے غیر مخلوق ہونے پر دلیل دی ہے اس کا انحصار اس پر ہے کہ اَمر سے مراد طلب ہے جس کے مقابلہ میں نہی آتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے یہاں اَمر سے مراد مامور ہے اور امر بمعنی مامور عربی زبان میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر استعمال کیا گیا ہے اَتیٰ امر اللہ یعنی اللہ کا مقرر کیا ہوا عذاب آگیا لما جاء امر ربک یعنی جب آپ کے رب کا مقرر کیا ہوا عذاب آگیا

وما امر الساعة الا کلمح البصر۔ حشر کا مقرر کیا ہوا وقت پلک جھپکنے میں آجائے گا۔ اسی طرح لفظ خلق مخلوق کے معنی میں آتا ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں کسی صورت سے بھی رُوح کی قدامت وغیرہ مخلوق ہونے کی دلیل نہیں۔ اس آیۂ کریمہ کے بعض سلف نے یہ تفسیر کی ہے کہ رُوح اللہ کے حکم سے مخلوق کے اجسام میں آئی۔ اور اس کی قدرت سے وہاں ٹھہر گئی۔ یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ جب آیت والی رُوح سے انسانی رُوح مراد ہو۔ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہاں رُوح سے انسانی رُوح مراد ہے یا کوئی خاص رُوح مراد ہے۔ اس میں تمام سلف کا اتفاق ہے کہ یہاں رُوح سے وہ روح مراد ہے جو محشر کے روز ملائکہ کے ساتھ کھڑی ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا یعنی جس روز روح ملائکہ کے ساتھ قطار باندھ کر کھڑی ہوگی۔ یہ رُوح سب سے بڑا فرشتہ ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اہل یہود کا بارگاہ نبوی میں سوال کرنا: بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ مدینہ شریف کے سیاہ پتھروں والے علاقہ سے گزر رہا تھا اور آپ لکڑی سے ٹیک لگا کر چل رہے تھے۔ پھر ہم چند یہودیوں کے پاس سے گذرے۔ یہودیوں نے باہم کہا آئیے آپ سے رُوح کے متعلق دریافت کیا جائے ان میں سے ایک بولا نہیں اس لیے کہ کہیں ایسی بات نہ بتا دیں جس سے تمہیں تکلیف کا سامنا ہو۔ لیکن یہودیوں نے کہا ہم دریافت کر ہی لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر لے ابوالقاسم! رُوح کیا چیز ہے۔ آپ نے یہ سُن کر خاموشی اختیار کی میں پہچان گیا کہ آپ پر وحی کا نزول ہے۔ بالآخر میں ٹھہر گیا۔ پھر جب وحی مکمل گئی تو آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھ کر سنائی جس کا مفہوم یہ ہے کہ رُوح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے۔

الحاصل کلام: یہ بات نمایاں ہے کہ اہلِ یہود نے انسانی روح کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا بلکہ اس روح کے بارے میں سوال کیا تھا جس کا حال وحی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا تھا یعنی اس روح کے بارے میں سوال تھا جو اللہ کے پاس ہے اور جس سے لوگ ناواقف ہیں۔ انسانی روح غیب میں سے نہیں۔ بکثرت اہلِ مذہب نے اس پہ گفتگو کی ہے۔ اگر انسانی روح کے بارے میں جواب تسلیم کیا جائے تو جواب اثبات کے اخبار میں سے نہیں بنتا۔

تحقیق رسائی کا رازِ روح: اگر کوئی کہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک روز قریش نے عقبۃ بن ابی معیط کو اور عبداللہ بن اُمیہ کو مدینہ کے یہودیوں کے پاس حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی تحقیق کے بارے میں بھیجا۔ اُنہوں نے اہلِ یہود سے کہا کہ ہم میں سے ایک شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور وہ نہ ہی ہمارے دین پر ہے اور نہ ہی وہ تمہارے دین پر ہے۔ اہلِ یہود نے کہا اس کے کون سے لوگ ماننے والے ہیں۔ بڑے طبقے کے شرفا نہیں مانتے بلکہ غلام، کمزور اور نیچے طبقے کے لوگ مانتے ہیں۔ اہلِ یہود نے کہا کہ نبی کے ظہور کا وقت تو ہو گیا ہے اور تم جو اس شخص کے حالات بتا رہے ہو وہ نبی انہیں حالات میں دوچار ہو گا۔ ہم تمہیں تین باتوں سے آگاہ کرتے ہیں اس سے جا کر دریافت کیجئے۔ اگر وہ یہ باتیں بتا دے تو وہ دعوائے نبوت میں صادق ہے اگر نہ بتائے تو وہ دعوائے نبوت میں سچا نہیں ہے۔ اس سے روح کے بارے میں دریافت کیجئے جو روح آدم میں پھونکی گئی تھی۔ اگر وہ یہ جواب دے کہ روح کا تعلق خدا سے ہے تو کہو کہ خدا دوزخ میں ایسی چیز کو کیسے ڈال سکتا ہے جو اس کی ذات سے ہے۔ بالآخر آپ نے اس کے بارے میں جبرئیل سے دریافت کیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی یعنی روح اللہ نے پیدا کی ہے اللہ سے نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانی روح مراد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس

الحاصل کلام :- جیسی سند قابل برہان نہیں۔ کیونکہ یہ روایت سدی کی تفسیر میں ابو مالک سے ہے اور اس میں کئی باتیں منکر ہیں۔ تمام کتب صحاح اور مسانید میں اس قصے کا سیاق سدی کے سیاق کے خلاف ہے۔

ابن مسعود کی روایت کی حقیقت :- اعمش اور مغیرہ بن ابراہیم سے وہ علقمہ سے اور وہ انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو اس وقت میں آپ کے ساتھ تھا۔ یہودیوں نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ میں نے سوچا آپ پر وحی کا نزول ہو رہا ہے۔ پھر اس آیت کا نزول ہوا یسئلونک عن الروح، قل الروح من امر ربی وما اوتوا من العلم الا قلیلا۔ یہودیوں نے آپ سے روح کے بارے میں پوچھا۔ آپ فرمادیں کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور یہودیوں کو قلیل علم دیا گیا ہے۔ یہودی بولے تورات میں بھی یہی جواب ہے۔ اس کے ہم معنی ابن عباس والی روایت ہے۔ ان روایات میں سدی والی حدیث کا ضعف معلوم ہو گیا۔ اور یہ بھی کہ یہ قصہ مدینہ کا ہے مکہ کا نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں اور ابن مسعود والی حدیث میں صراحت ہے کہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا۔ اگر مکہ میں ہو چکا ہوتا تو آپ وحی کا انتظار نہ کرتے اور فوری طور پر جواب دے دیتے کیونکہ مکہ میں پہلے سے ہی اس کا جواب آپ کو معلوم ہو چکا تھا۔

اقوال میں اضطرابیت :- اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سخت مختلف روایات آئی ہیں۔ یہ اضطراب یا تو راویان کی طرف سے ہے یا خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کے اقوال میں اضطراب ہے۔

اب ہم ان مضطرب روایات کو بیان کرتے ہیں۔ ابن عباس والی سدی کی روایت تو گزر گئی ہے۔ دوسری روایت داؤد بن ابی ہند عکرمہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کرتے ہیں وہ اس کے خلاف ہے۔ خود داؤد کی اس روایت میں اضطراب ہے چنانچہ مسروق اور ابراہیم یحیٰی بن زکریا سے اور وہ داؤد سے روایت کرتے ہیں۔ محمد بن نصر مروزی اس طرح لائے ہیں۔ اسحٰق یحیٰی بن زکریا، داؤد، عکرمہ، ابن عباس کا بیان ہے کہ قریش نے یہودیوں سے کہا کہ ہمیں کچھ دیجئے تاکہ ہم اس شخص سے دریافت کریں تو انہوں نے کہا روح کے بارے میں دریافت کیجئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت کے اور ابن مسعود کی روایت کے مخالف ہے ہشیم، ابو بشر، مجاہد، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ آپ فرما دیں کہ روح اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے۔ اور اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ اور اس کی انسانی صورتوں کی طرح صورتیں ہیں۔ آسمان سے جو فرشتہ اترتا ہے اس کے ساتھ ایک روح ضرور ہوتی ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ روح روح انسانی کے علاوہ ہے۔ پھر روایت عبد السلام بن حرب، خصیف، مجاہد اور ابن عباس سے ہے۔ روح قرآن میں بمنزلہ لفظ کن ہے۔ آپ وہی جواب دیں جو آپ کے رب نے ارشاد دیا ہے۔ پھر یہی روایت طریق خصیف سے عکرمہ سے اور عکرمہ ابن عباس سے لاتے ہیں کہ آپ چار چیزوں کی تفسیر نہیں بیان کرتے تھے۔ رقیم غسلین، روح اور وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ۔ جو یہودیوں نے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا جس کے راوی ہیں ضحاک ابن عباس ہیں تو آپ نے فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے قل الروح من امر ربی یعنی روح میرے رب کے امر سے ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا یعنی اگر تم سے تمہاری ذاتیات کی تخلیق کے بارے میں پوچھا جائے اور طعام و شراب کے آنے اور جانے کے

داستوں سے پوچھا جائے تو تم انھیں بھی صحیح طور سے نہیں بتا سکو گے۔ عبد الغنی بن سعید، موسیٰ بن عبد الرحمٰن، ابن جریج، عطاء، ابن عباس اور مقاتل ضحاک ابن عباس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کا اجتماع ہوا اور اس میں یہ طے پایا کہ چونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹے نہیں ہیں اور انہوں نے ہم میں صدق و امانت کے ساتھ زندگی گذاری ہے اس لیے یہودیوں کے پاس وفد روانہ کرکے آپ کے بارے میں ان سے تحقیق کیجیے۔ وہ ان کی خوشخبری دیتے تھے اور ان کا تذکرہ بکثرت کرتے تھے۔ ان کی نبوت کے مدعی تھے اور ان کی مدد کرنے کی توقع رکھتے تھے۔ اور انھیں یقین تھا کہ وہ ان کی طرف ہجرت کرکے آئیں گے اور وہ ان کے انصار بنیں گے۔ چنانچہ اس وفد نے یہودیوں سے آپ کے بارے میں دریافت کیا۔ یہودیوں نے کہا ان سے تین باتیں پوچھ کر دیکھیے۔ ان سے رُوح کے بارے میں دریافت کیجیے۔ تورات میں صرف لفظ رُوح آیا ہے۔ اس کی تفسیر اور تفصیل نہیں ہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی یعنی رُوح میرے رب کے امر سے ہے۔

قرآن میں رُوح کے معانی کا بیان: رُوح کے معنی وحی کے بھی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے و اوحینا الیک روحًا من امرنا اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ پر وحی نازل کی۔ پھر ارشاد ربانی ہے یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی ڈالتا ہے۔ قوت و ثبات اور نصرت و حمایت کے بارے میں فرمایا و ایدھم بروح منہ۔ یعنی اللہ نے اپنی قوت سے ان کی تائید فرمائی۔ حضرت جبرئیل کے بارے میں فرمایا نزل بہ الروح الامین علی قلبک۔ اسے حضرت جبرئیل لے کر آپ کے قلب پر اترے۔ پھر ارشاد فرمایا، من کان عدوا لجبریل الخ جو جبریل سے بغض رکھتا ہے تو جبریل ہی نے یہ

قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر اُتارا ہے۔ پھر ارشاد ربانی ہے۔ قل نزلہ روح القدس یعنی آپ فرما دیجیئے کہ اسے رُوح القدس نے نازل کیا ہے۔ وہ رُوح جس کے بارے میں یہودیوں نے آپ سے پوچھا تھا اور انھیں جواب دیا گیا کہ وہ مخلوق الٰہی میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہی رُوح ہے جو مندرجہ دونوں آیات میں مذکور ہے یوم یقوم الروح والملئکۃ صفا یعنی جس روز فرشتے اور رُوح قطار در قطار کھڑے ہوں گے۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے تنزل الملئکۃ والروح فیھا شب قدر میں ملائکہ رُوح کے ساتھ اپنے پروردگار کے حکم سے اُترتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے فرمایا روح منہ یعنی آپ اللہ کی روح ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے یا

رُوح انسانی میں لفظ نفس کا استعمال:۔ ایتھا النفس المطمئنۃ اے اطمینان والی رُوح۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے ولا اقسم بالنفس اللوامۃ قابل ملامت رُوح کی قسم۔ پھر ارشاد فرمایا اِنّ النفس لامارۃ بالسوء یعنی روح تو بُرائی ہی کی طرف کھینچتی ہے۔ پھر ارشاد باری اخرجوا انفسکم یعنی اپنی ارواح نکالو۔ پھر ارشاد فرمایا ونفس وما سواھا یعنی رُوح اور رُوح کو ٹھیک کرنے والے کی قسم۔ پھر ارشاد ربانی ہے کل نفس ذائقۃ الموت یعنی ہر روح موت کا ذائقہ چکھنی والی ہے۔ حدیث مبارکہ میں رُوح انسانی کے لیے لفظ نفس بھی آیا ہے اور لفظ رُوح بھی۔ بہرحال رُوح کا اللہ کے امر سے ہونا اس کی قدامت وغیرہ مخلوقیت پر دلالت نہیں کرتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب دو طرح کی نسبتیں پائی جاتی ہیں۔ عوارض وصفات کی نسبت۔ جیسے علم۔ قدرت۔ کلام۔ سمع۔ بصر۔ یہ نسبت صفاتی کہلاتی ہے۔ یعنی علم، کلام، ارادہ، قدرت اور حیات وغیرہ صفات الٰہیہ ہیں اور غیر مخلوق ہیں۔ اسی میں چہرہ، ہاتھ وغیرہ داخل ہیں۔ دوسری صفت جواہر واعیان

کی ہے جو رب تعالیٰ سے سراسر الگ ہیں جیسے بیت، ناقہ، عبد، رسول اور روح یہ مخلوق کی خالق کی طرف نسبت ہے اور نسبت تشریفی کے نام سے معروف ہے۔ جیسے کسی چیز کو بنانے والے کی طرف اس کی عمدگی اور پائداری نمایاں کرنے کے لیے منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ اس نسبت میں منسوب اور منسوب الیہ کی ذاتیات میں مباینت ہوتی ہے مثال کے طور پر بیت اللہ کہہ دیا گیا۔ اگرچہ دنیا میں ہر گھر اللہ کا ہی ہے یا اللہ کی اونٹنی کہہ دیا گیا حالانکہ ہر اونٹنی اللہ ہی کی ہے۔ یہی نسبت اللہ کی محبت کو اور منسوب کے شرف اور منسوب کے احترام کو چاہتی ہے۔ اس کے برعکس ربوبیت الٰہیہ کی طرف عام نسبت خلق و ایجاد کو چاہتی ہے۔ الغرض عام نسبت ایجاد کو اور خاص نسبت اختیار و پسندیدگی کو چاہتی ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے وربك یخلق مایشاء و یختار۔ آپ کا پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور انتخاب کر لیتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف روح کی نسبت خاص اور جوہری نسبت ہے عام اور عرضی نسبت نہیں۔ اس نکتہ کی طرف خیال کیجیے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو بہت سی گمراہیوں سے جن میں لوگ گرفتار ہیں محفوظ ہو جاؤ گے۔

اگر کہا جائے کہ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي

چار خصوصیات کا انکشاف: اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی، میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے روح پھونکنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے جیسے خَلَقْتُ بِیَدِی میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ میں پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ اسی سبب سے ایک صحیح حدیث میں ان دونوں میں امتیاز برتا گیا ہے کہ لوگ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آ کر کہیں گے کہ آپ انسانیت کے باپ آدم ہیں۔ آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق فرمایا۔ آپ کے جسم میں اپنی روح پھونکی۔ آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور

اور آپ کو اپنی ہر اشیاء کے نام سکھائے۔ اس حدیث میں حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کی چار خصوصیات بیان فرمائیں۔ اگر فرشتے نے رُوح پھونکی ہوتی تو پھر یہ خصوصیت باقی نہیں رہتی اور آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام نوع انسانی کی طرح ہوتے۔ کیونکہ ان میں فرشتے نے رُوح پھونکی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی مقام کی وجہ سے ایک گروہ رُوح کی قدامت کا قائل ہوا اور ایک گروہ نے توقف کیا۔ دونوں گروہ قرآنِ حکیم کی مراد سمجھنے سے قاصر رہے حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف یہ نسبت نسبت تشریفی ہے۔ اور نفخ کی نسبت حکم والی نسبت ہے جیسے بادشاہ کہے کہ میں نے محل بنایا۔ اللہ رب العزۃ تبارک وتعالیٰ نے ایک جگہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اپنی رُوح ان میں پھونکی۔ پھر فرمایا کہ ان کی طرف فرشتہ بھیجا اور اُس نے رُوح پھونکی۔

جب یہی طے پایا کہ رُوح پھونکنے والا فرشتہ

رُوح پھونکنے میں انوکھا راز۔ ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رُوح اللہ کیوں کہا جاتا ہے۔ اور کیا حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام میں بھی فرشتے نے ہی رُوح پھونکی یا براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ نے رُوح پھونکی۔ اس کا جواب اس طرح ہے کہ اللہ رب العالمین جل مجدہم الکریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس میں اہمیت و شرف ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ

الحاصل الکلام۔ نے تمام ارواح میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح کا خاص طور پر انتخاب کیا۔ اور فرشتے پر نہیں چھوڑا۔ لہٰذا یہ رُوح باپ کی طرح ہے کیونکہ باپ حمل کا سبب بنتا ہے اور یہ رُوح بھی حمل کا سبب بنی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی رُوح کو بھی اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اس سے پتہ چلا کہ اس میں اہمیت اور شرف ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح صرف ماں سے

پیدا ہوئے اور نہ دوسرے انسانوں کی طرح ماں باپ سے۔ بلکہ بغیر والدین کے پیدا ہوئے۔ اور عام اولاد آدم کی طرح فرشتے نے ان میں رُوح نہیں پھونکی۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی مٹی میں رُوح پھونکی۔ رہا یہ سوال کہ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے براہ راست رُوح پھونکی گئی۔ ان میں سے ہر ایک دعویٰ محتاج دلیل ہے۔

مخلوق اور غیر مخلوق:- ہاتھ سے پیدا کرنے اور رُوح پھونکنے میں یہ فرق ہے کہ ہاتھ غیر مخلوق ہے اور رُوح مخلوق ہے۔ اور تخلیق کرنا اللہ تبارک و تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور رُوح پھونکنا آیا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان افعال میں سے ہے جو اس کے ساتھ قائم ہیں۔ یا ایک فعل ہے۔ ان مفعولات میں سے جو اللہ کے ساتھ قائم نہیں بلکہ اس سے سراسر الگ ہیں۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کے برعکس حضرت مریم سلام اللہ علیہا والا نفخ اللہ کا ایک مفعول ہے۔ اور اللہ نے اپنی طرف اس لیے منسوب فرمایا کہ اس کے حکم سے انجام پایا۔ بہرحال حضرت آدم علیہ السلام والا نفخ خواہ فعل خداوندی ہو یا مفعول ہر حال میں رُوح منفوخ مخلوق اور غیر قدیم ہے اور یہی مخلوق رُوح آدم علیہ السلام کی رُوح کا مادہ ہے۔ لہٰذا ان کی رُوح بھی بدرجۂ اولیٰ حادث اور مخلوق ہوگی۔ غیر مخلوق نہ ہوگی۔

باب نوازدہم

تقدم خلق ارواح

سوال: کیا سب سے پہلے ارواح کو پیدا کیا گیا یا سب سے پہلے اجسام کو پیدا کیا گیا۔ اسے تفصیلاً بیان کیجیے۔

جواب: کیا سب سے پہلے ارواح کو پیدا کیا گیا یا اجسام کو پیدا کیا گیا۔ اس کے جواب میں شیخ الاسلام کے دو مشہور قول نقل کیے جاتے ہیں۔ محمد بن نصر مروزی اور ابو محمد بن حزم تقدم ارواح کی تخلیق کے قائل ہیں بلکہ ابن حزم نے تو اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے اب ہم دونوں امتیازات کے دلائل بیان کر کے صحیح مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ ارشاد رب العالمین جل مجدہ الکریم ہے ولقد خلقنٰکم ثم صورنٰکم الخ ہم نے تمھیں پیدا کیا پھر تمھاری شکلیں بنائیں پھر ہم نے فرشتوں سے آدم کو سجدہ کرنے کے لیے کہا۔ کہا جاتا ہے کہ لفظ ثم ترتیب و تاخیر کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ماحصل: معلوم ہوا کہ خلق سجدۂ آدم پر مقدم ہے اور یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ بدن بعد میں بنتا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ خلق سے خلق ارواح مراد ہے۔

تخلیق آدم کا راز: ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے و اذا اخذ ربک من بنی آدم الخ اور جب تمہارے پروردگار نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اس پر شاہد کیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اقرار ارواح سے لیا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت بدن تو تھے ہی نہیں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس آیۂ کریمہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نے سُنا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو پیدا کیا۔ پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا اور اس سے ان کی تمام اولاد نکلی جہنم کے لیے پیدا کیا۔ یہ دوزخ والوں کے عمل کریں گے اور میں نے انھیں بہشت کے لیے پیدا کیا اور یہ بہشت والوں جیسے کام کریں گے۔ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت رہی۔ فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کو بہشت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے بہشتیوں جیسے عمل کرواتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا خاتمہ اچھے عمل پر ہو جاتا ہے اور اسے اس عمل کے سبب سے بہشت میں داخل کر دیتا ہے۔ اور جب کسی کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں والے عمل کرواتا ہے یہاں تک اس کا انجام بُرے عمل پر ہوتا ہے اور اسے اس کے سبب سے دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔

پشت آدم کا راز: حاکم نے حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کی پشت کی ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے تمام ارواح جو محشر تک آنے والی ہیں چیونٹیوں کی طرح نکل آئیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر نور کی چمک رکھی۔ پھر انھیں حضرت آدم علیہ السلام

پر پیش کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا اے رب یہ کون ہیں۔ ارشاد ہوا یہ تمہاری اولاد ہے۔ پھر حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام ان میں سے ایک شخص کی پیشانی پر نور دیکھ کر عالم حیرت میں گویا ہوئے اے رب یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہارے بیٹے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں جو آخری قوموں میں ہوں گے۔ پوچھا ان کی عمر کس قدر ہوگی۔ فرمایا ساٹھ برس۔ کہنے لگے انہیں میری عمر میں سے چالیس برس اور دے دو۔ فرمایا پھر تو لکھ کر مہر لگا دی جائے گی اور پھر تبدیل نہیں ہوگی۔ پھر جب حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عمر تمام ہوگئی تو عزرائیل علیہ السلام آپ کے پاس گئے۔ کہنے لگے ابھی تو میری عمر چالیس برس باقی ہے۔ عزرائیل علیہ السلام نے کہا کیا وہ تم نے اپنے بیٹے داؤد کو چالیس نہیں دیئے تھے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام نے انکار کیا۔ لہٰذا ان کی اولاد میں بھی یہی عادت ہے۔ کہ آدمی بھول جاتا ہے۔

عمر کی زیادتی میں امتیازات۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قرض والی آیۂ کریمہ کا نزول ہوا تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام منکر ہوئے تھے۔ محمد بن سعد نے یہ زیادہ کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے پورے ہزار سال کر دیئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پورے سو سال برقرار رکھے۔

زمین و آسمان کا شاہد ہونا۔ حاکم کی ابو ولادہ والی حدیث میں اسی آیۂ کریمہ کی تفسیر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس روز قیامت تک دنیا میں آنے والوں کو جمع فرمادیا اور ارواح کو بھی پیدا فرمایا پھر ان کی صورتیں بنائیں اور ان سے اقرار کرایا وہ بولے اور انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ربوبیت کا پکا وعدہ لیا۔ اللہ نے فرمایا۔ میں اس پر ساتوں آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو

گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کہ محشر کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو بالکل بے خبر تھے۔ خبردار میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرنا میں تمہارے پاس رسول بھیجوں گا۔ جو تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلائیں گے۔ اور تم پر اپنی کتب بھی نازل کروں گا۔ سب نے کہا ہم شاہد ہیں کہ تو ہی ہمارا رب اور ہمارا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ ان کے سامنے ان کے باپ حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم لائے گئے۔ آپ نے اپنی اولاد میں امیر و غریب، خوبصورت اور بدصورت تمام کو دیکھا۔ کہنے لگے اے پروردگار تیرے بندوں میں برابری ہوتا تو بہت بہتر تھا۔ فرمایا میں شکر کو پسند کرتا ہوں۔ اور ان میں انبیائے کرام علیہما السلام کو چراغوں کی طرح دیکھا۔ انبیاء سے رسالت کا عہد لیا گیا۔ جیسا آیہ کریمہ واذ اخذ نا من النبیین الخ جب ہم نے انبیائے کرام سے عہد لیا سے ثابت ہے۔

میثاق ازل مندرجہ

میثاق کا آیہ کریمہ سے استدلال و اثبات

:- ذیل آیہ کریمہ فاقم وجھك للدین حنیفا الخ اپنی ذات یکسو ہو کر دین کے لیے قائم کر دیجئے یہ دین اللہ تبارک و تعالیٰ کی پیدائش ہے جس پر اس نے لوگوں کو تخلیق کیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ ارشاد فرمایا ھٰذا نذیر من النذر الاولیٰ ہم نے اکثر لوگوں کے لیے عہد نہیں پایا اور اکثر لوگوں کو نافرمان پایا' سے ثابت ہے میثاق والی ارواح میں سے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی بھی روح تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ الکریم نے یہ روح حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے پاس بھیجی جبکہ وہ اپنے اہل خانہ سے جدا ہو کر مشرق کی جانب ایک جگہ پہ چلی گئی تھیں۔ پھر وہ روح ان کے منہ کے اندر داخل ہو گئی۔

بہشتی اور دوزخی ارواح :- ہشام بن حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ ایک شخص

نے دریافت کیا یارسول اللہ کیا ابتدائی عمل ہوتے ہیں یا تقدیر سے ہوتے ہیں؟ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات نے فرمایا جب اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد نکالی ان سے عہد لیا۔ پھر لپیٹ کر انہیں ڈال کر فرمایا کہ یہ بہشتی ہیں اور یہ دوزخی ہیں۔ اہل بہشت کو بہشتی جیسے عمل آسان ہوں گے اور جہنمیوں کو اہل جہنم جیسے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب

دست راست کا راز۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام کو پیدا کرنے کا قصد فرمایا تو حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرے کون سے ہاتھ کو پسند کرتے ہو جس سے میں تمہاری اولاد تم کو دکھاؤں۔ کہا کہ میں اپنے رب تعالیٰ کا دست راست پسند کرتا ہوں اور میرے پروردگار کے دونوں ہاتھ سیدھے ہی ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا سیدھا ہاتھ کھول دیا جس میں حشر تک دنیا میں آنے والی تمام اولاد تھی۔ تندرست اپنی تندرستی پر اور بیمار اپنی بیماری پر اور انبیاء کرام اپنی ہیئت پر تھے۔ کہنے لگے کہ آپ نے سب کو عافیت کیوں نہیں بخشی۔ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت اسحاق بن راہویہ

بند مٹھی سے فرمان خداوندی میں راز ازلی۔ عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے مٹھیاں بند کر کے فرمایا اے آدم دونوں ہاتھوں میں سے کسی ایک ہاتھ کو چن لو۔ کہنے لگے میں نے اپنے رب کے دست راست کو چن لیا اور اس کے دونوں ہاتھ سیدھے ہی ہیں۔ بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے کھول دیا تو اس میں ان کی اولاد تھی۔ دریافت کیا یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ دنیا میں

محشر تک آنے والی تمہاری جنتی اولاد ہے ان کے متعلق میں بہشت کا فیصلہ کر چکا ہوں۔

محمد بن نصر سے مروی ہے کہ حضور سید

مختلف اقوال کی مختلف کیفیات:۔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو دنیا میں محشر تک آنے والی ارواح اس سے باہر آگئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والے قول میں نعمان کا لفظ بھی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں ہے کہ جیسے کنگھی سے بالوں کی اندرونی اشیاء باہر آجاتی ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد باہر نکالی۔ حضرت ابن عباس والے ایک قول میں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام کے سیدھے کندھے کو تھپتھپایا جس سے ہر بہشتی روح سفید اور شفاف باہر نکلی۔ فرمایا یہ بہشتی ارواح ہیں۔ پھر بائیں کندھے کو تھپتھپایا جس سے ہر جہنمی روح سیاہ نکلی۔ فرمایا یہ دوزخی ہیں۔ پھر ان سے ایمان و معرفت کا عہد لیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں چند صحابہ کرام سے بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام کو بہشت سے نکالا تو آسمان سے اترنے سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر سیدھی طرف ہاتھ پھیر کر اس سے موتیوں کی طرح سفید اور شفاف چیونٹیوں کی طرح ان کی اولاد نکالی اور امیرانہ شان سے فرمایا دوزخ میں چلے جاؤ۔ قرآن مجید میں اصحاب یمین اور اصحاب شمال سے یہی مراد ہے۔ پھر ان سے عہد لیا اور دریافت کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو فرمانبردار اور نافرمان وارثوں کو دے دیا۔ پھر فرشتوں نے کہا ہم گواہ ہیں محشر کے روز یوں نہ کہنا کہ ہم تو اس عہد سے بے خبر تھے۔ یا یوں نہ کہنا کہ پہلے سے ہمارے

باپ دادا شرک پر قائم تھے اور ہم ان کی اولاد تھے۔ لہٰذا کوئی ایسا شخص نہیں جو یہ علم نہ رکھتا ہو کہ اللہ اُس کا سب ہے۔ اور کوئی ایسا مشرک نہیں جو یہ نہ کہتا ہو کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک طریقہ پر پایا۔ مندرجہ آیۂ کریمہ میں روزِ میثاق کا ہی بیان ہے واذ اخذ ربک من بنی آدم الخ وله اسلم من فی السموٰت والارض طوعا وکرھا اور فللہ الحجۃ البالغۃ الخ۔

امام کعب بن قرظی رحمۃ اللہ علیہ آیۂ

مفسرِ قرآن امام کعب بن قرظی کا بیان:۔ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سب ارواح نے اجسام پیدا کیے جانے سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کا اور اس کی معرفت کا اقرار کیا تھا۔ عطاء کا فرمان ہے کہ یومِ میثاق ارواح کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا گیا تھا۔ اور پھر پشت میں لوٹا دیا گیا۔ ضحاک فرماتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس روز آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تھی اُسی روز ان کی پشت سے محشر تک دنیا میں تمام آنے والی ارواح چیونٹیوں کی طرح نکال کر ان سے اپنے رب ہونے کا عہد لیا تھا اور ملائکہ کو گواہ بنا لیا تھا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے دستِ راست کی مٹھی میں لے کر فرمایا تھا کہ یہ بہشتی ارواح ہیں اور دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں لے کر فرمایا تھا یہ دوزخی ارواح ہیں۔

حضرت یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن مسیب سے

روزِ ازل کی کیفیتِ ازلیہ:۔ ازل کے بارے میں دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کو پیدا کر کے انہیں ایسی ایسی قابلِ توقیر باتیں دکھائیں جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں دکھائیں۔ آپ کو دنیا میں قیامت تک آنے والی ارواح کو دکھایا گیا۔ پھر اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ان میں زیادتی یا کمی کر دے گا تو وہ کذاب ہے۔ اگر ستر آدمی بھی اس دعویٰ پر متفق ہو جائیں تو میں پھر بھی پروا نہیں کرتا۔

ابو العالیہ نے مندرجہ آیۂ مبارکہ وله اسلم من فی السموٰت یعنی زمین و آسمان والے تمام خوشی اور بے خوشی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فرمانبردار ہوگئے' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ازل والے میثاق کے روز سب نے رب تعالیٰ کی توحید کا اقرار کر لیا۔ اسحاق کا فرمان ہے کہ اس روز اور اس وقت سب نے اقرار کر لیا توحید کا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس اقرار کی خبر دی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اسی سے خطاب فرماتا ہے جو خطاب کو سمجھ کر جواب بھی دے دے۔ لہٰذا ارواح کا جواب دینا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے خطاب کو سمجھا اور سمجھ کر اس کے سوال کا جواب دیا اور سب نے اس توحید کا اقرار کر لیا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

دو ہزار سال پہلے ارواح کا تخلیق ہونا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں سے ان کی ارواح کو دو ہزار سال قبل تخلیق فرمایا۔ پھر جنہوں نے باہم پہچان لیا ان میں محبت اور انس رہتا ہے اور جن کو پہچان نہیں ہوئی ان میں اختلاف رہتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم فریق مخالف کا جواب دو طریقہ سے دیتے ہیں وہ یوں کہ ہم قرآن حکیم سے ثابت کرتے ہیں کہ تقدم خلق ارواح نہیں پھر ان کے دلائل کا جواب دیں گے ارشاد باری تعالیٰ ہے یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ ظاہر ہے کہ خطاب انسان ہے۔ تو پتہ چلا کہ انسان کا مجموعہ ماں باپ کے بعد پیدا ہوا۔ اور انسان کا مجموعہ بدن اور روح ہے۔ دوسری دلیل میں اس سے بھی زیادہ صراحت ہے سماعت کیجئے یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ الخ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈر جاؤ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے جوڑا پیدا کیا اور ان سے بکثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ ظاہر ہے کہ تمام بنی نوع انسان کی پیدائش ان کی جڑ کی پیدائش کے بعد ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس سے تقدم خلق ارواح کی نفی لازم نہیں

تخلیق کا ایک عجوبہ راز: آئی مانا کہ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلاۃ والتسلیم کے بعد تمام انسانیت کی تخلیق ہوئی لیکن ان کے ابدان پیدا ہوئے ارواح نہیں جیسا کہ مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہو چکا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم انشاء اللہ اسے بیان کرنے والے ہیں کہ مذکورہ بالا دلائل میں سے کوئی دلیل بھی تقدم خلق ارواح پر دلالت نہیں کرتی۔ اگر ان دلائل کو درست طور پر مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کے پیدا کرنے والے نے ارواح کی صورتیں بنائیں ان کی تخلیق کا ان کی عمروں کا ابدان کے اعمال کا اندازہ کیا اور وہ صورتیں ان کے مادہ سے نکالیں۔ پھر انہیں اسی مادے میں لوٹا دیا۔ اور مقررہ وقت پر ہر شخص کی تخلیق کا وقت مقرر فرما دیا۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ ان کی پیدائش مستقل تھی کہ اس کے بعد ارواح زندہ رہ کر عالم ناطق ہوں اور کسی خاص مقام پر رہتی ہوں۔ پھر وہاں سے ایک کے بعد دوسرے اپنے اپنے ابدان میں بھیجی جاتی ہوں جیسا کہ ابن حزم کا قول ہے۔ کیا آثار اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں۔ ہاں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اپنے وقت پر تقدیر سابق کے مطابق انھیں پیدا کرتا رہتا ہے جیسا کہ تمام مخلوق میں اس کی عادت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے اندازے، مدتیں، صفات اور ہیئیات متعین فرما دیئے ہیں۔ پھر انھیں کے مطابق ان کا وجود خارجی ہوتا ہے۔ ابدان میں اس اندازے سے بال کے برابر بھی فرق نہیں ہوتا۔ لہٰذا مذکورہ بالا دلائل سابق تقدیر پر دلالت کرتے ہیں اور بعض اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل تبارک و تعالیٰ نے مثالیں اور صورتیں نکالیں اور نیک اور بد کو الگ الگ کر دیا۔ لیکن ان سے خطاب کرنا انھیں بلوانا اور ان سے رب ہونے کا عہد لینا اور ان کا اس بات کی شہادت دینا اس سلسلے میں سلف سے جس نے یہ باتیں مانی ہیں وہ آیۂ کریمہ کے ظاہری مفہوم سے مانی ہیں

ورنہ آیت ان پر دلالت نہیں کرتی بلکہ ان کے برعکس معانی پر دلالت کرتی ہے۔

احادیث کا تطابق:۔ ابو عمر نے مؤطا والی حدیث کو منقطع بتایا ہے۔ مسلم بن یسار کی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا ثبوت نہیں ملتا اور اس حدیث میں ان دونوں کے مابین نعیم بن ربیعہ ہیں اور وہ بھی اس سند کے ساتھ دلیل کے قابل نہیں۔ نیز یہ مسلم بن یسار مجہول ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہیں بصری نہیں۔ ابن ابی خثیمہ کا فرمان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حدیث پڑھی تو انہوں نے اپنے قلم سے مسلم بن یسار کے بارے میں لکھا کہ یہ مشہور نہیں ہیں۔ پھر یہ روایت ابو حمزہ نسائی کے طریقہ پر لائے ہیں جس میں مسلم اور عمر کے مابین نعیم بن ربیعہ ہیں اور سنجرۃ کے طریقہ سے لائے ہیں۔ اس میں بھی دونوں کے مابین نعیم ہیں۔ ابو عمرو کا فرمان ہے نعیم کی جس نے زیادتی کی ہے وہ دلیل نہیں ہے اور جس نے انھیں بیان نہیں کیا وہ اہل حافظ ہیں۔ وہی زیادتی قابل قبول ہوتی ہے جو حافظ اور ماہر فن رجال کی طرف سے ہو۔ بہرحال یہ حدیث مستند نہیں کیونکہ مسلم و نعیم دونوں حمل علم میں معروف نہیں ہیں۔ ہاں اس کے معانی بہت سی اسناد سے حضرت عمر وغیرہ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ثابت ہے۔ یعنی ان احادیث سے جو سابق تقدیر پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک اور انکشاف:۔ ابو صالح کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث اولاد آدم کے استخراج پر اور چیونٹیوں کی صورتوں میں تمثیل پر دلالت کرتی ہے اور اس پر بھی کہ کچھ چمکدار تھیں اور کچھ تاریک تھیں۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جسموں سے قبل ارواح کو پیدا کیا اور کسی جگہ انھیں ٹھہرا دیا۔ پھر اس کا جسم بنا کر اس میں اس رُوح کو جسم میں بھیج دیتا ہے۔ ہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر رُوح کے لیے ایک خاص بدن مقرر فرما دیا ہے اور وہ رُوح اسی بدن میں بھیجی جاتی ہے۔

حضرت ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ والی

ابن ابی کعب کا ثقہ اور غیر ثقہ ہونا۔ حدیث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

ثابت نہیں اور درست بھی نہیں۔ اگر درست بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ ابی کا قول ہے۔ اس
سند سے بہت سی منکر چیزیں مرفوع و موقوف آئی ہیں۔ ابو جعفر رازی کو ثقہ بھی کہا گیا ہے
اور ضعیف بھی کہا گیا ہے۔ علی مدینی نے انہیں ثقہ کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ ہیر پھیر
کر دیتے ہیں۔ ابن معین نے بھی ثقہ کہا ہے اور بھی کہا ہے کہ ان کی احادیث لکھی جاتی ہیں
مگر یہ غلطیاں بھی کرتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث میں
مضبوط نہیں ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ حدیث میں صالح بھی ہیں۔ فلاس کے نزدیک ذہنی
طور پر بھی خراب ہیں۔ ابو زرعہ کے نزدیک بہت بڑے وہمی ہیں۔ اور ابن حبان کے
نزدیک مشاہیر سے منکر باتیں روایت کرنے میں الگ تھلگ ہیں۔ اس حدیث میں ایک
منکرات یہ بھی ہے کہ ان روحوں میں جن سے اقرار لیا گیا تھا حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ
السلام کی روح بھی تھی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ روح حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی
طرف بھیجی اور وہ ان کے منہ میں داخل ہو گئی۔ حالانکہ جو روح حضرت مریم سلام اللہ علیہا
کی طرف بھیجی گئی تھی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح نہیں تھی بلکہ اس روح نے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی روح ان میں پھونکی تھی اور وہ حاملہ ہو گئی تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے
فارسلنا الیہا روحنا الخ یعنی پھر ہم نے ان کی طرف اپنی روح بھیجی اور وہ ان کے
روبرو ایک مکمل آدمی بن کر ظاہر ہوئی۔ بولی میں تم سے اپنے رحیم و کریم خدا کی پناہ مانگتی ہوں
اگر تمہیں اللہ کا ڈر ہے۔ بولے مجھے تمہارے رب نے بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں ایک پاکیزہ بچہ
[illegible]۔

ظاہر ہے کہ اگر روح بھی ہوتی تو کبھی اس طرح حضرت مریم سلام اللہ
ما حصل کلام۔ علیہا سے اپنی طرف سے خطاب نہ کرتی۔ حالانکہ اسی جعفر کی حدیث کی

ایک سند میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا سے خطاب کیا اور وہی آپ کی طرف بھیجی گئی تھی۔

چار اہم قول:۔ **پہلا قول:۔** اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے بنی آدم کی صورتیں اور مثالیں نکالیں اور اچھوں بروں کو، تندرستوں اور بیماروں کو الگ الگ کیا۔

دوسرا قول:۔ اس وقت ان پر دلیل قائم کی اور انہیں اپنے رب ہونے پر گواہ بنایا اور ان پر ملائکہ کو گواہ بنایا۔

تیسرا قول:۔ واذ اخذ ربك کی تفسیر بھی یہی ہے۔

چوتھا قول:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارواح کو نکال کر ان سے ایک جگہ اقرار کرایا اور انہیں پیدا کر چکا اور اپنے اپنے وقت پر ان کے اجسام میں بھیجتا رہا۔

ان میں پہلا قول مرفوع و موقوف احادیث سے ثابت ہے۔ اور دوسرا قول بعض مفسرین نے واذا اخذ الخ سے نکالی ہے اور اس کی تفسیر قرار دی ہے اور ارباب نقل میں سے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ ابو اسحاق کا فرمان ہے کہ یہ جائز ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان چیونٹیوں جیسی ارواح کو عقل و شعور عطا فرمادیا جیسا کہ فرمایا قالت نملة الخ ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیوں اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑ اور پرندے مسخر کر دیئے تھے جو آپ کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے

اہلحدیث اکابرین کا قول:۔ ابن انباری علیہ الرحمۃ نے کہا کہ اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں اہل علم اکابر اور اہلحدیث کا یہی قول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اور بنی آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی طرح اولاد نکالی۔ اور ان سے اقرار لیا کہ اللہ ہی ان کا پیدا کرنیوالا

ہے اور وہ اس کی مخلوق ہے۔ اور انھیں عقل و شعور عطا فرمایا۔ انھوں نے یہ بات بھی مان لی اور اس کا اقرار کر لیا جیسے خطاب کے وقت پہاڑ کو عقل و شعور عطا کیا گیا اور اونٹ کو بھی کہ اس نے سجدہ کیا اور کھجور کے درخت کو بھی جبکہ اسے بلایا گیا تھا کہ اس نے سن کر حکم کی تعمیل کی۔

جرجانی نے کہا کہ آیۂ کریمہ اور احادیث شریفہ میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے جب انھیں حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کی پشت سے نکالا تو انھیں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی پشت سے بھی نکالا، کیونکہ اولاد، اولاد آدم بھی اولاد آدم ہی سے ہے۔ پھر فرمایا کہ کہیں محشر کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے۔ پھر ملائکہ اس عہد پر گواہ بن گئے۔

معلوم ہوا کہ حدیث مبارکہ میں جو یہ تفسیر آئی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ

الحاصل کلام:۔ سے ملائکہ سے گواہ بننے کے لیے کہا۔ پھر وہ گواہ بن گئے۔ درست ہے کہ بعض کا خیال ہے کہ یہ میثاق ارواح سے لیا گیا تھا اجسام سے نہیں لیا گیا تھا کیونکہ ارواح ہی کو فہم اور شعور ہے انھیں ہی ثواب ملتا ہے اور انھیں پر عذاب ہوتا ہے۔ اجسام کو فہم و شعور نہیں وہ تو مردہ ہیں۔

اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی خیال ہے۔ انھوں نے فرمایا

تبصرہ برائے تبصرہ:۔ کہ یہی قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اسحٰق کا بیان ہے کہ اہل علم کا اجماع ہے کہ جسموں سے قبل ارواح سے رب ہونے کا عہد کرایا گیا۔ جرجانی نے کہا کہ ان کی دلیل ولا تحسبن الذین قتلوا الخ ہے۔ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں حالانکہ ان کے جسم خاک میں مل کر خاک ہو گئے اور ان کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ اور روح کو رزق دیا جاتا ہے اور روح خوش ہوتی ہے۔

اثرات کا ماحصل: یاد رہے کہ ارواح ہی لذت اور الم اور سرور و حزن کا احساس کرتی ہیں اور انھیں ہی پہچاننے اور نہ پہچاننے کا شعور ہے۔ اس کا نمونہ خواب میں موجود ہے۔ خواب دیکھنے کے بعد انسان جب صبح کو اُٹھتا ہے تو اس کی طبیعت میں رنج و سرور کے اثرات ہوتے ہیں جن سے صرف رُوح کو واسطہ پڑتا ہے جسم کو واسطہ نہیں پڑتا۔ اس میثاق کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے اُس سے حجت پوری کر دی۔ خواہ دین کی آواز کسی کے کان میں پہنچے یا نہ پہنچے۔ پھر جن میں انبیائے کرام رسولانِ عظام علیہما السلام آئے تو اُنھوں نے اپنی تبلیغ سے اس میثاق کی مزید توثیق کی۔

عدلِ الٰہی: ہاں اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم کسی سے اسی قدر اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے جس قدر اس پر حجت قائم ہوئی ہے اور جس قدر اس میں صلاحیت ہے۔ اور جس قدر اسے دلائل عطا فرما دیئے ہیں۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرما دیا کہ بالغ ہو کر کون کیا عمل کرے گا اور نابالغوں کے حالات ہم سے پردۂ خفا میں رکھے گئے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ عدل کرنے والا ہے۔ اپنے حکم میں ظالم نہیں ہے۔ حکیم بھی ہے۔ اس کی صفت میں تفاوت نہیں اور ہمہ گیر اختیار رکھتا ہے۔

ایک نکتہ عجوبہ کا انکشاف: دیگر علمائے کرام نے ان کے برعکس آیۂ کریمہ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ وجودی ترتیب کے اعتبار سے جب وہ اپنے اپنے باپوں کی پشتوں میں نطفے بنیں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں پیدا فرمائے گا تو انھیں عقل اور شعور دے کر اور اپنی نشانیاں دکھا کر اپنے رب ہونے کا ان سے اقرار کرائے گا۔ کیونکہ ان کے سامنے ایسی واضح نشانیاں اور دلائل ہوں گے جن سے انھیں اپنے پیدا کرنے والے اور اپنے پروردگار کو ماننا پڑے گا۔ چنانچہ ایسا کوئی نہیں جس میں اس کے رب کی کاریگری نہ ہو اور

کاریگری شہادت دیتی ہو کہ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم اس کا خالق ہے اور اسی کا حکم اس میں کارفرما ہے۔ پھر جب وہ ان دلائل سے پہچان جائیں گے تو گواہوں کی طرح ہوں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اپنے اوپر کفر کے گواہ ہیں۔ یعنی گواہوں کی طرح ہیں۔ کیونکہ انھوں نے یہ کب اقرار کیا تھا کہ ہم کافر ہیں جیسے تم کہو کہ میرے اعضاء نے جیسے تمھاری باتوں کی گواہی دیتے ہیں۔ یعنی میں تمھاری بات سمجھ گیا کہ اگر میرے اعضاء میں گفتگو کی صلاحیت ہوتی اور ان سے گواہی طلب کی جاتی تو بھی گواہی دیتے۔ اسی جنس سے توحید پر اللہ کی گواہی ہے۔

علم خداوندی کا راز: ارشاد خداوندی ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے توحید الوہیت کو بتا دیا اور ظاہر فرما دیا ہے۔ یہ بتا دینا بھی گواہی کے طور پر ہے۔ اس پر جرجانی نے یہ اضافہ کیا کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق فرمائی اور ان میں اپنا مستقبل کا علم نافذ فرمایا۔ کیونکہ جو بات مستقبل میں ظاہر ہونے والی ہے وہ بمنزلہ موجود کے ہے اور اللہ ربُّ العزت تبارک وتعالیٰ کا علم تمام زمانوں میں برابر ہے۔ اور عربی میں مجازی طور پر حقائق منتظرہ کو وقوع کی جگہ پر رکھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے وقوع پر علم خداوندی سبقت کر چکا ہے۔

بے مثل ذات: یہ مجازی استعمال قرآن مجید فرقان حمید میں جگہ جگہ ہے فرمایا وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ دوزخیوں نے پکارا یعنی پکاریں گے وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ بہشت والوں نے پکارا یعنی پکاریں گے وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ۔ اہل اعراف نے پکارا یعنی پکاریں گے۔ اس معنی کے اعتبار سے آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جب تمھارا پروردگار بنی آدم کو ان کے باپوں کی پشتوں سے نکالے گا اور عقل و شعور عطا فرما کر ان کے نفوس پر ان سے شہادت لے گا۔ ہر بالغ سے جو اپنے بھلے

بُرے کو سمجھتا ہے اور ثواب و عذاب اور وعدہ وعید کا شعور رکھتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے توحید کا میثاق لے لیا۔ کیونکہ عقل عطا فرمائی اور اس کے حدوث پہ دلائل قائم کیے اس نے عقل سے سمجھا کہ میں نے اپنے آپ کو خود تخلیق نہیں کیا اور نہ ہی میری تخلیق خود بخود ہو گئی۔ بلکہ میرا کوئی نہ کوئی خالق ضرور ہے جو میرے علاوہ ہے اور وہ بے مثل ہے۔ کیونکہ مخلوق میں کوئی بھی تخلیق کی حیثیت نہیں رکھتا اس لیے لامحالہ وہ معبود برحق ہے۔ اگر انسان سکون کے وقت نہیں سوچتا تو تکلیف کے وقت تو ضرور ہی سوچتا ہوگا اور سوچتا ہے۔

معرفتِ خداوندی کا راز:۔ جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو وہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر اپنی انگلی سے اشارہ کرتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان کے اوپر ہے۔ پھر جب عقل جس پر سمجھنا سمجھانا موقوف ہے معرفتِ خداوندی کا ذریعہ ہے۔ تو جو بھی بالغ ہو کر عقل و شعور کو پہنچ جائے گا گویا اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے اس سے عہد لے لیا۔ اب اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اقرار کر لیا اور توحید الوہیت کو قبول کر لیا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا زمین و آسمان کا ہر ذی شعور خوشی یا غمی کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہے۔

انسانیت میں شرف و اشراف:۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ تین آدمی مرفوع القلم ہیں۔ قبل از بلوغت، بچہ کے ہوشیار ہونے سے قبل، دیوانہ اور بیداری سے قبل سونے والا۔ اور یہ آیۂ مبارکہ انا عرضنا الأمانة الخ ہم نے آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر امانت پیش کی تو اس امانت کو اُٹھانے سے سب نے انکار کر دیا اور خوف کھا گئے اور انسان نے اس امانت کا بوجھ اٹھا لیا

یہاں امانت سے وہی عہد مراد ہے چونکہ آسمان اور زمین عقل سے خالی ہیں اس لیے ان میں امانت کا بوجھ اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی اور انسان عقل رکھتا ہے اس لیے اس نے یہ بوجھ اٹھا لیا۔

عرب لفظوں میں بھی مجازی معنی استعمال کرتے ہیں

مجازی معانی کا مستعمل ہونا۔ مثال کے طور پر ضمن القنان لفقعس ثبابا تھا یعنی کوہ قنان فقعس کے لیے اپنی ثابت قدمی کے سبب ضامن ہو گیا۔ پہاڑ کی ضمانت یہ تھی کہ فقعس آڑے وقت میں اس میں چھپ جاتا تھا۔

نابغہ نے کیا خوب کہا ہے

کأجارف الجودان هلل ربه
وجودان منها خاشع متضائل

میدان جودان کے پہاڑوں نے اپنے پروردگار کی توحید کا اقرار کیا۔ اور بعض ان میں سے جھکے ہوئے اور ذلیل ہیں۔ بہرحال آیۂ کریمہ ان تقولوا یوم القیامۃ الخ ہماری اس تاویل کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے بتایا کہ یہ عہد ان سے اس لیے لیا گیا تا کہ بروز حشر بے خبری کا اظہار نہ کریں۔ یہاں بے خبری سے مُراد یا تو قیامت کے دن سے بے خبری مراد ہے یا میثاق سے بے خبری۔

اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے محشر کے بارے میں کتاب

محال اور غیر محال۔ مبین میں کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے لوگوں سے حساب اور زندگی موت کے بعد کا عہد لیا تھا۔ ہاں ان پر ایمان رکھنے کے لیے کہا۔ اور اگر میثاق مُراد ہو تو اگر بقول مخالف بچوں اور ناتمام بچوں سے بھی عہد لیا گیا ہے تو عہد کے بعد اس عمر تک جو نہیں پہنچے کہ ان سے غفلت کا اظہار ہو اور اس کا انکار کر دیں تو پھر وہ کیسے غفلت کا عذر پیش کر سکتے ہیں۔ اور جو چیز ان

سے سرزد نہیں ہوئی اس پر مواخذہ کیسے ہو سکتا ہے اور اس کا ذکر جب جائز نہیں اور نہ ہی ظہور میں آئی محال ہے۔ اگر اس شرک سے ان کا ذاتی شرک مراد ہے تو یہ بلوغت و اتمام حجت ہی کے بعد قابل گرفت ہے اور بچے مرفوع القلم ہیں۔ اگر باپ دادا کا شرک مراد ہے تو علمائے کرام اس پر متفق ہیں کہ کوئی دوسرے کے گناہوں میں گرفتار نہیں ہوگا۔

ہمارا یہ قول میثاق والی حدیث کے مخالف

اُمتِ محمدیہ کے علاوہ عہد لیا جانا۔ نہیں۔ کیونکہ اس قول میں ماضی مضارع کے معنیٰ میں ہے۔ یہ میثاق میثاق انبیائے کرام علیہا السلام کی طرح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ اور جب اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام علیہا السلام سے عہد لیا کہ میں تمہیں جو کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس کوئی نبی ورسول آئے جو تمہارے پاس والی چیزوں کی تصدیق کرتا ہو تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی امداد بھی کرنا۔ پوچھا کیا تم نے یہ اقرار کر لیا اور اس پر میرا عہد قبول کر لیا۔ کہنے لگے کہ ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا اچھا تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام علیہا السلام

الحاصل الکلام:۔ پر جو کتاب وحکمت نازل کی اسے میثاق کے نام سے تعبیر کیا۔ جو بعد والی اُمتوں سے لیا گیا۔ یعنی اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے آسمانی کتب کو قوموں کے لیے بمنزلہ میثاق قرار دے کر دلیل بنایا اور قرآن مجید کی معرفت کو ان کا اقرار ٹھہرایا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے مشابہ یہ آیت ہے فاذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ الخ اپنے اوپر اللہ کی نعمت ومیثاق کو یاد کرو جب کہ تم نے اقرار کیا تھا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ یہ میثاق رسولانِ عظام علیہا السلام پر ایمان وتصدیق ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے والذین یوفون بعھد اللہ ولا ینقضون المیثاق جو اللہ تبارک و تعالیٰ کا عہد پورا کرتے ہیں اور میثاق نہیں توڑتے اسی طرح الم اعھد الیکم الخ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اور میری ہی عبادت کرنا۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔

حکمتِ ازلی اور حکمتِ ابدی :- ظاہر ہے کہ یہ عہد رسولانِ عظام علیہما السلام کی زبانی اقوام سے لیا گیا تھا۔ اسی طرح واوفوا بعھدی الخ تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ اسی طرح واذ اخذ اللہ میثاق الذین الخ اور جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل کتاب سے میثاق کیا تو تمہیں یہ کتاب ظاہر کرنی پڑے گی خبردار اسے نہ چھپانا۔ اسی طرح واذ اخذنا من النبیین الخ اور جب ہم نے انبیائے کرام علیہما السلام سے ان کا میثاق لیا اور آپ سے اور حضرت نوح علیہ السلام سے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور ہم نے ان سب سے میثاق لیا۔ یہ میثاق انبیائے کرام علیہما السلام سے ان کے مبعوث ہونے کے بعد لیا گیا۔ جیسے ان کی امم سے انبیائے کرام علیہما السلام کے ڈرانے کے بعد لیا گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس میثاق کو توڑنے والوں کی مذمت فرمائی اور انہیں سزا دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فبما نقضھم میثاقھم ہم نے میثاق توڑنے کے سبب سے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے۔ یہ سزا اسی میثاق کو توڑنے کے سبب سے ہے جو اقوام سے رسولانِ عظام علیہما السلام کی زبانی لیا تھا۔ اس آیہ کریمہ سے اس کی صراحت ہوتی ہے واذ اخذنا میثاقکم الخ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور کو اٹھایا کہ جو کچھ ہم نے دیا اسے مضبوطی سے پکڑ لو۔ اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کر لو۔ تاکہ تم گناہوں سے محفوظ رہ جاؤ۔

مذکورہ آیۂ کریمہ اور اس کے نظائر مدنی ہیں۔ اس لیے میثاق یاد دلا کر اہل کتاب سے خطاب کیا گیا کیونکہ انھیں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ مجھ پر اور میرے رسولان عظام علیہما السلام پر ایمان لانا۔

میثاق کی اہمیت:۔ اعراف والی آیۂ کریمہ سورۂ مکی میں ہے اس لیے اس میں عام میثاق بیان کیا جو ان تمام لوگوں کو شامل ہے۔ جنہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید، ربوبیت اور توحید الوہیت کا اور شرک کے حرام ہونے کا اقرار کیا۔ یہ ایسا میثاق ہے جس سے ان پر حجت قائم ہوتی ہے اور کوئی عذر قابل قبول نہیں رہتا اور اس کی مخالفت سے عقوبت و ہلاکت حلال ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسے دائما یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اسی پر تخلیق کیا ہے کہ بندے اس کا اقرار کریں۔ اور اللہ ہی ان کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ اور وہ مخلوق اور پرورش پایا ہوا ہے۔ پھر یہ فطری عہد یاد دلانے کے لیے رسول مبعوث فرمائے اور شریعتیں مقرر فرمائیں۔

انبیاء و رسل کے کمالات جلیلہ:۔ اس مفہوم پر آیۂ کریمہ کی ترتیب کئی طرح سے دلالت کرتی ہے۔ ارشاد ہے کہ اولادِ آدم سے اقرار لیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے عہد لیا۔ ظاہر ہے کہ اولاد آدم، آدم کے علاوہ ہیں۔ ارشاد ہے کہ جو ان کی پشتوں سے نکالی تھی۔ یہ نہیں کہا کہ پشت سے نکالی تھی۔ من ظھورھم من بنی آدم سے بدلِ بعض ہے یا بدلِ اشتمال ہے۔ مگر بدل اشتمال زیادہ موزوں ہے۔ ان کی اولادوں سے فرمایا۔ ان کی اولاد سے نہیں فرمایا۔ فرمایا انھیں ان کی ذاتیات پر شاہد بنایا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ گواہ اپنی گواہی یاد رکھیں۔ ظاہر ہے کہ گواہ دنیا والی گواہی یاد رکھیں گے۔ دنیا میں آنے سے پہلے کی یاد نہیں رکھیں گے۔ بتایا گیا ہے کہ اس گواہی کی مصلحت دلیل قائم کرنا ہے تاکہ محشر کی بے خبری کا عذر پیش نہ کریں اور برہان رسولان عظام ہی کے ذریعہ سے قائم ہوتی ہے یا فطرت کے ذریعہ

سے جس پر انسان کی تخلیق ہے جیسا کہ فرمایا رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ الخ ہم نے رسول مبعوث فرمائے جو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہیں تا کہ رسولان عظام علیہا السلام کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر حجت باقی نہ رہے۔ اس عہد کی یاد دہانی اس لیے ضروری ہے کہ محشر کے روز بے خبری کا عذر نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر میثاق ازل مراد ہوتا تو اس سے تو سب بے خبر ہیں۔

حکمت عملی کا تصور : فرمایا کہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ باپ دادا کے شرک کا عذر پیش نہ کریں۔ یعنی بے خبری اور تقلید کا عذر پیش نہ کریں۔ کیونکہ بے خبر شعور سے محروم ہے اور مقلد غیر کے قدم بقدم چلتا ہے۔

باطل پرستوں کے افعال پر ہلاکت آمیزی : ان کی طرف سے فرمایا، پھر کیا آپ ہمیں باطل پرستوں کے افعال پر ہلاک کرتے ہیں۔ یعنی اگر اللہ ان کے شرک اور انکار پر انھیں پکڑ لیتا تو وہ کہہ دیتے۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں رسولوں کی مخالفت اور تکذیب پر پکڑے گا۔ اگر باپ دادا کی تقلید پر رسولان عظام کے ذریعہ حجت قائم کیے بغیر پکڑ لیتا تو باطل پرستوں کے افعال سے پکڑتا۔ یا بے خبری کی حالت میں پکڑتا۔ حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی بستی کو ظلم سے بےخبری کی حالت میں پکڑے۔ پکڑ تو خبردار کیے جانے کے بعد آتی ہے۔ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے اپنی خلق و ربوبیت پر ہر شخص کو گواہ بنا لیا ہے اور قرآن مجید میں متعدد جگہ اس سے استدلال فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ الخ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ یہ آسمان اور زمین کس نے بنائی تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کو بتائیں گے۔ پھر اس اقرار کے باوجود توحید سے کیوں پھرے جاتے ہیں۔ قرآن مجید فرقان حمید میں اس طرح کی آیات بکثرت ہیں۔ یہی وہ حجت و برہان ہے جس کے مضمون پر لوگوں کو گواہ بنایا گیا ہے۔

اور یہی حجت الہیں اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے یاد دلائی ہے۔
فرمایا افی اللہ شک الخ کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا بنانے والا
ہے۔

الحاصل الکلام: معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو اپنے رسولان عظام کی زبانی یہی اقرار یاد دلایا ہے۔ تخلیق سے پہلے کسی سابق اقرار کو یاد نہیں دلایا۔ اور نہ ہی اس سے ان پہ حجت قائم کی۔

آیہ رحمٰن کی شان جلالت: اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ نے اس اقرار کو نشانی قرار دیا۔ نشانی ایک انتہائی واضح اور روشن دلیل ہوتی ہے جو اپنے مدلول کو اس طرح لازم ہوتی ہے کہ کبھی بھی اس سے پیچھے نہیں ہٹتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی آیات کی یہی نشانی ہوتی ہے کیونکہ وہ مطالب معینہ پر معین دلائل و براہان ہوتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ۔ ہم اسی طرح آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ یعنی اس تفصیل کی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ لوگ شرک اور کفر سے باز آجائیں اور توحید اور ایمان اختیار کرلیں۔ اور یہ آیات اللہ تبارک و تعالیٰ نے کھول کھول کر بیان فرمائی ہیں جنہیں قرآن مجید فرقان حمید میں اپنی اپنی نوع کی مخلوق میں سے بیان فرمایا ہے۔

آیات کی دلالت کا راز: یاد رہے کہ آیات دو اقسام پر منقسم ہیں۔ آیات کی پہلی قسم آفاقیہ اور دوسری قسم حسیہ ہے۔ بعض آیات تو لوگوں کی ذاتیات میں پائی جاتی ہیں اور بعض ان کے ماحول میں پائی جاتی ہیں۔ یہ تمام آیات اللہ تبارک و تعالیٰ کے وجود اور توحید پر رسولان عظام علیہما السلام کی صداقت پر موت کے بعد کی زندگی پر اور محشر پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے انتہائی واضح اور روشن دلیل خود انسان کی ذات ہے۔ اس کی ذات کا تقاضا ہے کہ کوئی اس کا پیدا کرنے والا اس کا پالنے والا اور اس کا

محسن اور اس کا ایجاد کرنے والا ہو جس نے اسے عدم کے بعد وجود کا خلعت بخشا ہے
یہ محال ہے کہ کوئی حادث بغیر محدث کے ہو۔ یا حادث خود اپنی ذات کا محدث ہو۔ اس لیے
اس کے لیے ایک بے نظیر ایجاد کرنے والے کی ضرورت ہے۔ یہی اقرار اور مشاہدہ فطرت
ہے جس پر انسان کو تخلیق کیا گیا ہے۔ کوئی کسی چیز نہیں۔ اور آیہ کریمہ واذا اخذ
ربك الخ حضور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی حدیث اس آیہ کریمہ کے
موافق ہے کہ ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس آیہ کریمہ کے بھی فاقم وجهك
للدین حنیفا الخ۔ اپنی ذات کو یکسوئی کے ساتھ اس دین پر قائم رکھو۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ
کا دین ہے جس نے اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی پیدائش
میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ سیدھا دین ہے۔ لیکن زیادہ تر لوگ علم سے محروم ہوتے ہیں۔ بعض
مفسرین نے یہی آخری قول ذکر کیا ہے اور بعض نے پہلا قول ذکر کیا ہے۔ ابن جوزی واحدی
اور ماوردی وغیرہ نے دونوں قول بیان کیے ہیں۔

حسن بن یحییٰ جرجانی نے کہا کہ اگر کوئی کہے

تخلیق ارواح کا ایک عجوبہ راز

کہ یہ قول اس حدیث کے مخالف ہے
جو یوں ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کی پشت
سے ذریات نکال کر ان سے اپنی توحید کا اقرار لے کر انہیں پھر حضرت آدم علیہ السلام
کی پشت میں لوٹا دیا کیونکہ اگر بلوغت و عقل کے بعد والا میثاق مراد ہے تو حضرت آدم علیہ
السلام کی پشت میں لوٹانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری
تاویل کے مطابق ماضی مضارع کے معنی میں ہے یعنی لوٹا دے گا۔ یعنی بعد از موت
انسان پھر مٹی میں مل جاتا ہے جس سے تخلیق کیا گیا تھا۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی
سے پیدا کیا گیا اور مٹی ہی میں لوٹا دیا گیا۔ پھر جب ان کی اولاد مٹی میں لوٹا دی گئی تو گویا آدم
ہی میں اور ان کی پشت میں لوٹا دی گئی۔

ماحصل کلام: اگر اس حدیث کا ظاہری معنی مراد ہو تو یہ قرآن مجید فرقان حمید سے متصادم ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب آپ کے پروردگار نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے یعنی ان کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی۔ اس آیۂ کریمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر نہیں بلکہ آپ کی اولاد کا تذکرہ ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیر کر ان کی تمام اولاد نکالی۔ اب ان دونوں دلائل میں موافقت کی یہی صورت ہے جو اس سے قبل بیان ہوئی۔

علامہ جرجانی کے قول کی صداقت ومقبولیت: جرجانی کا قول ہے کہ آیت ہذا کی تفسیر میں جو کچھ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور سلف صالحین سے منقول ہے وہی زیادہ قابل قبول اور درست ہے۔ مزید برآں ہمارے بعض سنی اصحاب نے اس قول کو ماننے والوں کی تردید میں کچھ اور مطلب بیان کیا ہے۔ عبارت میں اس کا احتمال نکلتا ہے اور آسانی کے ساتھ تعصب سے بالا ہو کر مجاز کے طور پر اس کا بھی امکان ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عہد لینے کی خبر دی اور لفظ اذ جواب چاہتا ہے اور اس کا جواب قَالُوا بَلٰی ہے۔ اس جواب پر اگر جملہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری خبر کی ابتداء کی جاتی ہے کہ حشر کے روز مشرک کیا کہیں گے۔ چنانچہ بتایا جاتا ہے کہ وہ کہیں گے شہدنا یعنی ہم گواہی دیتے ہیں جیسا کہ حطیئہ نے کہا شہد الحطیئۃ عین یلقی ربہ۔ حطیئہ جب اپنے رب سے ملے گا تو شہادت دے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم محشر کے روز یہ ضرور کہو گے کہ ہم اس سے یعنی حساب سے اور کفر و شرک پر پکڑے سے بالکل بے خبر تھے۔ پھر اس کے ساتھ اور خبر لائی اَوْ تَقُوْلُوْٓا الخ یا یہ کہو گے کہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے شرک کیا۔ اور ہمیں بچپن

میں اسی شرک پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ہم ان کے قدم بقدم چل پڑے۔ لہٰذا ہمارا کوئی قصور نہیں ہم تو ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ اگر گناہ ہے تو ان کا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا انا وجدنا آباءنا علی امۃ الخ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا۔ اور ہم انہیں کے آثار کی تقلید کر تے رہے۔ پھر فرمایا کیا تو ہمیں باطل پرستوں کے فعل پر پکڑتا ہے۔ یعنی ان کا فعل یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں شرک پر اٹھایا۔ اس صورت میں پہلا قصہ تمام مخلوق کی طرف سے میثاق کی خبر دینے کے سلسلے میں ہے۔ اور دوسرا قصہ قیامت کے روز مشرکین کے عذرات کے سلسلہ میں ہے۔

تصادم بر تصادم : مخالف نے جو قرآن و حدیث کے تصادم کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن نے مکمل قصہ بیان نہیں کیا۔ اور حدیث شریف میں زیادہ ہے جو قرآن میں نہیں ہے۔ اگر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس زیادہ کے علاوہ کچھ اور بیان فرماتے تو اس صورت میں بھی دونوں میں تصادم نہ ہوتا بلکہ وہ زیادتی کسی فائدے پر مبنی ہوتی۔ اگر الفاظ بالذات مختلف ہوں مگر سب کا مآل ایک ہی ہو۔ تو ان سے تصادم پیدا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں انسان کی پیدائش کے سلسلے میں کہیں تو کہا گیا ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا گیا۔ کہیں کہا گیا ہے کہ خمیر والے کیچڑ سے پیدا کیا گیا۔ کہیں کہا گیا ہے کہ چیکنے والے کیچڑ سے بنا اور کہیں کہا گیا ہے کہ ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام الفاظ مختلف ہیں اور ان کے معانی بھی مختلف ہیں۔ مگر ان سب کا مرجع و مآل ایک ہی ہے۔ یعنی مٹی اور مٹی ہی کے مختلف صفات ہیں جو مختلف آیات میں مستعمل ہیں۔

اصل اور فرع کا انکشاف : اسی نقطۂ نگاہ سے احادیث مبارکہ اور آیت مبارکہ کا مقابلہ کیجئے۔ آیۂ شریفہ واذ اخذ ربک من بنی ادم من ظھورھم ذریتھم حدیث مبارکہ ان اللہ

مسح ظهر آدم فاستخرج منه ذریته۔ ان دونوں کے مآل کے اعتبار سے ایک ہی معنی ہیں۔ مگر حدیث شریف میں حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرنا آیت سے زیادہ ہے۔ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرنا اور ان کی اولاد نکالنا بعینہٖ آدم کی اولاد کی پشتوں پر ہاتھ پھیر کر ان کی اولاد کا نکالنا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تمام اولادِ آدم آدم کی پشت سے نہیں۔ لیکن چونکہ پہلا طبقہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ہے۔ اسی طرح سلسلہ وار ہے۔ اس لیے جائز ہے کہ تمام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت ہی کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ کیونکہ سب حضرت آدم علیہ السلام کی فرع ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سب کی اصل ہیں۔ اب جس طرح اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق یہ کہنا جائز ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی گئی۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اس کی جگہ یہ بھی کہہ دیا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اولاد نکالی گئی اور اس کا الٹ بھی جائز ہے۔ یعنی الفاظ آیت کی جگہ الفاظ حدیث کا اور الفاظ حدیث کی جگہ الفاظ آیت کا رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ اصل اور فرع میں کوئی فرق نہیں ایک ہی چیز ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہی چیز ہے۔ اس کے علاوہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اضافت کے سعا ذریت آدم کہا تو دو احتمال پیدا ہوئے کہ خبر یا تو ذریت آدم سے دی جا رہی ہے یا حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام سے۔ مثال کے طور پر فظلت اعناقهم لها خاضعین پھر ان کی گردنیں ان کی سامنے جھک گئیں۔ میں اعناق کی اضافت ضمیر کی طرف ہے بظاہر جھکنے کی خبر گردنوں کی طرف دی جا رہی ہے۔ گردن والوں کی طرف سے نہیں۔ مگر لفظ خاضعین اعناق کے لیے استعمال نہیں ہوتا کیونکہ اس کے لیے خاضعات استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح اس مصرع میں شرقت صدر القناة من الدم جیسے خون سے نیزہ کا بالائی حصہ چمک اٹھا۔ یہاں صدر مذکر ہے اور شرقت مؤنث ہے۔

کیونکہ صدور کی اضافت قتادہ کی طرف ہے۔ الغرض جز بول کر کل اور کل بول کر جز مراد لیا جا سکتا ہے۔

یہ تمام آثار اجسام سے پہلے مستقل پیدائش روحوں پر دلالت نہیں کرتے۔

علمی روداد: زیادہ سے زیادہ یہ بتاتے ہیں کہ ارواح کی صورتیں اور مثالیں چیونٹیوں کی شکل میں پیدا کی گئیں اور ان سے اقرار لے کر پھر انہیں ان کی اصل کی طرف لوٹا دیا گیا۔ اگر حدیث درست ہو تو اس سے سابق تقدیر اور سابق شقاوت اور سعادت کا علم ہوا۔

آیۂ کریمہ سے استدلال کا جواب: آیۂ کریمہ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ الخ سے استدلال بظاہر غلط ہے کیونکہ اس میں ہماری پیدائش و تصویر پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم مرتب کیا گیا ہے۔ اور خطاب اسی مجموعہ سے ہے جو روح اور بدن سے مرکب ہے۔ اور یہ مجموعہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے بعد کا ہے۔ اسی لیے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے کم کی تفسیر حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام سے اور دوسرے کم کی تفسیر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے کی ہے۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے کہ پہلے کم سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ثم بمعنی واؤ ہے اور صورناکم یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں۔

حکم ثُمَّ کا انکشاف: یاد رہے کہ عربی میں لفظ جمع سردار وغیرہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے تم قوم کے سردار کو مارو اور کہہ دو کہ میں نے تم کو مارا یعنی تمہارے سردار کو مارا۔ ابو عبید نے مجاہد کا قول ہی پسند کیا ہے اس لیے کہ بعد میں حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کو سجدے کا حکم اولاد آدم کی پیدائش سے پہلے کا ہے اور لفظ ثُمَّ مہلت و ترتیب کو چاہتا ہے۔ لہٰذا جس نے خلق و تصویر سے رحموں میں اولاد آدم کی پیدائش مراد لی ہے۔ اس نے ترتیب میں ثُمَّ کا حکم پیش نظر رکھا ہے۔ البتہ اخفش کے قول کے اعتبار سے ثُمَّ یہاں بمعنی واؤ ہے۔ لیکن زجاج کا قول ہے کہ یہ غلطی ہے

خلیل وسیبویہ اور مستند علماء اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ابوعبید کا قول ہے کہ مجاہد نے بیان ہے کہ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے اولادِ آدم کو آدم کی پشت سے پیدا کیا۔ ازاں بعد سجدے کا حکم دیا۔ جیسا کہ حدیث مبارک سے ثابت ہے کہ انھیں چیونٹیوں کی طرح حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا۔

ابن قیم کا بیان آیہ کریمہ کی روشنی میں: علامہ ابن کا قول ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید خود اپنی آیات کا مفسر ہے۔ مندرجہ آیہ کریمہ کی نظیر ملاحظہ کیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ الخ۔ اے لوگو! اگر تمہیں زندگی موت کے بعد میں شک ہے تو ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ یہاں مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مراد ہے۔ اور پھر نطفے سے پیدا کیا۔ مٹی ہی آدم علیہ السلام کا مادہ ہے مگر خطاب حاضرین سے ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ ہم نے تمھیں یعنی تمھارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ دوسرے نظائر ملاحظہ ہوں وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی الخ جب تم نے یعنی تمھارے بزرگوں نے کہا وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا اور جب تم نے یعنی تمھارے بزرگوں نے ایک شخص کو مار ڈالا وَاِذْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اور جب تم میں سے یعنی تمھارے بزرگوں سے عہد لیا۔

تبصرہ برائے تبصرہ: قرآن مجید فرقان حمید میں یہ بکثرت استعمال ہے کہ حاضرین سے خطاب ہے اور مراد ان کے بزرگ ہیں سو اسی پر اس آیت وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ الخ کو قیاس کرو۔ ہم نے تمھیں پیدا کیا یعنی تمھارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو کبھی ذکر شخص سے ذکر نوع بھی مراد ہوتا ہے۔ فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الخ ہم نے انسان یعنی آدم کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا پھر اسے نطفے سے جو ایک محفوظ جگہ میں پیدا کیا۔

اس حدیث کی سند درست نہیں کیونکہ اس میں عقبہ بن مکن ہیں جو دار قطنی کے نزدیک

متروک ہیں اور ارطاۃ بن منذر ہیں جن کے متعلق ابن کا قول ہے کہ ان کی بعض احادیث غلط ہیں۔

حضرت سیدنا آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کی تخلیق کی ابتدا

تخلیق آدم علیہ السلام کا راز۔ اس طرح ہوئی کہ حکم خداوندی سے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام زمین سے ایک مٹھی مٹی لائے پھر اس مٹی سے خمیر بنایا گیا اور وہ مٹی کیچڑ بن گئی پھر اس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا۔ پھر اس پتلے میں رُوح پھونک دی گئی۔ جب رُوح داخل ہوئی تو گوشت اور پوست اور خون سب کچھ بن گیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام زندہ ہو گئے اور گفتگو کرنے لگے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی مرضی سے پیدا فرمایا اور فراغت حاصل کی تو عرش پر رونق افروز ہو گیا۔ شیطان کو آسمان اول والے ملائکہ میں شامل کر دیا گیا۔ اس سے قبل یہ ان فرشتوں کا جن کو جن کہتے ہیں ان کا سردار تھا۔ انھیں جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جنت کے محافظ ہیں۔ شیطان اپنے ماتحت ملائکہ کے ساتھ جنت کا محافظ تھا۔ اس کے دل میں یہ غرور پیدا ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے فرشتوں پر جو سرداری دی ہے اس لیے دی ہے کہ میں کوئی ایسی خوبی ضرور رکھتا ہوں۔ اس کے اس غرور کا اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم کو علم ہو گیا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر اپنا جانشین بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے بارگاہ صمدیت میں عرض کیا اے اللہ العالمین وہ جانشین کیسا ہو گا اور وہ زمین پر کیا کرے گا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اس کی اولاد زمین پر فتنہ برپا کرے گی باہم حاسد ہوں گے اور باہم قتل و غارت کریں گے۔ بولے اے پروردگار کیا تو زمین پر فتنہ گر اور خونریز پیدا کرے گا۔ ہم تو تیری حمد اور تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ رحیم و کریم نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام

کو زمین سے مٹی لانے کے لیے بھیجا۔ جب حضرت جبریل امین علیہ السلام زمین پر آئے تو زمین گویا ہوئی کہ میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے مٹی لے جاؤ۔ بالآخر حضرت جبریل امین علیہ السلام خالی ہاتھ واپس آ گئے اور عرض کیا اے میرے رب زمین نے مٹی لینے سے آپ کی پناہ طلب کی۔ میں نے آپ کا نام سن کر مٹی نہیں لی۔ پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا۔ وہ زمین کی پناہ سن کر خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ پھر حضرت عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا زمین نے ان سے بھی ایسے ہی کہا۔ مگر انہوں نے کہ مجھے اللہ کی پناہ کہ میں اپنے رب تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کیے بغیر ہی واپس چلا جاؤں۔ بالآخر حضرت عزرائیل علیہ السلام مختلف مقامات کی تھوڑی تھوڑی سی مٹی لے کر سب کو ملا کر اللہ کی بارگاہ کی طرف بڑھے۔ چونکہ مٹی مختلف قسم کی سرخ و سفید اور سیاہ لی گئی تھی اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں اختلاف ہے۔ پھر اسے چپکنے والی چکنی گیلی مٹی بنایا گیا۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ میں اس کیچڑ سے انسان تخلیق کرنے والا ہوں۔ پھر جب میں اسے درست کر دوں اور اس میں اپنی رُوح پھونک دُوں تو اس کے روبرو سر بسجود ہو جانا۔ پھر اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کا پتلا اپنے ہاتھ سے بنایا تاکہ اگر شیطان تکبر کرے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے کہہ سکے کہ میں نے تم اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ پھر تو مغرور کیونکر ہے۔ چنانچہ اللہ رحیم و کریم نے آپ کا پتلا بنا کر چالیس برس تک پڑے رکھا۔ فرشتے یہ پتلا دیکھ کر گھبرا گئے مگر سب سے زیادہ پریشانی شیطان کو ہوئی۔ جب شیطان اس پتلے کے پاس سے گزرتا تو اسے بجا دیکھتا تو کھنکھناتی ہوں مٹی کی طرح اس سے گرجدار آواز نکلتی۔ یہ اس سے کہتا کہ تیرے تخلیق کرنے والے میں کوئی عظیم مصلحت کار فرما ہے اور اس پتلے کے منہ میں گھس کر دُبر سے نکل جاتا۔ پھر ملائکہ سے کہتا کہ اس پتلے سے کیونکر مرعوب ہوتے ہو۔ تمہارا پروردگار تو ٹھوس ہے اور یہ کھوکھلا ہے۔ اگر میں اس پر غلبہ پاؤں گا تو اسے ہلاک کر دوں گا۔ پھر جب وہ وقت آیا جب اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ

اس پتلے میں رُوح پھونکنا چاہتا تھا تو اس نے ملائکہ سے کہا کہ جب میں اس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔ پھر اللہ رحیم وکریم نے اس پتلا میں رُوح پھونکی تو سر میں رُوح کے پہنچتے ہی حضرت آدم علیہ السلام نے چھینک لی۔ ملائکہ نے کہا الحمد للہ کہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے الحمد للہ کہا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواباً کہا یرحمک ربک تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے۔ آنکھوں میں رُوح آئی تو بہشتی پھل دیکھے۔ پیٹ میں رُوح آئی تو بھوک کی خواہش ہوئی اس سے پہلے کہ رُوح پاؤں تک پہنچے۔ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام نے جلدی سے بہشتی پھلوں کی طرف جانے کی کوشش کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا انسان جلدبازی سے پیدا کیا گیا ہے۔

آگ کی تخلیق:۔ ابن زید کا بیان ہے کہ جب اللہ رحیم وکریم نے آگ کو پیدا کیا تو اس سے فرشتوں پر سخت ہیبت طاری ہوئی اور پوچھنے لگے اے رب رحیم وکریم اس آگ کو کیونکر پیدا کیا اور کس کے لیے پیدا کیا۔ اللہ رحیم وکریم نے فرمایا کہ میں نے آگ کو نافرمان مخلوق کے لیے پیدا کیا اس پر سوائے ملائکہ کے زمین پر کوئی مخلوق نہیں تھی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اس کی دلیل یہ آیۂ کریمہ ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ الخ بلاشک انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ اس کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ کاش وہی زمانہ ہوتا۔ فرشتوں نے کہا کیا ہم پر کوئی ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ ہم تیری نافرمانی کریں۔ فرمایا نہیں میں زمین پر اپنی ایک مخلوق پیدا کرتا اور اپنا ایک جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں۔

ابن اسحاق کا بیان بر روح آدمان:۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ رحیم وکریم نے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کا پتلا بنایا پھر اسے چالیس برس تک چھوڑے رکھا۔ یہاں تک

کر وہ ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتا ہوا ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ جب رُوح سر میں داخل ہوئی تو حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کو چھینک آئی اور انھوں نے الحمد للہ کہا۔

جسم کی تخلیق کے بعد رُوح کا پھونکا جانا: الغرض قرآن وحدیث اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جسم کو پیدا کرنے کے بعد رُوح پھونکی۔ اور اس پھونکنے سے رُوح پیدا ہوئی۔ اگر جسم سے قبل اور اَرواح کے ساتھ رُوح ہوتی تو ملائکہ کو ان تخلیق پر حیرانی ہوتی۔ وہ یہ نہ پوچھتے کہ یہ آگ کس لیے پیدا کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ اَرواحِ انسانی کو دیکھتے اور وہ یہ بھی جانتے کہ ان میں مومن اور کافر کی اچھی اور بُری اَرواح موجود ہیں۔

اَرواحِ کفار کی کیفیات: یاد رہے کہ سب کے سب کفار کی اَرواح عزازیل کے تابع ہیں بلکہ جو لوگ تقدم خلق اَرواح کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں بھی تمام کفار کی اَرواح عزازیل کے کفر سے پہلے تخلیق ہو چکی تھیں۔ اور اللہ رحیم وکریم نے عزازیل پر کفر کا حکم حضرت آدم علیہ السلام کے بدن ورُوح کی پیدائش کے بعد لگایا ہے۔ اس سے قبل وہ کافر نہیں تھا تو اس سے قبل اَرواح عزازیل کے کفر کے بعد پیدا ہوئیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ آغاز وابتداء میں تمام اَرواح مومن تھیں پھر عزازیل کی وجہ سے مرتد ہوگئیں تو دوسری بات ہے۔ لیکن تقدم خلق اَرواح کے دلائل اس کی مخالفت میں ہیں۔

تعین وتہوارِ اَرواح: حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کی تخلیق کے سلسلے میں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا گیا۔ اگر اَرواح اجسام سے قبل پیدا ہو چکی ہوتیں تو وہ ان تمام مخلوقات میں داخل ہوتیں جو چھٹے روز میں پیدا کی گئی تھیں

ان چھٹے دنوں میں روحوں کے پیدا کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ اس لیے پتہ چلا کہ روحوں کا پیدا ہونا اولاد آدم کی پیدائش کے تابع ہے۔ ان چھ روز میں صرف حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ہوئی اور ان کی اولاد کی پیدائش جو دیکھنے میں آتی ہے ہر زمانے میں ہے

وجودِ رُوح کا مسئلہ۔ یاد رہے کہ اگر رُوح کا بدن سے پہلے وجود ہوتا اور وہ زندہ اور علم و شعور والی اور بولنے والی ہوتی تو اسے کچھ تو دنیا میں آ کر اس عالم کی یاد ہوتی جہاں وہ ایک لمبا سفر اور لمبا زمانہ گزار چکی ہے۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ رُوح میں حیات علم نطق اور نور اکٹھا ہو اور وہ ارواح کی جماعت میں ایک وسیع زمانہ بھی گزارے۔ پھر جب بدن میں منتقل ہو تو اسے اپنے گزرے ہوئے زمانے کا ذرا سا حال بھی معلوم نہ ہو جب بدن سے جدا ہو کر اسے اپنے تمام تفصیلی حالات معلوم رہتے ہیں۔ حالانکہ بدن میں آ کر اس کے کمالات میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو اسے اس زمانے کے حالات جبکہ کوئی رکاوٹ بھی نہیں تھی بدرجہ اولیٰ علم میں ہونی چاہیئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جسمانی تعلقات اور مصروفیات رُوح کو ماضی کے حالات کے شعور سے مانع ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ خیر تفصیلی حالات کے شعور سے مانع ہوں تو ہوں لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی یاد نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعلقات جسمانی اسے ابتدائی حالات کے شعور سے مانع نہیں تو اس سے قبل کے حالات سے کیسے مانع ہوں گے۔ اس کے علاوہ اگر رُوح بدن سے پہلے موجود ہوتی تو علم، حیات، نطق اور عقل سے متصف ہوتی۔ پھر جب اس کا جسم سے واسطہ پیدا ہوتا تو اس کے وہ تمام صفات سلب ہو جاتے۔ پھر اس میں علم اور شعور رفتہ رفتہ آتا۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ عجب بات ہے کہ آغاز میں رُوح پوری طور پر باعقل ہو۔ اور پھر عقل سے سراسر محروم ہو جائے اور پھر دھیرے دھیرے عقل حاصل کرے۔ اس پر نہ ہی عقلی دلیل ہے اور نہ ہی نقلی دلیل ہے اور نہ ہی وجدانی دلیل ہے مگر ارشاد باری تعالیٰ ہے واللّٰہ

اخرجکم من بطون امھاتکم۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے شکموں سے نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمھیں کان، آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم اللہ کا شکر بجالاؤ۔

ماحصل کلام: معلوم ہوا کہ جس حال پر ہم پیدا کیے گئے ہیں یہی ہمارا اصلی حال ہے اور علم و ادراک قوت و طاقت بعد میں آتی ہے۔ اس سے پہلے ہم بالکل بے علم تھے کیونکہ ہم وجود ہی نہیں رکھتے تھے۔ جب وجود ہی نہ ہو تو شعور کہاں سے ہوتا۔

اس کے علاوہ اگر ارواح اجسام سے قبل ہوتیں اور اچھی بھی ہوتیں بُری بھی ہوتیں تو ان کے لیے اعمال سے قبل اچھائی اور بُرائی ثابت ہوتی۔ حالانکہ انسان میں اچھائی اور بُرائی جسم میں آکر اچھے بُرے اعمال سے پیدا ہوتی ہے۔

قدرتِ الٰہیہ کا انکشاف: اگر کہا جائے مقدر میں اچھائی اور بُرائی ثابت تھی تو ہم تقدیر کے منکر نہیں ہیں۔ اگر کوئی ایسی دلیل ہے کہ ارواح تمام کی تمام ایک وقت میں پیدا کر دی گئیں پھر ایک جگہ ٹھہرا دی گئیں اور ان کو زندگی اور گویائی بھی عطا کی گئی۔ پھر آگے پیچھے اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے اجسام میں بھیجی جاتی ہیں تو اسے سب سے پہلے ہم ماننے کے لیے تیار ہیں کیونکہ اللہ رحیم و کریم ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ لیکن پیدائش و تشریح کے سلسلے میں وہی خبر قابلِ اعتبار ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ ترجمان سے صادر ہو۔

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کی پیدائش ماں کے رحم میں چالیس روز تک تو نطفہ کی شکل میں رہتی ہے پھر چالیس روز تک جما ہوا خون رہتا ہے۔ پھر چالیس

روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔ پھر بحکم خداوندی فرشتہ آکر اس میں پھونک مار دیتا ہے۔

ماحصل کلام:- معلوم ہوا کہ تنہا فرشتے کے پھونک مارنے سے رُوح پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ فرشتے کو رُوح لے جا کر بھیجا جاتا ہے اور وہ بدن میں رُوح داخل کر دیتا ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جس کی پھونک سے رُوح پیدا ہوتی ہے۔

باب بستم

حقیقتِ نفس

سوال:۔ نفس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جزوی اور بدنی انکشاف کیجئے۔

جواب:۔ حقیقت نفس کیا ہے، کیا نفس بدن کا جزو ہے؟ کیا نفس عرض ہے، یا نفس جسم ہے جو جسم کے ساتھ رہتا ہے اور جسم میں رکھ دیا ہے یا جوہر موجود ہے۔ کیا نفس بعینہٖ رُوح ہے یا رُوح سے جُداگانہ حقیقت ہے۔ کیا ایک ہی نفس امّارہ، لوامہ اور مطمئنہ ہے یا تین ہیں۔ ان مسائل پر بکثرت اصحاب نے قلم اُٹھایا اور بہت بڑی اغلاط کا ارتکاب کیا ہے۔ اور ان کے بیانات میں بھی تصادم ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کرنے والوں کو غلطیوں سے محفوظ کیا ہے اور ان کے بیانات قابل بھروسہ ہیں۔ ہم لوگوں کے اقوال نقل کر کے ان پر تبصرہ کرتے ہیں اور درست بات کا اظہار کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ روح، نفس اور حیات میں اختلاف ہے اور اس میں بھی کہ رُوح حیات ہے یا غیر حیات اور رُوح جسم ہے یا غیر جسم ہے۔

نظام کا قول ہے کہ رُوح جسم ہی کا نام ہے اور وہی نفس ہے۔ اس کے نزدیک رُوح بالذات زندہ ہے وہ کہتا ہے کہ حیات اور قوت کے معنی حی قوی ہی کے ہیں اور دیگر کا قول ہے کہ رُوح عرض ہے۔

جعفر بن حرب وغیرہ کا قول ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ رُوح جوہر ہے یا عرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ الخ یہودی آپ سے رُوح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ رُوح میرے رب کی مخلوق میں سے ہے۔ مندرجہ آیۂ کریمہ میں اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا کہ رُوح کیا ہے، جوہر ہے یا عرض ہے۔ کہتا ہے کہ میرے خیال میں جعفر نے یہ ثابت کیا ہے کہ حیات رُوح سے الگ ہے اور یہ بھی کہ حیات عرض ہے۔

جبائی کے نزدیک رُوح جسم اور غیر حیات ہے۔ اور حیات عرض ہے۔ اور لغت میں کہا جاتا ہے کہ انسان کی رُوح نکل گئی۔ اس کے نزدیک رُوح اعراض میں داخل نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک رُوح اعتدال طبعی کا نام ہے۔ ان کے نزدیک جہان کی سب کی سب اشیاء چار عناصر۔ آگ، ہوا، پانی اور مٹی سے بنی ہیں۔ اور سب میں طبعی حرارت و برودت اور رطوبت و یبوست پائی جاتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک طبائع اربعہ کے علاوہ رُوح ہے۔ اور دنیا میں یہی طبائع اربعہ اور رُوح ہیں۔ رُوح کے افعال میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک طبعی ہیں اور بعض کے نزدیک اختیاری ہیں۔ بعض کے نزدیک رُوح وہ قوت خالص اور صاف خون کا نام ہے جو کدورت و تعفن سے پاک ہو۔ اور بعض کے نزدیک حرارت غریزی ہی حیات ہے۔

یہ تمام لوگ جن کے اقوال ہم نے درج کیے ہیں رُوح کے بارے میں اصحاب طبائع کے نام سے نامور ہیں جن کے پاس ثبوت ہے کہ حیات ہی رُوح ہے۔

علامہ اصم نے حیات و رُوح کے لیے جسم کے علاوہ کچھ اور ثابت نہیں کیا اور اصم

کا قول ہے کہ صاحب عقل و شعور جسم ہی ہے جس میں طول و عرض اور عمق پایا جاتا ہے اور جسے ہم مشاہدہ کرتے ہیں اُس کا کہنا ہے بعینہٖ یہی بدن ہے کچھ اور نہیں ہے۔ ارسطاطالیس کے نزدیک نفس پر تدبیر اور نشو و نما اور پوسیدگی طاری نہیں ہوتی۔ یہ ایک بسیط جوہر ہے اعمال و تدبیر کی جہت سے تمام عالم حیوانات میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ قلت اور کثرت سے متصف نہیں ہوتا۔ یہ ذات و اصل کے اعتبار سے قابل تجزی نہیں اور دنیا کے ہر جاندار میں ایک ہی معنیٰ کے ساتھ ہے۔ ثنویہ یا مشائیہ کے نزدیک نفس ایک معنی ہے جو موجود ہے اور حدود و ارکان اور طول و عرض اور عمق والا ہے۔ جو اس دنیا میں اپنے غیر کے لیے جدا ہونے والا نہیں جس پر طول و عرض اور عمق کا حکم جاری ہوا۔ اور وصف حدو نہایت میں دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

بعض کے نزدیک نفس انھیں اوصاف سے متصف ہے جنھیں مذکرہ بالا اصحاب نے بیان کیا ہے۔ یعنی حدو نہایت کے معنیٰ سے، لیکن اپنے غیر کے لیے جدا ہونے والا نہیں۔ جو صفت حیوان سے متصف نہ ہوں۔ یہ دیصانیہ کہلاتے ہیں۔

جعفر بن مبشر کے نزدیک نفس جوہر ہے اور یہ جسم نہیں ہے

نفس جوہر ہے: جس میں نفس ہے اور نہ خود جسم ہے۔ لیکن جوہر و جسم کے درمیان ہے۔

ابو الہذیل کے نزدیک نفس غیر روح

مسلوب النفس اور مسلوب الحیات: ہے اور روح غیر حیات ہے اور حیات عرض ہے اس کے نزدیک انسان خواب کی حالت میں مسلوب النفس اور مسلوب الروح ہو سکتا ہے لیکن مسلوب الحیات نہیں ہو سکتا جس دلیل یہ ہے اَللّٰہُ یَتَوَفّٰی الْاَنْفُسَ الخ۔

جعفر بن حرب کے نزدیک نفس جسم کے اعراض میں سے ایک عرض ہے۔ اور

انسان کے آلاتِ افعال میں سے ایک آلہ ہے۔ اور جواہر و اجسام کی کسی صفت سے متصف نہیں۔

بعض کے نزدیک نفس وہ ہوا ہے جو سانس کے ذریعہ اندر باہر آتی جاتی ہے اور رُوح عرض ہے۔ اور وہ صرف حیات ہے اور نفس کے علاوہ ہے۔ ابو بکر بن باقلانی اور اس کے ماننے والوں کا یہی قول ہے۔

مشائین کا قول ہے کہ نفس نہ جسم ہے نہ عرض ہے اور نہ ہی نفس کسی جگہ میں ہے۔ اور نہ ہی اس کا طول و عرض یا عمق ہے اور نہ ہی رنگ ہے اور نہ ہی اس کی تجزی ہے اور نہ ہی عالم میں داخل ہے اور نہ ہی اس سے خارج ہے اور نہ ہی اس سے ملا ہوا ہے۔ اور نہ ہی اس سے الگ ہے۔

ابن سینا وغیرہ کا قول ہے کہ بعض کا گمان ہے کہ نفس بدن سے تعلق نہ تو پڑوس کی وجہ سے ہے اور نہ ہی سکونت کی وجہ سے، نہ ہی چمٹنے کی وجہ سے۔ صرف اس کے لیے بدن تدبیر ہے۔

فلسفۂ عجوبہ:۔ مسلمانانِ عالم اور وہ مذاہب جو موت کے بعد والی زندگی کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ نفس ایک جسم ہے جس میں طول و عرض اور عمق پایا جاتا ہے جو مکان والا ہے۔ جثہ ہے تحیز ہے اور جسم میں متصرف ہے۔ ہمارا بھی یہی قول ہے۔ نفس اور رُوح ایک ہی چیز ہے۔

حضرت ابو عبداللہ بن خطیب نے نفس کے بارے میں لوگوں کے مذاہب بیان کیے ہیں اور کہا ہے کہ جس کی طرف انسان اپنے قول میں سے اشارہ کرتا ہے وہ یا تو جسم ہوگا یا عرض ہوگا۔ یا لا جسم و لا عرض ہوگا۔ اگر جسم ہے تو یا تو یہی بدن ہوگا یا کوئی اور جسم ہوگا جو اس بدن کا ہم نما ہوگا۔ یا اس سے خارج ہوگا۔ اگر نفس جسم ہو اور اس بدن سے خارج ہو تو یہ قول کسی کا بھی نہیں ہے۔ اور اگر یہی جسم ہو تو یہی مذہب جمہور کا ہے۔

تبصرہ برائے تبصرہ: جمہور سے مراد بدعتی اور گمراہ فرقے ہیں۔ جن کے اقوال امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے گنوائے ہیں۔

صحابہ کرام، تابعین کرام اور محدثین کرام کے اقوال کی امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خبر نہیں اور نہ اس کا یہ عقیدہ ہے نہ اس مسئلہ میں ان کے یہی اقوال ہیں۔ البتہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے عادت کے طور پر باطل اقوال نقل کر دیئے اور جو درست قول ہے جسے قرآن و حدیث اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اقوال کی حمایت حاصل تھی اس کی اسے خبر بھی نہیں۔ اور یہ قول جسے اس نے جمہور مخلوق کی طرف منسوب کیا ہے کہ انسان یہی مخصوص بدن ہے اس کے بجز کچھ بھی نہیں۔ اس موضوع پر سب سے زیادہ غلط قول ہے۔

اقوال مختلفہ: جس قول پر تمام ارباب دانش کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ انسان بدن و روح دونوں سے مرکب ہے۔ کبھی انسان کسی قرینے سے فقط جسم کو بھی کہہ دیتے ہیں اور کبھی فقط روح کو بھی۔ انسان کے مفہوم میں چار قول ہیں جس میں پہلا قول یہ ہے کہ انسان فقط ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فقط بدن ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ فقط دونوں کا مجموعہ ہے۔ یا ان میں سے ایک ہے۔ ان میں ناطق میں اور اس کے تعلق میں بھی اختلاف ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر انسان کسی مخصوص جسم سے مراد ہو جو ظاہری بدن کے اندر موجود ہے تو اس کے قول کو تقسیم کرنے والے اس جسم کی تعیین میں مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک اس جسم سے اخلاط اربعہ مراد ہیں جن سے یہ بدن پیدا ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ جسم خون ہے۔ بعض کے نزدیک یہ جسم روح لطیف ہے جو دل سے پیدا ہو کر شریانوں کے ذریعہ تمام اعضاء میں پھیلتی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ جسم روح ہے جو دل میں پیدا ہو کر دماغ کی چڑھتی ہے اور حفظ و فکر اور ذکر کی صالح کیفیت سے متصف ہوتی ہے۔

بعض کے نزدیک یہ جسم دل میں ایک ناقابل تجزی جز ہے

رُوح کی آخری پرواز۔ اور بعض کے نزدیک یہ ایک جسم ہے جو ماہیت میں اس جسم محسوس سے الگ ہے اور وہ ایک علوی نورانی لطیف جسم ہے جو زندہ اور متحرک ہے اور جوہر اعضاء میں جاری وساری ہے جیسے گلاب میں عرق، زیتون میں روغن اور کوئلہ میں آگ جاری وساری ہوتی ہے۔ پھر جب تک ان اعضاء میں اس جسم لطیف سے پیدا ہونے والے آثار کی قبولیت کی صلاحیت رہتی ہے۔ یہ جسم لطیف ان اعضاء میں گھسا ہوا رہتا ہے اور ان پر حس وارادے کا فیضان کرتا رہتا ہے۔ اور جب یہ اعضاء غلیظ اخلاط کے سبب خراب ہو جاتے ہیں اور رُوح کے آثار قبول کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں تو رُوح بدن سے جدا ہو کر عالم اَرواح میں چلی جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا الخ

اِثبات حجیت ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ موت کے وقت فیصلہ کر چکا ہے انھیں روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک مدت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں اُٹھانا، روکنا اور چھوڑ دینا تین دلائل ہیں۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الخ کاش آپ دیکھتے جب ظالم موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور ملائکہ اپنے ہاتھ پھیلانے والے ہوتے ہیں کہ اپنی جانیں نکالیے۔ آج تمہیں ذلت والا عذاب دیا جائے گا۔ اس میں چار دلائل ہیں:۔

۱۔ رُوح لینے کے لیے فرشتہ کا ہاتھ پھیلانا۔

۲۔ رُوح کا نکالنا اور اس کا نکل آنا۔

۳۔ اس روز رُوح پر ذلت والا عذاب ہونا۔

۴۔ رُوح کا رب تعالیٰ کے روبرو ہونا۔

تین دلائل:۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ۔ اے رُوح مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف راضی خوشی لوٹ جا اللہ بھی تجھ سے راضی ہے۔ پھر میرے بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ اس میں تین دلائل ہیں:۔

۱۔ رُوح کا لوٹنا۔

۲۔ رُوح کا داخل ہونا۔

۳۔ رُوح کا راضی ہونا۔

سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ موت کے وقت کہا جائے گا یا دونوں موقعوں پر۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بات تم سے موت کے وقت فرشتہ کہے گا۔ زید بن اسلم کا قول ہے کہ رُوح کو تین موقع پر بہشت کی خوشخبری دی جاتی ہے۔

ابو صالح کا قول ہے کہ خوشی خوشی لوٹنے کی خوشخبری موت کے وقت دی جاتی ہے اور دخول جنت کی خوشخبری محشر کے دن دی جائے گی۔

دو دلائل:۔ جب رُوح قبض کی جاتی ہے تو آنکھ اسے دیکھتی ہے۔ اس میں دو دلائل ہیں:۔

۱۔ رُوح کا قبض کیا جانا۔

۲۔ آنکھوں کا اسے دیکھنا۔

اَرواح کا باہم ملاقات کرنا:۔ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشانی پر میں سجدہ کر رہا ہوں میں نے آپ کو خواب سنایا تو فرمایا کہ روح، روح

سے ملاقات کرتی ہے پھر حضور نبی کریم وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین علیہ افضل التحیۃ والتسلیم نے اپنا سر اقدس اُٹھایا اور میں نے آپ کی پیشانی پر اپنی پیشانی رکھ دی۔ آپ نے بتایا کہ اَرواح خواب میں ملاقات کرتی ہیں۔ اس سے قبل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول گذر چکا کہ خواب میں مُردوں اور زندوں کی اَرواح ملاقات کر لیتی ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کرتی ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مُردوں کی اَرواح کو روک لیتا ہے۔

اَرواح کا لوٹایا جانا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ حضور نبی غیب دان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ نے تمہاری ارواح قبض کر لی تھیں اور اس نے جب چاہا انھیں تمہاری طرف لوٹا دیا۔ اس میں دو دلائل ہیں۔

۱۔ رُوح کا قبض کیا جانا۔

۲۔ رُوح کا لوٹایا جانا۔

مومن کی رُوح۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مومن کی رُوح پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے پھل کھاتا ہے۔ اس میں دو دلائل ہیں۔

۱۔ رُوح کا پرندہ ہونا۔

۲۔ رُوح کا جنت کے درختوں پہ اٹھنا بیٹھنا یا ان کے پھل کھانا۔

شہید کی رُوح۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے کہ مومن کی رُوح سبز پرندوں کی پوٹوں میں ہیں جہاں چاہتی ہیں بہشت میں چگتی پھرتی ہیں اور قندیلوں میں جو عرش سے لٹکی ہوئی ہیں بسیرا کرتی ہیں۔ پھر تمہارے پروردگار نے ان سے جھانک کر پوچھا کیا خواہش ہے۔ اس میں چھ دلائل ہیں:۔

۱۔ رُوح کا پرندوں کے پیٹ میں جانا۔

۲۔ رُوح کا بہشت میں چگنا۔

۳۔ رُوح کا جنت کے پھل کھانا۔

۴۔ رُوح کا بہشت کی نہروں سے پانی پینا۔

۵۔ رُوح کا قندیلوں میں بسیرا کرنا۔

۶۔ رُوح کا اللہ تعالیٰ سے بات چیت کرنا، ان کا جواب دینا اور ان کا دنیا میں لوٹ آنے کی خواہش کرنا۔

معلوم ہوا کہ اَرواح میں رجوع کی صلاحیت ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ تمام صفات پرندے کی ہیں رُوح کی نہیں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مقصود رُوح ہے جو پرندے میں رکھ دی گئی ہے بلکہ ابوعمرو کی پسندیدہ روایت پر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

قبر سے قرآن خوانی کی آواز آنا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ میں غابہ میں اپنے کھیتوں پر گیا رات ہو گئی۔ میں عبداللہ بن عمرو بن حرام کی قبر کے پاس ٹھہر گیا۔ میں نے قبر سے قرآن پاک کی بہترین قرأۃ اپنے کانوں سے سنی۔ حضور خواجۂ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عبداللہ ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی اَرواح قبض کر کے زبرجد یاقوت کی قندیلوں میں رکھ دی ہیں۔ پھر انہیں جنت کے درمیان لٹکا دیا۔ رات کو ان کی اَرواح لٹا دی جاتی ہیں۔ پھر صبح کو اس جگہ پائی جاتی ہیں جہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔ اس میں چند دلائل ہیں:

۱۔ اَرواح کا قبور میں قرآن پڑھنا۔

۲۔ اَرواح کا باتیں کرنا۔

۳۔ ارواح کا دوسری جگہ منتقل ہونا۔

۴۔ ارواح کا ایک ہی مکان میں رہنا۔

بیس دلائل کا انکشاف

براء بن عازب والی حدیث جو اس سے قبل گذر چکی ہے بیس دلائل پر مشتمل ہے۔

۱۔ ملک الموت کا روح سے سب تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کا خطاب جو ارباب عقل و فہم سے ہی کیا جاتا ہے۔

۲۔ روح سے کہنا کہ اپنے رب تعالیٰ کی بخشش و رضا کی طرف نکل۔

۳۔ روح کا مشک کے منہ سے پانی کے قطرے کی طرح نکل آنا۔

۴۔ روح کو ملک الموت کے ہاتھ میں نہ رہنے دینا۔

۵۔ فرشتوں کا ان سے فوراً لے لینا۔

۶۔ روح کو جنت کا کفن دیا جانا۔ اور اسے جنت کی خوشبو میں بسانا۔

۷۔ روح کو آسمان پر چڑھا کر لے جانا۔

۸۔ روح سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو کا پھوٹ پڑنا۔

۹۔ روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے جانا۔

۱۰۔ روح کو آسمان کے تمام مقرب فرشتوں کا رخصت کرنا۔

۱۱۔ اللہ کے حکم سے روح کو زمین کی طرف لوٹایا جانا۔

۱۲۔ روح کا جسم میں لوٹایا جانا۔

۱۳۔ کفار کی روح قبض کرتے وقت اس کے ساتھ رگوں اور پٹھوں کا بھی کھنچ آنا۔

۱۴۔ روح سے انتہائی بدبو کا پھوٹ پڑنا۔

۱۵۔ اس کی روح کو آسمان سے پھینک دیا جانا اور زمین پر گرنا۔

۱۶۔ فرشتوں کا اچھی ارواح کو مبارک باد دینا۔

١٧۔ بُری ارواح سے بیزار ہونا۔

١٨۔ منکر نکیر کا اُٹھا کر بٹھانا اور سوال کرنا۔ اگر سوال براہِ راست رُوح سے ہے تو ظاہر ہے اور اگر بدن سے ہے تو جب ہے جب اُس کی رُوح آسمان سے لوٹ کر آجائے۔

١٩۔ رُوح کو رب کے پاس لے جا کر کہا جانا کہ اے رب یہ تیرا فلاں بندہ ہے۔ رب کا حکم ہونا کہ میں نے اس کے لیے جو نعمتیں تیار کی ہیں انھیں اسے دکھادو۔ اور رُوح کا اپنا جنتی یا جہنمی ٹھکانا دیکھنا۔

٢٠۔ فرشتوں کا رُوح پر نماز پڑھنا جیسے انسانی جسم پر نماز پڑھتے ہیں۔ رُوح کا قیامت تک اپنا بہشتی یا دوزخی ٹھکانا دیکھنا جبکہ بدن کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔

عرش تک پرواز ہونا: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ جب مومن کی رُوح نکلتی ہے تو اس سے مشک سے بھی زیادہ پیاری خوشبو پھوٹ پڑتی ہے۔ فرشتے اسے لے کر چلتے ہیں اور آسمان کے نیچے والے فرشتوں کے پاس سے گذرتے ہیں اور اس کا اس کے اچھے اچھے اعمال سے ان کا تعارف کراتے ہیں اور نام بتلاتے ہیں۔ یہ فرشتے لانے والے فرشتوں کو رُوح کے ساتھ مبارک باد دیتے ہیں۔ پھر ان سے رُوح لے کر اس دروازے سے آسمان پر چڑھتے ہیں جس سے اس کے عمل چڑھتے ہیں۔ اور رُوح آسمانوں میں سورج کی طرح جگمگاتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ عرش تک پہنچ جاتی ہے۔

کفار کی رُوح: اور جب فرشتے کفار کی رُوح لے کر چڑھتے ہیں تو فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون ہے؟ یہ اُس کے بُرے عمل بتا کر کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں ہے۔ وہ بیزار ہو کر کہتے ہیں واپس لے جاؤ۔ چنانچہ رُوح سب سے نیچے کی زمین میں لوٹادی جاتی ہے۔ اس میں دس دلائل ہیں:۔

۱۔ رُوح کا نکلنا اور اس سے خوشبو کا پھوٹنا۔

۲۔ فرشتوں کا رُوح کو لے کر جانا۔

۳۔ ملاقاتی فرشتوں کا رُوح کو مبارک باد دینا۔

۴۔ رُوح کا لے لینا۔

۵۔ رُوح کو لے کر اُوپر چڑھنا۔

۶۔ آسمانوں کا رُوح کی روشنی سے جگمگا اُٹھنا۔

۷۔ رُوح کا عرش تک پہنچنا۔

۸۔ ملائکہ کا رُوح کے متعلق پوچھنا یہ کون ہے؟

۹۔ رُوح سے خوشبو کا پھوٹنا۔

۱۰۔ رُوح کو مبارک باد دینا۔

یہ سوال جوہر اور مستقل ذات کے بارے میں ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اسے سب سے نیچے والی زمین کی طرف لوٹا دو۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث

صاحبِ رحمت رُوح :۔ میں ہے کہ جب مومن کی رُوح نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ آسمان والے کہتے ہیں یہ پاکیزہ رُوح ہے جو زمین سے آئی ہے۔ اے رُوح تجھ پر بھی اللہ کی رحمت ہو اور اس جسم پر بھی جو تجھ سے آباد تھا پھر شک کا ذکر ہے۔ پھر اسے رب کے پاس لے کر چڑھتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اسے پچھلی مقررہ مدت تک لوٹا دیجئے۔ اس میں چھ دلائل ہیں:۔

۱۔ دو فرشتوں کا لینا۔

۲۔ فرشتوں کا رُوح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنا۔

۳۔ فرشتوں کا یہ کہنا کہ یہ پاکیزہ رُوح آسمان سے آئی ہے۔

۴۔ فرشتوں کا رُوح پر نماز پڑھنا۔
۵۔ رُوح کی بُو کا پاکیزہ ہونا۔
۶۔ رُوح کو لے کر اللہ کی طرف چڑھنا۔

مومن و کافر کی رُوح کا حال احوال

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں دس دلائل مشتمل ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

۱۔ رُوح کا پاکیزہ ہونا۔ یا گندے جسم میں ہونا۔ اس جگہ حال و محل دونوں ہیں۔
۲۔ ملائکہ کا یہ کہنا کہ اے رُوح نکل آ تو قابل تعریف ہے۔
۳۔ رُوح کو راحت و روزی کی خوشخبری دینا۔ یہ خوشخبری اس مقام کی ہے جس کی طرف رُوح بدن سے نکل کر جا رہی ہے۔
۴۔ آسمان تک برابر ان خوشخبریوں کا قائم رہنا۔
۵۔ رُوح کے لیے آسمان کے دروازے کھلوانا۔
۶۔ رُوح سے یہ کہنا کہ تعریفوں کی حالت میں بہشت میں داخل ہو جا۔
۷۔ رُوح کا اس آسمان تک پہنچ جانا جس میں اللہ ہے۔
۸۔ کافر کی رُوح کے لیے یہ کہنا کہ مذمت کی حالت میں لوٹ جا۔
۹۔ کافر کی رُوح کے لیے آسمان کا دروازہ نہ کھلنا۔
۱۰۔ کافر کی رُوح کو زمین کی طرف چھوڑ دینا۔ پھر اس کا قبر میں لوٹ آنا۔

ارواح کا لشکر ہونا:۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ارواح جمع کیا ہوا لشکر ہیں۔ پھر جن میں تعارف

ہو جاتا ہے۔ ان میں موافقت و محبت ہو جاتی ہے اور جن میں نہیں ہوتی اور جن میں نہیں ہوتا ان میں اختلاف رہتا ہے۔ اس میں ارواح کو جمع کیا ہوا لشکر بتایا گیا ہے اور لشکر جواہر و ذوات پر قائم ہیں۔ پھر بتایا گیا کہ ان میں تعارف و عدم تعارف ہوتا ہے جو جواہر کے صفات ہیں۔

ظاہر ہے کہ لشکر اعراض نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ عالم میں نہ داخل ہوں نہ خارج ہوں اور نہ ہی ان کا بروز و کمون ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کہ ارواح دو دن کی مسافت سے ملاقات کر لیتی ہیں حالانکہ پہلے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا نہیں ہوتا۔

وہ آثار ہیں جو ہم تخلیق آدم علیہ السلام کے سلسلے میں بیان کر چکے کہ جب روح حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر میں داخل ہوئی تو آپ نے چھینک لی اور الحمد للہ کہا۔ پھر جب آنکھوں میں پہنچی تو جنت کے پھل دیکھ لیے۔ پھر جب پیٹ میں پہنچی تو بھوک لگ گئی۔ ابھی پاؤں تک نہیں پہنچی تھی کہ اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہ روح کے داخل ہوتے وقت بھی تکلیف ہوتی ہے اور خارج ہوتے وقت بھی تکلیف ہوتی ہے۔

وہ آثار ہیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارواح کو نکلنے کا اور اچھوں اور بروں کو الگ کرنے کا اور نور و ظلمات میں تفاوت کا اور چراغوں کی طرح انبیائے کرام علیہما السلام کی ارواح کا بیان ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ روح مومن اللہ تبارک و تعالیٰ کے روبرو پہنچ کر سجدہ کرتی ہے اور تمام فرشتے اسے خوشخبری دیتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ عزرائیل سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کی روح کو لے جا کر فلاں فلاں جگہ رکھ دیجئے۔

وہ آثار میں جو ہم نے مستقر ارواح کے بارے میں بیان کیے ہیں اور اس میں لوگوں کا

کا اختلاف ہے اور اس اختلاف کے ضمن میں اجماع سلف کا بیان ہے کہ موت کے بعد رُوح کے لیے مستقر ہے گو اس کے تعیین میں اختلاف ہے۔

اَرواح و اجسام کا حال احوال :- حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے جسم قبروں میں پیدا ہوں گے پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ہر رُوح اپنے جسم میں داخل ہو گی۔ پھر جب وہ اس میں داخل ہو گی تو زمین پھٹ جائے گی اور لوگ قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ صور والی حدیث میں ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام اَرواح کو آواز دیں گے تو تمام اَرواح آجائیں گی۔ مومنین کی اَرواح نورانی ہوں گی اور کفار کی اَرواح تنگ و تاریک ہوں گی۔ آپ اَرواح صور میں رکھ لیں گے۔ پھر اس میں پھونک ماریں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا میری عزت کی قسم ہر رُوح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے۔ بالآخر اَرواح شہد کی مکھیوں کی طرح نکلیں گی جن سے زمین و آسمان کے درمیانی فضا بھر جائے گی۔ اور ہر رُوح اپنے جسم کے پاس پہنچ کر اس میں داخل ہو جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پھٹ جائے گی اور لوگ قبروں سے باہر نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ بلانے والے کی بھاگیں گے اور ہر قریب کی جگہ سے منادی کی آوازیں سنیں گے۔ پھر سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

ماحصل کلام :- ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی خبر دی جو سراسر سچی خبر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دو اَرواح نہیں پیدا فرمائے گا بلکہ یہ وہی اَرواح ہوں گی جنہوں نے دنیا میں رہ کر نیکی یا بدی کی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے بدن پیدا کر کے انھیں انھیں میں لوٹا دے گا۔

رُوح و جسم کا جھگڑنا :- اللہ تبارک و تعالیٰ کے روبرو محشر کے روز روح و جسم دونوں جھگڑا کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان

ہے۔ محشر کے روز لوگوں میں جھگڑیں گے۔ یہاں تک کہ روح جسم سے جھگڑے گی۔ روح کہے گی اے میرے رب میں تیری روح تھی۔ تو نے مجھے اس جسم میں مقرر فرما دیا تھا۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ جسم کہے گا اے میرے پروردگار میں ایک جسم تھا جسے تو نے پیدا کیا تھا، اور یہ آگ جیسی روح مجھ میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کے سبب سے میں اٹھتا بیٹھتا کھڑا ہوتا اور آتا جاتا تھا۔ میرا کوئی گناہ نہیں۔ کہا جائے گا میں تم دونوں میں فیصلہ کیے دیتا ہوں۔

ایک اندھا اور اپاہج ۔ کہتے ہیں کہ ایک اندھا اور ایک اپاہج دونوں ایک باغ میں جاتے تھے۔ اپاہج نے اندھے سے کہا کہ مجھے باغ میں پھل نظر آرہے ہیں۔ اگر میرے پاؤں ہوتے تو میں انھیں توڑ دیتا۔ اندھے نے کہا میں تجھے اپنے کندھے پر اٹھاتا ہوں۔ چنانچہ اندھے نے اپاہج کو کندھے پر اٹھا لیا۔ پھر اپاہج نے پھل توڑ لیا۔ اور پھر دونوں نے کھایا۔ بتلائیے ان میں کونسا غلطی پر ہوا۔ بولے دونوں کی غلطی ہے۔ فرمایا تم نے اپنا فیصلہ خود ہی کر لیا۔

جسم کا خاک میں خاک ہو جانا ۔ احادیث و آثار ہیں جو عذاب و ثواب قبر کے بارے میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جسم تو خاک میں مل کر بے نام و نشاں ہو جاتا ہے اور عذاب و ثواب قیامت تک قائم رہتے ہیں۔ پتہ چلا برزخ کے عذاب و ثواب سے براہ راست متاثر ہوتی ہے۔

جب شہداء کی ارواح سے دریافت کیا گیا کہ تمھاری کیا خواہش تو بولے ہماری ارواح اجسام میں لوٹا دی جائیں تاکہ ہم پھر آپ کی راہ میں مارے جائیں۔

الحاصل کلام ۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال اور جواب ایسی ذاتوں سے ہے جو زندہ سمجھ دار اور بولنے والی ہیں۔ جن میں دنیا میں چلنے کی اور اپنے اجسام میں داخل ہونے کی صلاحیت ہے اور انھیں ارواح سے جو بہشت میں چگتی پھرتی ہیں، پوچھا گیا تھا ان کے جسم تو بہت دیر سے خاک در خاک ہو چکے ہیں۔

کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ پھر اسے زمین کی طرف لے جاؤ۔ کیونکہ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور مٹی میں ہی لوٹاؤں میں اور دوسری بار اسی سے پیدا کروں گا۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ رُوح جسم کی بہ نسبت بہشت سے نکلتے ہوئے زیادہ ہچکچاتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو۔ کیا اسی جسم کی طرف جس میں میں تھی؟ فرشتے کہتے ہیں ہم تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اور تمھیں بھی حکم ماننے کے بغیر چارہ نہیں۔ پھر فرشتے اسے اُتار لاتے ہیں۔ اتنی دیر میں لوگ غسل اور کفن سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر فرشتے رُوح کو جسم و کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس حدیث کے ایک ایک لفظ پر توجہ فرمائیے تاکہ باطل خیالات کا انکشاف ہو جائے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ

مومن کی موت کا حال احوال۔ مومن کی موت کے وقت اس کے پاس دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں جن کے ہاتھوں میں جنت کے پھل اور کفن ہوتے ہیں۔ رُوح اُسی کفن میں قبض کی جاتی ہے۔ اس سے اس قدر پیاری خوشبو آتی ہے کہ ایسی خوشبو کبھی کسی نے نہیں سونگھی۔ حتیٰ کہ اسے بارگاہِ خداوندی لایا جاتا ہے۔ پہلے فرشتے سجدہ کرتے ہیں۔ پھر رُوح سجدہ کرتی ہے۔ پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو بلایا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ اس رُوح کو مومنین کی ارواح میں لے جا کر رکھ دیجئے۔ جب تک میں اس کے بارے میں تم سے بروزِ محشر نہ پوچھوں۔

صحابہ کرام کے مختلف آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کی رُوح

الحاصل کلام:- عرش کے آگے وفاتِ نوم اور وفاتِ موت کے بعد سجدہ کرتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے جا کر رُوح کا بہترین سلام یہ ہے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام۔ اے اللہ تو سلامتی والا ہے اور تجھی سے

سلامتی ہے۔ اے جلال و عزت والے تو برکت والا ہے۔

ایک عورت کا کلمۂ خیر کہنا

قاضی نور الدین نے بیان کیا کہ میری خالہ نہایت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ میں ان کی نزع کے وقت ان کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ جب روح بارگاہِ الٰہی میں جاتی ہے اور اللہ رحیم و کریم کے روبرو ہوتی ہے تو کس طرح سلام کرتی ہے۔ یہ سوال بڑا اہم تھا۔ میں نے غور و فکر کے بعد جواب دیا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ کہتی ہے۔ خیر بیچاری وصال فرما گئیں۔ ایک روز میں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ فرما رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بہتر بدلہ دے۔ پہلے تو مجھ پر رعب چھا گیا اور میرے ہوش اڑ گئے کہ کیا کہوں۔ پھر مجھے تمہارا بتایا ہوا کلمہ یاد آ گیا اور میں نے وہی کلمہ کہہ دیا۔

ماحصل

عوام بھی جانتے ہیں کہ ارواح مُردوں کی ارواح سے ملتی ہیں۔ اور ان سے کچھ باتیں دریافت کرتی ہیں اور وہ انہیں نامعلوم باتیں بتاتی ہیں۔ پھر بیداری میں اور خواب میں بعینہٖ ظاہر ہو جاتا ہے۔

گستاخ صحابہ کا انجام

سونے والے کی روح پر خواب میں کچھ ایسے امور طاری ہوتے ہیں اور جاگ کر انہیں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتا ہے۔ یہ روح کے نفس پر اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ بعض سلف کا بیان ہے کہ میرا ایک ہمسایہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا تھا۔ ایک روز بکثرت گالیاں دیں۔ میرا اور اس کا آمنا سامنا بھی ہو گیا۔ بالآخر میں حیران و پریشان گھر پہنچا۔ میں نے پریشانی کے عالم میں گھر سے کھانا بھی نہیں کھایا اور میں سو گیا۔ رات کو خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے بارگاہِ نبوی میں شکایت کی کہ یا رسول اللہ فلاں شخص آپ کے صحابہ کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کس کو۔ میں نے کہا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو۔ آپ نے مجھے چھری دی کہ اس چھری سے اسے ذبح کر دو۔ چنانچہ میں نے چھری لے کر اسے لٹا کر خواب میں ہی ذبح کر دیا۔ میرا ہاتھ خون میں بھر گیا۔ میں نے چھری زمین پر ڈال دی اور زمین سے ہاتھ صاف کرنے لگا

کو میری آنکھ کھل گئی۔ سنا تو اس کے گھر سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ میں نے سوچا یہ کیسی چیخ و پکار ہے۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص اچانک مر گیا۔ صبح کو میں نے آکر اُسے دیکھا تو ذبح کی جگہ نشان موجود تھا۔

حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ کو بُرا کہنے کی سزا : ایک قریشی شیخ نے بیان کیا کہ میں نے شام میں ایک شخص کو دیکھا کہ جس کا آدھا چہرہ سیاہ تھا اور وہ اپنے چہرے چھپائے رکھتا تھا۔ میں نے اس سے اُس کا سبب دریافت کیا تو بولا کہ میں نے اللہ سے یہ عہد کر لیا تھا کہ مجھ سے اس کے بارے میں جو کچھ دریافت کرے گا میں اُسے ضرور بتاؤں گا۔ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کسی نے آکر کہا کہ تو مجھے بہت بُرا کہتا رہتا ہے۔ پھر اُس نے میرے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔ صبح کو جب میں اُٹھا تو جہاں تھپڑ لگا تھا وہ جگہ سیاہ تھی اور اب تک وہ جگہ سیاہ ہے۔

ہاتھ کا خشک ہو جانا : صفیہ بنتِ شیبہ کا بیان ہے کہ میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی کہ اتنے میں آپ کے پاس ایک عورت آئی کہ اُس کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ یہ عورت بولی میں آپ کے پاس اپنے ہاتھ کی وجہ سے حاضر ہوئی ہوں کہ میرے باپ ہاتھ کے بہت فراخ تھے یعنی سخی تھے۔ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا اور کچھ حوض دیکھے کہ جن پر لوگ جمع ہیں اور ان کے ہاتھوں میں گلاس ہیں۔ جو ان کے پاس آتا ہے اُسی کو پانی پلا دیتے ہیں۔ میں نے اپنے باپ کو بھی دیکھا اور دریافت کیا کہ میری ماں کہاں ہیں۔ باپ وہ دیکھئے تمہاری امی جان ہیں میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے۔ فرمایا۔ انہوں نے بس یہی ٹکڑا صدقہ میں دیا تھا۔ اتنے میں لوگوں نے ایک گائے ذبح کی اور اس کی چربی پگھلا کر ان پر ملنے لگے اور وہ چیخ رہی ہیں۔ ہائے پیاس ہائے پیاس۔ میں نے گلاس بھر کر انہیں پانی پلا دیا۔

تو اوپر سے آواز آئی اسے کس نے پانی پلایا اللہ اس کا ہاتھ خشک کر دے۔ بالآخر میرا ہاتھ خشک ہو گیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

پانچ گناہ اور اس کا انجام

حضرت سعید بن مسلمۃ کا بیان ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت تھی بولی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان باتوں پر بیعت کی تھی کہ میں شرک سے، چوری سے، زنا سے، اولاد کے قتل سے، کسی پر بہتان باندھنے سے اور ہر گناہ سے بچوں گی۔ چنانچہ میں اس عہد پر اب تک قائم ہوں اللہ بھی اپنا عہد پورا کرے گا اور مجھے عذاب سے بچائے گا پھر اس نے خواب میں ایک فرشتہ دیکھا اس نے کہا تم تو زینت کرتی ہو اور پھر اسے نمایاں کرتی ہو۔ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتی ہو، ہمسایوں کو ایذا پہنچاتی ہو، شوہر کی نافرمان ہو۔ پھر فرشتے نے اس کے چہرے پر پانچ انگلیاں لگا کر کہا ان پانچ گناہوں کے بدلے یہ پانچ ہیں۔ اگر تم اور گناہ کرو گی تو ہم اور بڑھا دیں گے۔ صبح کو بیدار ہوئی تو پانچوں انگلیوں کے نشان اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

دودھ کی دستیابی

عبدالرحمٰن بن قاسم صاحب مالک نے مالک سے سُنا فرماتے تھے کہ یعقوب بن عبداللہ بن اشج بڑے نیک آدمی تھے جس روز سے آپ کی شہادت ہوئی ہے اُس روز رات کو آپ نے خواب میں دیکھا گویا میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں اور مجھے وہاں دودھ پلایا گیا ہے۔ کسی نے کہا اچھا قے تو کیجئے چنانچہ قے کی تو دودھ ہی نکلا۔ پھر دن میں شہادت پائی۔ ابوالقاسم فرماتے ہیں کہ آپ سمندری جہاز پر ایسی جگہ تھے جہاں دودھ نہیں ملتا تھا۔ مالک کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ جس کشتی میں تھے وہاں نہ ہی دودھ تھا نہ ہی دودھ دینے والا کوئی جانور تھا۔

سرورِ انبیاء تیری کیا بات ہے

نافع قاری جب گفتگو کرتے تو آپ کے

منہ سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ دریافت کیا گیا کہ آپ خوشبو لگا کر آتے ہیں فرمایا نہیں خوشبو کے تو میں قریب بھی نہیں جاتا۔ ایک مرتبہ میں نے حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو خواب میں دیکھا تھا کہ آپ میرے منہ کے پاس قرأت فرما رہے ہیں۔ اُس وقت سے آج تک میرے منہ سے پڑھتے وقت خوشبو آتی ہے۔

دُو ماہ تک بد بو کا رہنا:۔ ربیع بن رقاشی نے بیان کیا کہ میرے پاس دو شخص آکر بیٹھ گئے اور ان دونوں نے کسی کی غیبت کی۔ میں نے دونوں کو روک دیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے آکر کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک حبشی میرے پاس ایک پلیٹ لے کر آیا۔ جس میں سؤر کا بڑا فربہ گوشت تھا۔ اور مجھ سے اُس نے گوشت کھانے کو کہا۔ میں نے گوشت کھانے سے انکار کر دیا۔ اس نے میرے گوشت نہ کھانے پر مجھے ڈانٹا۔ بالآخر میں نے کھا لیا۔ فرماتے ہیں جب میں صبح اُٹھا تو میرا منہ بد بودار تھا جو دو ماہ تک مسلسل بد بودار رہا۔

بالوں کا کھڑا رہنا:۔ ایک بزرگ نامی علاء بن زیادہ رات کو ایک مقررہ وقت پر تہجد کے لیے اُٹھتے تھے۔ ایک شب اہلِ خانہ سے کہا آج میں کچھ محسوس کرتا ہوں اور تم فلاں وقت مجھے بیدار کر دینا۔ لیکن اہلِ خانہ نے بیدار نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے میری پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر کہا اے علاء اُٹھ اور رب تعالیٰ کو یاد کر۔ رب تعالیٰ تجھے یاد کرے گا۔ وہ بال آخر دم تک کھڑے ہی رہے۔ یحییٰ ابن بسطام فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں غسل دیا تو ان بالوں کو کھڑا ہی پایا۔

شیخین کو گالیاں دینے کا انجام:۔ ایک بزرگ نامی محمد بن علی نے بیان کیا کہ ہم مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کھڑا ہوا جس کا آدھا چہرہ سیاہ اور آدھا چہرہ سفید تھا۔ بولا لوگو مجھ سے عبرت حاصل کرو میں شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو بُرا کہا کرتا تھا۔ ایک شب

میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے آکر میرے چہرے پر تھپڑ رسید کیا اور مجھ سے کہا اے دین کیا تو شیخین کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ بیدار ہوا تو میرا آدھا چہرہ سیاہ تھا جو اب تک بھی سیاہ ہے۔

ذبح کرنے کا حکم فرمانا:۔ ایک بزرگ نامی محمد بن عبداللہ حلبی کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فلاں کے چبوترے پر ہوں اور حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات ایک ٹیلہ پر جلوہ افروز ہیں اور آپ کے روبرو حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کھڑے ہیں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ مجھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے یہاں لائیے۔ چنانچہ وہ لایا گیا تو وہ عمانی تھا جو دونوں بزرگوں کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اسے لٹا دیجئے۔ انہوں نے اسے لٹا دیا۔ پھر فرمایا اسے ذبح کیجئے۔ انہوں نے اسے ذبح کر دیا۔ یہ اس قدر چیخا کہ میں بیدار ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ اسے خواب سناؤں ہو سکتا ہے کہ یہ تائب ہو جائے۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو گھر سے رونے کی آواز آئی۔ دریافت کیا یہاں کیا بات ہے۔ لوگوں نے کہا کل رات کسی نے عمانی کو اس کی چارپائی پر ذبح کر دیا۔ پھر میں نے جب قریب آکر اس کی جو گردن دیکھی تو کان سے کان تک سرخ لائن دیکھی جیسا کہ خون رکا ہوا ہو۔

شیخین کو گالیاں دینے کا عجیب ثمرہ:۔ ایک بزرگ نامی ابوالحسن مطلبی جو مسجد نبوی شریف کے امام تھے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے مدینہ منورہ شریف میں ایک حیران کن بات دیکھی کہ ایک شخص شیخین حضرات کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک روز صبح کی نماز کے بعد ہمارے پاس ایک شخص آیا جس کی دونوں آنکھیں نکل کر رخساروں پر پڑی تھیں۔ ہم نے اس سے یہ واقعہ پوچھا

بولا گذشتہ رات میں نے حضور نبی کریم رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے روبرو ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں شیخین نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص ہمیں ایذا دیتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ دریافت کیا اے ابوالقیس تمہیں کس نے گالیاں بتائیں میں نے یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اپنی دو انگلیوں سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تیری آنکھیں پھوڑ دے۔ اور انگلیاں میری آنکھوں میں گھونپ دیں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی تو میری آنکھیں رخساروں پر پڑی تھیں۔ یہ شخص رو رو کر آہ و زاری کر کے توبہ کر رہا تھا۔

خلاف سنت عمل پر سزا ملنا: ایک عالم نے کہا کہ ہمارے پاس ایک آدمی تھا جو پے در پے روزے رکھا کرتا تھا۔ مگر روزہ دیر سے افطار کرتا تھا۔ ایک روز اُس نے خواب میں دیکھا کہ دو سیاہ فام آدمی اس کے بازو اور کپڑے پکڑ کر ایک شعلے والے تنور میں اسے ڈالنے کے لیے جاتے ہیں۔ وہ ان سے کہتا ہے کہ مجھے اس میں کیوں ڈالتے ہو۔ کہتے ہیں کیونکہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سنت کے خلاف کیا کرتا تھا۔ آپ نے تو جلدی روزہ افطار کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر تو دیر کر کے افطار کیا کرتا تھا۔ اس کا چہرہ آگ کے شعلے سے سیاہ تھا اور چہرے پر نقاب ڈالے رہتا تھا۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ ایک شخص خواب میں بھوک یا پیاس یا درد محسوس کرتا ہے اور کوئی خواب ہی میں اسے پانی پلا دیتا یا کھانا کھلا دیتا ہے یا دوا دے دیتا ہے۔ پھر اس کی آنکھ کھلتی ہے تو بھوک، پیاس اور درد سب جاتا رہتا ہے۔

لونڈی کا جادو کرنا: اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک لونڈی نے آپ پر جادو کر دیا تھا۔ ایک سندی نے کہا آپ

آپ پر جادو ہے۔ فرمایا یہ جادو کس نے کیا ہے؟ سندی نے کہا آپ پر ایک لونڈی نے جادو کیا ہے جس کی گود میں بچہ تھا اور بچے نے اس پر پیشاب کر دیا تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا، کیا تو نے مجھ پر جادو کیا ہے؟ لونڈی نے کہا ہاں میں نے جادو کیا ہے۔ پھر پوچھا کیوں کر کیا۔ لونڈی نے کہا اس لیے میں نے جادو کیا تھا تاکہ آپ مجھے بہت جلد آزاد کر دیں۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کو بلوا کر اسے فروخت کرا دیا۔ پھر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آپ سے کہتا ہے کہ تین کنوؤں کا پانی ملا کر غسل کیجئے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور اللہ کے حکم سے جادو کا اثر زائل ہو گیا۔

بینائی کا لوٹ آنا:۔ کہتے ہیں کہ سماک بن حرب کی بینائی ختم ہو گئی۔ آپ نے خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ نے سماک بن حرب کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا ہے اور فرمایا فرات میں تین روز نہائیے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بینائی واپس آ گئی۔

بینائی واپس لانے والی دعا:۔ کہتے ہیں کہ اسماعیل بن بلال حضرمی کی بینائی ختم ہو گئی۔ خواب میں کسی نے ان سے کہا کہ یہ دعا پڑھا کرو بینائی واپس آ جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بینائی واپس آ گئی۔ دعا یہ ہے۔ یَا قَرِیْبُ یَا مُجِیْبُ یَا سَمِیْعُ الدُّعَآءِ رُدَّ عَلَیَّ بَصَرِیْ۔

آیۃ الکرسی کا کمال:۔ ایک بزرگ نامی عبید اللہ بن ابی جعفر کا بیان ہے کہ میں ایک سخت بیماری میں مبتلا ہو گیا جس نے مجھے بہت تنگ کیا۔ میں آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کر لیا کرتا تھا۔ میں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے دو آدمی کھڑے ہیں اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ ایسی آیت پڑھتا ہے جو تین سو ساٹھ رحمتوں پر مشتمل ہے۔ کیا اس بیچارے کو ان میں

سے ایک رحمت بھی حاصل نہ ہوگی۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اسی دن سے بیماری میں تخفیف ہونے لگی۔

عرق گلاب سے شفایابی: ایک صالح عورت درد معدہ میں گرفتار ہوگئی۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہتا ہے کہ گلاب کا عرق استعمال کیجئے۔ چنانچہ انھیں عرق گلاب سے شفا ہوگئی۔

اجزائے نسخہ سے شفایابی کا حصول: ایک صالح خاتون کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے مجھے بتایا کہ ورق سنائے مکی، خالص شہد اور سیاہ چنوں کا پانی گھٹنوں کے درد کی مریضہ کو بتا دیا۔ اللہ نے اسے اسی سے شفا دے دی۔

پہلو کے درد کو شفایابی: جالینوس کا بیان ہے کہ مجھے فصد کا تصور خواب ہی نے دلایا۔ اس سلسلے میں میں نے دو مرتبہ خواب دیکھا جبکہ میں بچہ ہی تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے ایک ایسا شخص معلوم ہے جس نے خواب دیکھ کر فصد کھلوائی۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے اس درد سے جو اس کے پہلو میں تھا شفا بخشی۔

مرض معدہ میں شفا کا حصول: ابن خراز کا بیان ہے کہ ایک شخص معدے کے مرض میں مبتلا تھا اور میں اس کا علاج کر رہا تھا۔ دوران علاج ترک ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی تو میں نے اس کا حال دریافت کیا۔ بولا میں نے خواب میں حاجیوں کے مشابہ ایک شخص دیکھا جو لاٹھی پر ٹیک لگا کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو معدے کے مرض میں مبتلا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا گلقند اور مصطگی استعمال کیجئے۔ چنانچہ میں نے یہی دوا کچھ روز استعمال کی اور ٹھیک ہو گیا۔ یہ جالینوس

تھا بلکہ آغاز خطاب کے واسطہ سے ہے۔

آیہ مبارکہ اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا الخ۔ جنہوں نے

دروازوں کا کھلنا۔ ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غرور کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس پر دلیل ہے کہ مومنین کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں یعنی بعد از موت ان کی ارواح کے لیے کھولے جاتے ہیں۔ کفار کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے بند رہتے ہیں اور نہ ہی کفار کے اجسام کے لیے بہشت کے دروازے کھلتے ہیں۔

حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات

باوضو رہنے کا ثمرہ۔ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال میں نے بہشت میں اپنے آگے تمہاری کھٹکھٹاہٹ سنی۔ تم نے کون سا عمل کیا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جب میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور میں تازہ وضو کرتا ہوں تو دوگانہ ضرور ادا کرتا ہوں۔ فرمایا اسی دوگانہ کا یہ اثر ہے۔

ظاہر ہے کہ حضور نبی غیب دان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روح کی آہٹ سماعت کی۔ ورنہ ان کا جسم تو ضرور مدینہ پر تھا اور ابھی وہ جیتے تھے۔

بکثرت مُردوں کی ارواح کو اعزہ و اقرباء کی شکایات

درست اور نادرست۔ ہیں کہ تمہارے فلاں فلاں امور سے ہمیں ایذا پہنچی اور اعزہ و اقرباء میں وہ عمل ان کی شکایات کے مطابق پایا جانا اور ان کا تمارک کرنا۔ اگر روح عرض یا جوہر مجرد ہوتی تو جسم کے اندر ہوتی تو کہنے والوں کا یہ کہنا کہ ہم نکلے گئے، کھڑے ہوئے آئے، بیٹھے، چلے، داخل ہوئے اور لوٹے وغیرہ سراسر غلط ہوتا۔ کیونکہ اعراض و مجردات کے حق میں یہ صفتیں ممتنع ہیں۔ حالانکہ ہر شخص کے علم میں ہے کہ یہ باتیں درست ہیں۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اس قسم کے دلائل لوگوں کے الفاظ اور استعمالات

پر موقوف ہیں جن میں حقیقت اور مجاز دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں مجازی معنی مراد ہوں یعنی میرا جسم باہر نکلا، میرا جسم گیا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ ہمارے دلائل کی اصل عقل اور فطرت کی گواہی پر ہے کہ وہ الفاظ کے معانی یہی لیتے ہیں کہ ہم آئے، گئے یعنی بنیادی بات تو روح کی آمد و رفت ہے اور بالتبع جسم کی رو سے ہے۔

بدن کیا ہے؟ یاد رہے کہ بدن روح کی سواری ہے۔ اور اس کا محل ہے۔ اس کی دیکھ بھال روح کرتی ہے۔ لہٰذا بدن کا آنا جانا اور انتقال مکانی روح کی سواری کے قائم مقام ہے۔ اگر روح میں انتقال مکانی وغیرہ کی صلاحیت نہ ہوتی تو اس کی مثال ایسی ہوتی جیسے کسی کی سواری گھر میں آ جاتی ہے۔ خود سوار نہیں حالانکہ یہ قطعی اور بدیہی طور پر درست نہیں غلط ہے۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی روح داخل اور خارج ہوتی ہے اور بدن بالتبع داخل و خارج ہوتا ہے۔ جسمانی آنکھیں بدن کو نکلتا بڑھتا دیکھتی ہیں لیکن علم و عقل کی آنکھیں روح کو آتا جاتا دیکھتی ہیں۔

اِنسان اِنسان کیوں ہے؟ اگر روح عرض ہوتی تو بیک وقت انسان ہزاروں ارواح تبدیل کر لیتا۔ حقیقت میں انسان صرف روح کی وجہ سے ہی انسان ہے۔ جسم کی وجہ سے انسان نہیں۔ روح کو عرض تسلیم کرنے کی صورت میں اب انسان اور ہوتا پھر کچھ اور ہوتا۔ الغرض مختلف اوقات میں مختلف انسان ہوتے۔ حالانکہ انسان ایک ہی ہے۔

مجرد و غیر مجرد۔ اگر روح مجرد ہوتی اور اس کا تعلق صرف جسم سے تدبیری ہوتا اور جسم اس کا محل نہ ہوتا تو یہ بات روا تھی کہ اس کا تعلق ایک بدن سے ٹوٹ کر دوسرے بدن سے جڑ جاتا۔ جیسے کسی مدبر کا تعلق ایک شہر سے ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے شہر سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں ہمیں شک ہوتا کہ مثال کے طور پر زید کی یہ روح آیا پہلی روح ہے یا دوسری روح ہے، یا زید ہے یا کوئی

اور نیند ہے۔ ظاہر ہے کہ ارباب دانش کے نزدیک یہ بات غلط ہے۔ اگر روح عرض یا مجرد ہوتی تو مذکورہ بالا شک پیدا ہو سکتا تھا ہر شخص یقین کے ساتھ جانتا ہے کہ اُس کی رُوح علم اور فکر، اُنس اور دشمنی، رضا اور نارضا وغیرہ نفسانی احوال سے متصف ہوتی ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان احوال کا احوال موصوف نہیں اور نہ ہی جوہر مجرد ہے جو اس کے بدن سے جُدا ہو اور بدن کے پڑوس میں نہ ہو۔ اسے یہ بھی یقین ہے کہ یہ ادراکات کسی ایسی چیز سے ہیں جو جسم کے اندر ہے۔ جیسے اسے یقین ہے کہ سُننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور ٹٹولنا اور ملنا جلنا اس سے قائم ہیں اور اس کی رُوح کی طرف منسوب ہیں اور جوہر رُوح جس سے یہ تمام باتیں ملی جلی ہیں نہ ہی عرض ہے اور نہ ہی جوہر مجرد ہے۔ کیونکہ عرض اور جوہر مجرد سے یہ باتیں قائم نہیں ہوتیں۔ بلکہ ایسے ذی مکان جوہر سے قائم ہوتی ہیں جو عالم میں داخل ہے۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتا ہے اور یہ صفت بدن کی ہے جس میں رُوح چلتی ہے۔ اور اس کی رگ رگ میں اس طرح تیر رہی ہے کہ اگر رُوح ہٹ جائے تو جسم صرف ایک بت اور بے جان ڈھانچہ ہے۔ اگر رُوح عرض ہوتی اور اس کا بدن سے صرف تدبیری تعلق ہوتا جیسے ملاح کا کشتی سے اور اُونٹ ہانکنے والے کا اُونٹ سے تعلق ہوتا ہے تو جائز تھا کہ رُوح اس مخصوص بدن کی تدبیر چھوڑ کر کسی اور بدن کی تدبیر میں مصروف ہو جاتی جیسا کہ ملاحوں کا حال ہے اس صورت میں مخصوص اجسام سے دوسرے اجسام کی طرف رُوحوں کے انتقال کی تجویز پیدا ہوتی ہے جو نادرست ہے۔

اتحاد کا محال ہونا۔ اگر کوئی کہے کہ رُوح و بدن کا اتحاد ہے یا رُوح کو اپنے بدن سے طبعی عشق ہے یا ذاتی شوق ہے اس لیے دیگر جسموں کی جانب منتقل ہونا ممتنع ہے تو ہم یہ جواب دیں گے کہ ذی مکان اور غیر ذی مکان اشیاء میں اتحاد محال ہے۔ اس کے علاوہ اگر رُوح بدن سے متحد ہوتی تو بدن کے فنا ہونے سے فنا ہو جایا کرتی۔ مزید براں اگر اتحاد کے بعد دونوں کو بقا ہو تو دو نہیں بلکہ ایک ہے

اور اگر دونوں کو فنا ہو اور تیسری چیز پیدا ہو جائے تو پھر اتحاد کیسا اور اگر ایک بقا ہے اور ایک کو فنا ہو تو بھی اتحاد نہیں۔

عشق طبیعی کا انکشاف:۔ یاد رہے کہ رُوح کو جسم سے اس لیے عشق طبیعی ہے کہ رُوح جسم کے لیے لذت اندوز ہوتی ہے اور جب بدن حصولِ مطلب رُوح میں برابر ہوں تو ان کی نسبت پوری طرح رُوح کی طرف ہو گی تو تمہارا یہ کہنا کہ مخصوص رُوح مخصوص بدن کی عاشق ہے نادرست ہوا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی پیاسا برابر کے گلاس دیکھے کہ ان میں سے ہر ایک گلاس سے اس کی غرض حاصل ہو سکتی ہے تو اسے کسی خاص گلاس سے محبت ہونا ممتنع ہے کیونکہ محبت کا سبب ترجیح موجود نہیں۔ اگر رُوح جوہر مجرد ہوتی اور نہ عالم میں داخل ہوتی اور نہ اس سے خارج ہوتی بلکہ درمیان ہوتی اس طرح سے کہ نہ عالم سے متصل ہوتی اور نہ ہی الگ ہوتی اور نہ اس سے مبائن ہوتی اور نہ ہی ہم پہلو ہوتی تو بدیہی طور پر معلوم ہوتا کہ وہ اس صفت کے ساتھ موجود ہے کیونکہ انسان کا علم اس کی رُوح سے ہے اور رُوح کی صفات پر جاننے سے زیادہ ہیں۔ انسان کی دیگر معلومات علم نفس کے ساتھ تابع ہیں مگر یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ یہ نادرست ہے کیونکہ ساری دنیا اس سے واقف ہے کہ رُوح کا اس صفت کا ساتھ موجود ہونا عقلی طور پر ناممکن ہے۔ جس نے اپنی روح کے متعلق اور اپنے پالنے والے کے متعلق ایسا تصوّر کیا اس نے نہ ہی اپنی رُوح کی معرفت حاصل کی اور نہ ہی اپنے رب کی معرفت حاصل کی۔

بدیہی نادرستگی:۔ یہ بدن جو مشاہدے میں آتا ہے رُوح کے تمام صفات اور ادراکات کا محل ہے۔ خواہ کلی ادراکات ہوں یا جزئی ادراکات ہوں۔ اور حرکات ارادیہ پر قدرت کا بھی محل ہے تو واجب ہے کہ ان ادراکات وصفات کا حامل بدن ہو اور وہ چیز بھی جو اس میں ساکن ہے لیکن ان کا محل جوہر مجرد کو ماننا جو نہ عالم

میں داخل ہو اور نہ خارج بدیہی طور پر نادرست ہے۔

اگر روح جہت اور مکان سے مجرد ہو تو اس کے فعل کا محل
تحریکِ اجسام کا راز۔ فعل کے اتصال پر موقوف ہونا ممتنع ہو۔ کیونکہ غیر متحیز کا متحیز سے ملا ہوا ہونا ممتنع ہے۔ اگر ایسا ہو تو روح کا فعل بلا اختراع ہوگا۔ اور فاعل اور محل فعل کے مابین ملاقات اور اتصال کی حاجت ہی نہیں رہی۔ تو پھر ہر شخص چھوئے بغیر اجسام کو حرکت دینے پر بااقتیار ہو۔ کیونکہ روح تمہارے خیال میں جس طرح تحریکِ اجسام پر اسے بغیر چھونے کے قادر ہے تو اسی طرح غیر کے جسم کی تحریک پر چھوئے بغیر قدرت ہونی چاہیے حالانکہ یہ بدیہی طور پر باطل ہے۔

معلوم ہوا کہ روح تحریک پر قادر نہیں جب تک محل حرکت گویا
الحاصل کلام۔ محل حرکت سے ملے ہوئے جسم کو نہ چھوئے۔ اور ہر وہ چیز جو جسم سے ملی ہوئی ہو یا جسم سے ملے ہوئے جسم سے ملی ہوئی ہو جسم ہوتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ رد ہے کہ نفس کی تاثیر اپنے خاص بدن کی
تصرفاتِ اجسام۔ تحریک میں اتصال سے مشروط نہ ہو۔ اور غیر کی تحریک میں اتصال سے مشروط ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب بدن تصرفات نفس کو اتصال نفس کے بغیر قبول کر لیتا ہے تو اسے دیگر اجسام کے تصرفات کو بھی اتصال کے بغیر قبول کر لینے چاہئیں۔ کیونکہ اجسام قبول حرکت میں برابر ہیں۔ اور نفس کی نسبت سب کی طرف برابر ہے کیونکہ جب نفس جسمیت اور علاقہ جسمیت سے مجرد ہے تو اس کی ذات کی نسبت سب کی طرف برابر ہوئی۔ اور جب کسی فعل والی ذات کی نسبت سب کی طرف برابر ہو۔ اور اثر پذیر اجسام کی نسبت بھی اس فاعل کی طرف برابر ہو تو اس کی تاثیر سب کے ساتھ برابر ہو گی۔ پھر جب فاعل محل فعل کے اتصال سے بعض میں مستغنی ہے تو اس کا سب میں مستغنی ہونا لازم آیا اور اگر بعض میں اتصال کا محتاج ہے تو پھر سب میں محتاج ہو گا۔

قوی دلیل کا حصول:۔ اگر کوئی کہے کہ نفس اپنے مخصوص بدن کا عاشق ہے تو دیگر ابدان کا عاشق نہیں۔ اس لیے اس کی تاثیر اپنے بدن میں بہت مضبوط ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس شدید عشق کا تقاضا ہے کہ نفس کا تعلق اپنے بدن سے زیادہ ہو اور اس میں اس کا تصرف مضبوط ہو لیکن دیگر اجسام کی نسبت سے اس کی ذات کے تقاضوں کا بدل جانا قطعی ناممکن ہے یہ دلیل بہت مضبوط ہے۔

اقسام صفات:۔ تمام ارباب عقل و فہم اس بات پر متفق ہیں کہ انسان یہی زندہ، بولنے والا، خورد و نوش والا، نشو و نما پانے والا، حساس، اور اختیار و ارادے سے حرکت کرنے والا ہے۔ یہ صفات دو اقسام میں منقسم ہیں۔
۱۔ پہلی قسم بعض تو انسان کے بدن کی ہیں اور بعض روح کی۔ اگر روح جوہر مجرد ہو کر نہ عالم میں داخل ہو نہ خارج اور نہ ہی اس سے متصل ہو اور نہ اس سے الگ یا کچھ عالم میں ہو اور کچھ نہ عالم میں داخل ہو اور نہ خارج ہو۔ تو اہل عقل کے نزدیک یہ سب کچھ غلط ہے بلکہ ان کے نزدیک مکمل انسان بدن و روح کے ساتھ عالم میں داخل ہے جیسے یہ قول نادرست ہے کہ نفس قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ اس صفت میں نصف انسان مخلوق ہوتا ہے اور نصف انسان غیر مخلوق ہوتا ہے۔

جوہر مجرد:۔ اگر کوئی کہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انسان وہی ہے جو تم نے بیان کیا مگر ہم ایک جوہر مجرد ثابت کرتے ہیں جو انسان کا مدبر ہے جو مذکورہ بالا صفات سے متصف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ جوہر مجرد انسان کے علاوہ کچھ اور ہے یا یہی انسان کی حقیقت ہے۔ پہلی صورت میں وہی بات آتی ہے کہ تم نے انسان کے لیے اس کے علاوہ مدبر ثابت کیا جسے تم نفس کہتے ہو۔ اور اس وقت موضوع گفتگو

حقیقت انسان ہے ۔ مدبر پر گفتگو نہیں ۔ کیونکہ مدبر تو نہ صرف انسان کا بلکہ تمام دنیا جہان کا پروردگار ہے ۔

جب کسی عقلمند سے پوچھا جاتا ہے کہ انسان کیا ہے تو وہ اسی جسم کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اس کے دل میں کسی جوہر مجرد کا تصور بھی نہیں ہوتا ۔ اور اس کا علم بدیہی ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے ۔

دانش ور جانتے ہیں کہ خطاب اسی جسم و روح سے ہوتا ہے اسی طرح بھلائی یا برائی عذاب و ثواب اور ترغیب و ترہیب کا مرجع یہی جسم و روح ہے ۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ان تمام باتوں کا مرجع جوہر مجرد ہے تو عقلمند اس پر ہنسی اڑائیں گے اور بالاتفاق اسے حق پر تسلیم نہیں کریں گے ۔

دانش وروں کی دانش وری کا راز

پہلی دلیل یہ ہے کہ دانش ور ۱ ۔ بالاتفاق روح و جسم اور نفس و جسم کہتے ہیں ۔ پتہ چلا کہ روح جسم سے علیحدہ ہے ۔ اگر روح ہی جسم ہوتی تو پھر ان کی اس بات کے چہ معنی دارد ۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ موجودات میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو غیر قابل انقسام ہیں مثال کے طور پر نقطہ جوہر فرد بلکہ ذات واجب الوجود اس لیے لازم ہے کہ ایسی اشیاء کا علم بھی غیر قابل انقسام ہو ۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس علم سے متصف بھی غیر قابل انقسام ہو ۔ اگر نفس جسم ہوتا تو جسم کی طرح قابل انقسام ہوتا ۔ دیگر الفاظ میں یوں کہہ دیجئے کہ علوم کلیہ کا محل اگر جسم یا جسمانی ہو تو وہ علوم بھی تقسیم ہو جائیں گے ۔ کیونکہ منقسم میں جو حال ہو گا وہ بھی منقسم ہو گا ۔ حالانکہ علوم کا منقسم ہونا مشکل ہے

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ ذہنی صور کلیہ مجرد ہیں ۔ ان کا تجرد

یا تو اخذ کرنے والے کی وجہ سے ہے یا اخذ کرنے کی وجہ سے ہے۔ صورتِ اوّل باطل ہے۔ کیونکہ یہ صورتیں ایسے اشخاص سے لی ہوئی ہیں جن کی مقدار میں بھی اختلاف ہے اور معین اوضاع میں بھی اختلاف ہے۔ معلوم ہوا کہ ان میں تجرد اخذ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور اس قوتِ عقلیہ کی وجہ سے ہے جسے نفس کے نام سے تعبیر کیا ہے

قوت عاقلہ اور قوتِ جسمانیہ کی حقیقت کا انکشاف: یاد رہے کہ قوتِ عاقلہ غیر متناہی افعال پر قادر ہے، کیونکہ وہ غیر متناہی ادراکات پر قادر ہے اور قوتِ جسمانیہ غیر متناہی افعال پر قادر نہیں، کیونکہ قوتِ جسمانیہ اپنے محل کے منقسم ہو جانے کی وجہ سے منقسم ہوتی ہے۔ پھر جو چیز بعض افعال پر قادر ہو لازمی طور پر اس سے کم ہو گی۔ جو کل افعال پر قادر ہے اور یقیناً اس سے قوی ہو گی جو بعض پر قادر ہو گی اور متناہی پر متناہی کی زیادتی خود متناہی ہے۔

دائمی ادراک یا ممتنع ادراک: اگر قوتِ عاقلہ جسم میں حال ہو تو واجب ہے کہ وہ یا تو دائمی الادراک ہو گی اور دونوں صورتیں باطل ہیں۔ کیونکہ قوتِ عاقلہ کا ادراک جسم اگر عین وجودِ جسم ہے تو محال ہے۔ اور اگر اس کے وجود کے کوئی صورت مساوی ہے اور وہ قوت عقلیہ میں حال ہے تو دو مماثل صورتوں کا اجتماع لازم آتا ہے جو محال ہے۔ معلوم ہوا کہ قوتِ عاقلہ اگر اپنے آلہ کا ادراک کرے تو یہ مطلب ہو گا کہ قوتِ عاقلہ کے نزدیک نفس آلہ حاصل ہے۔ اس لیے ادراک دائمی رہنا واجب ہے۔ اگر اسی قدر حصول ادراک میں کافی ہو اور اگر کافی نہ ہو تو کسی وقت میں ادراک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر کسی وقت میں ادراک ہو اور کسی وقت میں نہ ہو تو کسی ایسے امر کے موجب ہو گا جو مجرد حضور صورت آلہ پر زائد ہو گا۔

ہر شخص اپنے نفس کا ادراک ہوتا ہے اور ادراک کا معنی ہے

صورت کا باطل ہونا :- کہ معلوم کی ماہیت عالم کے سامنے حاضر ہو۔ پھر جب ہمیں اپنے نفس معلوم ہو گئے تو یا تو اس لیے معلوم ہوئے کہ ہماری ذاتیات کے سامنے موجود ہو گئیں۔ یا اس لیے کہ ہماری ذاتیات کی مساوی صورتیں ہماری ذاتیات میں حاصل ہو گئیں۔ دوسری صورت باطل ہے ورنہ دو مثلوں کا اجتماع لازم آئے گا لہٰذا پہلی صورت ثابت ہوئی کہ ہماری ذاتیات ہماری ذاتیات کے پاس موجود ہیں۔ اور یہ صورت جب ہو سکتی ہے جبکہ روح ایک مستقل ذات ہو اور محل سے بے نیاز ہو۔ کیونکہ اگر کسی محل میں حال ہوگی تو اس محل کے پاس حاضر ہوگی۔

ابو البرکات بغدادی کی دلیل ہے کہ بار

مشاہدات و محسوسات کا انکشاف :- کہ سمندر کا اور یاقوت کے پہاڑ کا اور سورج اور چاند کا تصور ممکن ہے۔ یہ خیالی صورتیں معدوم نہیں کیونکہ قوت خیالیہ ان صورتوں کا تصور کرتی ہے۔ اور ان میں باہمی امتیاز کرتی ہے۔ کبھی یہ خیالات اس قدر قوی ہو جاتے ہیں کہ مشاہدہ و محسوس کی طرح ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عدم محض کے بس کا یہ کام نہیں۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خارج میں ان کی کوئی حقیقت بھی نہیں۔ پتہ چلا کہ ان کا ذہنی وجود ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان خیالات کا محل یا توہم ہوگا یا جسم میں حال ہوگا۔ پہلی دو صورتیں باطل ہیں۔ کیونکہ سمندر اور پہاڑ کی صورتیں بڑی اہم ہیں اور قلب و دماغ چھوٹے اجسام ہیں اور بڑی چیزوں کا چھوٹے اجسام میں چھپنا محال ہے۔ معلوم ہوا کہ ان خیالی صورتوں کا محل نہ جسم ہے اور نہ ہی یہ جسمانی ہیں اگر قوت عقلیہ جسمانی ہو تو ہمیشہ بڑھاپے میں کمزور ہو جانی چاہیئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ قوت عقلیہ اپنے افعال میں جسم سے بے نیاز ہے اور جو چیز ایسی ہو اُسے بالذات جسم سے بے نیاز ہونا لازم ہے۔

قوائے جسمانیہ کیا ہیں؟: جسم سے بے نیازی کا سبب یہ ہے کہ قوت عقلیہ اپنا ادراک کرتی ہے۔ اس کے علاوہ قوتِ عقلیہ اپنا ادراک کرتی ہے۔ اور یہ محال ہے کہ اس کے اور اس کے نفس کے درمیان کوئی آلہ ہو۔ کیونکہ بغیر اس آلہ کے بعد ادراک کرتی ہے۔ اس کے علاوہ قوت عقلیہ اس جسم کا ادراک بھی کرے گی جو اس کا آلہ ہے اور اس کے اور اس کے آلہ کے درمیان کوئی اور آلہ نہیں ہے کیونکہ قوائے جسمانیہ یعنی قوت بصارت اور قوت سماعت اور قوت خیال و وہم چونکہ جسمانی ہیں اس لیے ان کی ذاتیات کا ادراک ان پر قادر ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذاتیات کا ادراک کرتے ہیں اور ان اجسام کا بھی ادراک کرتے ہیں جو انھیں اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر قوتِ عاقلہ جسمانی ہوتی تو اس کے لیے یہ تینوں کام مشکل ہوتے۔ اس کے علاوہ فعل کا منبع نفس ہے۔ اگر نفس اپنے وجود میں جسم سے متعلق ہوتا تو وہ افعال جسم کی شرکت کے بغیر حاصل نہ ہوتے مگر ایسا نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ قوتِ عقلیہ جسم کی محتاج نہیں ہے۔

قوتِ جسمانیہ کا راز: یاد رہے کہ قوتِ جسمانیہ کام زیادہ کرنے سے تھک جاتی ہے اور کمزوری کے بعد قوی کام پر قادر نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ کام کی زیادتی کے سبب قوائے جسمانیہ کا مادہ تحلیل اور فنا ہو جاتا ہے جس سے ان میں کمزوری آجاتی ہے۔ اس کے برعکس قوتِ عقلیہ میں کام کی زیادتی کے سبب کمزوری نہیں آتی۔ معلوم ہوا کہ وہ جسمانی نہیں ہے۔

محال اور غیر محال کیا ہے؟: ہم جانتے ہیں کہ سیاہی سفیدی کی ضد ہے اور یہ بھی کہ ان دونوں کی ماہیت ہمارے ذہن میں حاصل ہے۔ اور یہ بات بھی بدیہی طور پر معلوم ہے کہ اجتماعِ سواد اور اجتماعِ بیاض اور اجتماعِ حرارت اور اجتماعِ برودت محال ہے۔ مگر یہ اجتماع قوتِ عقلیہ میں محال نہیں۔ پتہ چلا کہ وہ جسمانی نہیں ہے۔

انسان میں صفات ممکنہ اور غیر ممکنہ: اگر محل ادراک جسم ہو، اور یہ بھی معلوم ہے کہ جسم تقسیم کے قابل ہے تو یہ بات ممتنع نہیں کہ جسم کے بعض اجزاء سے اس کا جہل وابستہ ہو۔ اس صورت میں انسان بیک وقت عالم بھی ہوگا اور جاہل بھی ہوگا۔

نقوش جسمانیہ اور نقوش ذہنیہ میں امتیازیت: جب کسی جسمانی مادے میں مخصوص نقوش پیدا ہو جائیں تو ان نقوش کے بموجب اس میں دوسرے نقوش پیدا نہیں ہو سکتے لیکن عقلی نقوش اس کے برعکس ہیں۔ کیونکہ جب ارواح تمام علوم و ادراکات سے خالی ہوں تو انہیں کسی علم کا سیکھنا دشوار ہو۔ پھر جب وہ کچھ سیکھ لیں تو ان علوم کا حاصل ہونا دوسرے علوم کے لیے مددگار ثابت ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نقوش جسمانیہ مخالف و متضاد ہیں اور نقوش ذہنیہ متعاون و متوافق ہیں۔

حرکت میں برکت کا حصول: اگر روح جسم ہو تو پاؤں ہلانے اور نفس کے حرکت کرنے میں بقدر حرکت و ثقل جسم کے زمانہ ہو۔ کیونکہ نفس ہی جسم کا محرک ہے اور اسے حرکت پر تیار کرتا ہے۔ پھر اگر پاؤں کی حرکت کا محرک جسم ہوتا تو اس میں حرکت حاصل ہوگی۔ تو اگر ہم اس متحرک عضو کو کاٹ ڈالیں تو پھر بھی اس میں حرکت باقی رہنی چاہیئے۔ حالانکہ باقی نہیں رہتی۔ معلوم ہوا کہ حرکت کہیں سے آئی تھی جس کا سلسلہ عضو کے کٹ جانے سے رک گیا۔ اور اگر نفس جسم ہوتا تو تقسیم کے قابل ہوتا اور اپنے بعض اجزاء کا ادراک کرتا اور بعض کا ذکر کرتا مگر یہ نہایت مشکل ہے۔ اور اگر نفس جسم ہوتا تو اس کے داخل ہونے سے جسم کا بھاری ہونا لازم تھا کیونکہ خالی جسم کی شان ہے کہ جب اس میں پانی بھر جاتا ہے تو بھاری ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں سلسلہ برعکس ہے۔ جب روح بدن میں موجود ہوتی ہے تو وہ ہلکا ہوتا ہے اور جب نکل جاتی ہے جسم بھاری ہو جاتا ہے۔

رُوح کے جسم ہونے پر دلائل ثابتہ

اگر رُوح جسم ہوتی تو یہ بھی دوسرے اجسام کی طرح جسمانی صفات وکیفیات سے متصف ہوتی۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ کیفیاتِ نفسانیہ فضائل و رذائل ہیں۔ جسمانی کیفیات نہیں۔ معلوم ہوا کہ رُوح جسم نہیں ہے۔ اگر رُوح جسم ہوتی تو تمام حواس سے یا کسی حاسہ سے پہچانی جاتی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اجسام تمام حواس سے پہچان لیے جاتے ہیں اور بعض بعض حواس سے۔ حالانکہ رُوح کسی سے بھی نہیں پہچانی جاتی۔ یہ وہ حجت ہے جسے جہم نے اللہ کا انکار کرنے والوں کے روبرو پیش کی تھی۔ جنہوں نے کہا تھا کہ اگر اللہ موجود ہوتا تو کسی نہ کسی حاسہ سے پہچانا جاتا۔ جہم نے معاوضہ میں روح کو پیش کیا۔ یہ معاوضہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب رُوح جسم نہ ہو ورنہ جسم کا ادراک تو کسی نہ کسی حاسہ سے ہو ہی جاتا ہے۔

محال درمحال

اگر رُوح جسم ہوتی تو اس میں طول و عرض اور عمق پایا جاتا۔ اسی طرح سطح اور شکل بھی اور یہ مقادیر اور ابعاد مادہ اور محل ہی سے قائم ہوتے ہیں۔ اگر رُوح کا مادہ اور محل رُوح ہو تو دو اَرواح کا اجتماع لازم آتا ہے۔ اور اگر رُوح نہ ہو تو رُوح کی ترکیب بدن اور صورت سے لازم آتی ہے۔ جو ایسے جسم میں ہو جس کی ترکیب بدن اور صورت سے ہو۔ جس سے ایک انسان کا دو انسان ہونا لازم و ملزوم ہے اور یہ نہایت مشکل ہے۔

خاصہ جسم و رُوح

جسم کا خاصہ ہے کہ تقسیم قبول کر لیتا ہے اور جسم کا چھوٹا جزء بڑے جزء کی مانند نہیں ہے۔ پس اگر رُوح بھی تقسیم قبول کرے تو اس کا ہر جزء اگر رُوح ہو تو لازم آتا ہے کہ ایک انسان کی بہت سی اَرواح ہوں۔ اور اگر رُوح نہ ہو تو مجموعہ رُوح نہ ہوگا۔ جیسے اگر پانی کی بوند پانی نہ ہو تو اس کا مجموعہ بھی پانی نہ ہوگا۔

جسم کا محتاج ہونا:- یاد رہے کہ جسم اپنی حفظ وبقا اور قوام میں رُوح کا محتاج ہے اسی سبب سے رُوح کے الگ ہونے کے بعد فنا ہو جاتا ہے۔ اگر رُوح بھی جسم ہو تو وہ بھی دیگر ارواح کی محتاج ہوگی۔ اس سے تسلسل لازم آتا ہے جو نہایت مشکل ہے۔

اگر رُوح جسم ہو تو اس کا جسم سے تعلق اگر براہِ مداخلت ہے تو اجسام کا تداخل لازم آتا ہے اور اگر براہِ مجاورت ہے تو لازم آئے گا کہ ایک شخص دو اجسام والا ہو۔ جن میں سے ایک جسم تو دکھائی دیتا ہے اور دوسرا جسم دکھائی نہیں دیتا۔

جسم و رُوح کا حقیقی مفہوم:- تمہارا یہ کہنا کہ اربابِ عقل کا رُوح اور جسم اور نفس اور جسم پر اتفاق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فلاسفہ اور متکلمین کی اصطلاح میں جسم کا مفہوم لغوی اور عرفی مفہوم سے عام ہے۔ کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک جسم وہ ہے جس میں طول و عرض اور عمق کی صلاحیت ہو۔ خواہ ہلکا ہو یا بھاری ہو۔ اور دکھائی دیتا ہو یا نہ دکھائی دیتا ہو۔ چنانچہ ہوا، آگ، پانی، دھواں، بھاپ، تارے وغیرہ سب اجسام ہیں لیکن عربی لغت میں ان میں سے کسی کو بھی جسم نہیں کہتے۔ لغوی کتابوں کو اور عربی اشعار کو چھان جائیے آپ کو کہیں بھی جسم کا یہ مفہوم نہیں ملے گا۔ ابوزید کا کہنا ہے کہ جسم جسد کو کہتے ہیں اور اُسے جسمان اور جثمان بھی کہتے ہیں۔

جسم و جسمان، جسد و جثمان:- اصمعی کا کہنا ہے کہ جسم، جسمان، جسد اور جثمان شخص کو کہتے ہیں۔ جسم الشئ۔ یہ چیز بڑی ہے جسیم، جسام، اسے عظیم یعنی عظیم ہے۔ اگر نفس کو جسم کہتے ہیں تو فلسفہ کے اعتبار اور اصطلاح سے کہتے ہیں۔ لغت کے اعتبار سے نہیں۔ ہمارا مقصد رُوح کو جسم کہنے سے یہ ہوتا ہے کہ ہم رُوح کے لیے وہ صفات افعال اور احکام ثابت کرنا چاہتے ہیں جن پر شرع

عقل اور حس دلالت کرتی ہے۔ مثلاً حرکت، انتقالِ مکانی، اُترنا چڑھنا، نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہونا۔ عذاب اور تکلیف میں مبتلا ہونا، بند کیا جانا، چھوڑ دیا جانا، قبض کیا جانا، داخل ہونا، خارج ہونا۔ الغرض ان تمام باتوں کو ثابت کرنے کے لیے ہم نے رُوح کو جسم کہا۔ گو اہلِ لغت نے اسے جسم کے نام سے پکارا۔ لہٰذا اس باطل فرقے کے ساتھ موضوع گفتگو معنی ہے لفظ نہیں۔ اور عقل مند اسی معنی کے اعتبار سے رُوح اور جسم کہتے ہیں۔

فلسفہ عجوبہ: یہ دلیل چار مقدمات پر مبنی ہے۔ پہلی دلیل یہ کہ موجودات میں بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو کسی صورت سے تقسیم کو قبول نہیں کرتیں، ایسی اشیاء کا علم ممکن ہے، علم غیر منقسم ہے، واجب ہے کہ محل علم بھی غیر منقسم ہو۔ اگر رُوح جسم ہوتی تو منقسم ہوتی حالانکہ منقسم نہیں۔ جمہور اربابِ عقل نے پہلے مقدمہ کو نہیں مانا۔ اور فرمایا کہ یہ تمہارا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جو کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ مثال واجب الوجود کی دی ہوئی ہے۔ جو تمہارے باطل اصول پر موقوف ہے کہ تم اپنے پروردگار کی ماہیت کو اور اس کی صفات کو نہیں مانتے اور کہتے ہو کہ اللہ وجودِ مجرد ہے اس کی کوئی صفت و ماہیت نہیں۔ تمہارا یہ خیال عقل و نقل کے خلاف ہے اور اجماع کے بھی خلاف ہے۔ تم نے یہ اصول وضع کر کے اللہ کی قدرت و مشیئت کی اس کے علم و ادراک کی اس کے سمع و بصر کی اس کی اس کی اپنی مخلوق پر بلندی کی تردید کی ہے اور اس اصول کی بناء پر تم نے صاف انکار کر دیا کہ اللہ رحیم و کریم نے چھ ایام میں ارض و سماوات کو تخلیق فرمایا اور اس کا نام توحید رکھا۔ حالانکہ یہ ہر قسم کی تعطیل کی جڑ ہے۔ نقطہ کی مثال دے کر تم نے خود اپنی دلیل پر ضرب لگائی۔ کیونکہ نقطہ غیر منقسم ہے۔ حالانکہ جسم منقسم میں حلول کیے ہوئے ہے۔ دیکھ لیا کہ منقسم غیر منقسم میں حلول کیے ہوئے ہے جو ہر فرد کو ثابت کرنے والے بھی اس اصل میں تمہارے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ جوہر فرد جسم میں حلول کیے ہوئے ہے بلکہ جسم جو

ہر فرد سے مرکب ہے۔ یہاں بھی منقسم میں غیر منقسم حلول کیسے ہوتے ہے۔ تمہاری دلیل مکمل نہیں ہو سکتی جب تک جوہر فرد کا انکار نہ کرو۔ اگر تم یہ کہو کہ نقطہ خط کی انتہا و فنا کا نام ہے اور وہ ایک عدمی چیز ہے تو تمہاری دلیل ہی اڑ گئی اور اگر وجودی چیز ہے تو غیر منقسم منقسم میں حلول کیسے ہوتے ہے۔ الغرض دونوں صورتوں میں دلیل کے تار و پود بکھر کر رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علما اپنے محل میں اپنی قسم کے اعتبار سے حلول کیسے ہوتے ہے برابر سریان نہیں۔ کیونکہ ہر چیز کا اپنے محل میں حلول کرنا اس کے اعتبار سے ہے۔ مثال کے طور پر گھر میں جاندار کا حلول کرنا، حلول کی ایک قسم ہے عرض کا جسم میں حلول کرنا دوسری قسم ہے۔ خط کا سطح میں حلول کرنا تیسری قسم ہے۔ عرض کا نفوس میں حلول کرنا چوتھی قسم ہے۔ جسم کا عرض میں حلول کرنا پانچویں قسم ہے، روح کا بدن میں حلول کرنا چھٹی قسم ہے۔ اور علوم و معارف کا روح میں حلول کرنا ساتویں قسم ہے۔ نیز واجب الوجود کو وحدت حاصل ہے۔ اگر یہ وحدت جوہر ہے تو جوہر فرد ثابت ہو گیا اور تمہاری دلیل جاتی رہی۔ کیونکہ دلیل جوہر فرد کے نہ ماننے پر موقوف ہے اور اگر عرض ہے تو اس کے لیے محل کا ہونا لازم ہے۔ پھر اگر محل منقسم ہو تو غیر منقسم کا قیام منقسم سے جائز ہوا اور وہی جوہر ہے اور دلیل باقی رہی۔

اگر تم کہو کہ وحدت واجب الوجود ایک عدمی چیز ہے

عدم اور غیر عدم: اس کا خارج میں کوئی وجود نہیں تو ہم بھی کہہ دیں گے کہ جس سے تم نے غیر منقسم کا وجود ثابت کیا۔ تمام عدمی ہیں خارج میں ان کا وجود نہیں کیونکہ واجب الوجود جسے تم نے ثابت کیا ہے عدمی ہے بلکہ مستحیل الوجود ہے۔

نیز نسبتیں عوارض میں اقسام جیسے اوپر ہونا۔ نیچے ہونا۔ مالک

محال و غیر محال: ہونا مملوک ہونا وغیرہ۔ اگر محل کی تقسیم سے حال کی تقسیم لازم آئے تو ان نسبتوں کی تقسیم بھی لازم آئے گی۔ مثال کے طور پر فوقیت و تحتیت کے

یعنے چوتھائی اور آٹھواں حصہ لازم آئے گا مگر عقل کے نزدیک یہ چیز نہایت مشکل ہے۔

ابن سینا کے نزدیک قوت وہمیہ اور قوت فکر یہ جانی
قوت وہمیہ اور قوت فکریہ:۔ ہیں۔ لازم آتا ہے کہ ان کے بھی اجزا ہوں۔ حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ اگر ان کی تقسیم ممکن ہو تو اگر ہر ٹکڑا کل کے مثل ہو تو جزء کا کل کے برابر ہونا لازم آتا ہے۔ اور اگر یہ ہو تو وہ جز اس طرح نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ وہم کوئی معنی نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ یہ صحیح ہو اور وہ دشمن ہو اور یہ تقسیم قبول نہیں کرتا۔ نیز اعداد کی ماہیت مختلف ہیں۔ دس سے دس ہونے کا ایک مفہوم اور ایک ماہیت ہے۔ لہٰذا یہ ماہیت یا تو اس کی ہر اکائی کو عارض ہوگی یا اکائیوں کے تقسیم ہونے سے تقسیم ہو جائے گی۔ دونوں صورتیں محال ہیں کیونکہ عشریت کا مفہوم تقسیم کے قابل نہیں۔ ہاں عشر تقسیم کے قابل ہے۔ پس ایک غیر منقسم منقسم کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

جو مخصوص کیفیات کمیات سے متعلق ہیں جیسے گولائی اور نقوش
محال دکمیات:۔ وغیرہ یہ فلاسفہ کے نزدیک اعراض ہیں۔ اگر یہ عرض ہوں یا تو سب کے ساتھ قائم ہوں گے یا ہر جزو کے ساتھ دونوں صورتیں محال ہیں یا اجزاء کی تقسیم سے یہ عرض بھی تقسیم ہو جائے گا اور خط کے ہر جزو سے اس عرض کا ہر جزو قائم ہو گا یہ بھی محال ہے کیونکہ اگر اس کا جزو گولائی ہو تو لازم آئے گا کہ جزو دائرہ ہو۔ اور اگر گولائی نہ ہو تو اجزاء کے اجتماع کے وقت اگر کوئی زیادہ بات پیدا نہ ہو تو واجب ہے کہ گولائی پیدا نہ ہو۔ اور اگر زیادہ بات پیدا ہو تو اگر قابل تقسیم ہے تو تقسیم لوٹ آئے گی ورنہ حال غیر منقسم اور محل منقسم ہوگا۔ نیز یہ اجسام بالذات ممکن ہیں اور امکان کی ایک صفت عرضیہ ہے جو ان کی ماہیت سے خارج ہے۔ اگر یہ صفت اپنے محل کی تقسیم سے تقسیم نہ ہو تو دلیل ساقط ہو گئی اور اگر تقسیم ہو جائے تو وہی محال لوٹ آئے گا کہ جزء کل کے برابر ہو اور تسلسل لازم آئے گا۔ یہ شبہ اس طرح مٹ سکتا ہے کہ علم روح میں صورت حالہ نہیں ہے بلکہ علم و معلوم کے

مابین ایک نسبت و اضافت ہے جیسے ہم دیکھتے ہیں کہتے ہیں کہ دیکھنے سے آنکھ میں وہ صورت نہیں چھپتی جو مبصر کے برابر ہو بلکہ وہ نسبت و اضافت ہے جو قوت باصرہ اور مبصر کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اور اس فصل میں جو عام شبہ پیش کیا گیا ہے معلوم کی صورت قوت عاقلہ میں چھپنے پر مبنی ہے۔ پھر اس پر یہ مقدمہ اٹھایا گیا ہے کہ غیر قابل تقسیم میں تقسیم نہایت مشکل ہے۔ ان کا یہ دعویٰ کہ علوم کلیہ کا محل اگر جسم یا جسمانی ہو تو علوم بھی تقسیم ہو جائیں گے کیونکہ حلول تقسیم جسم میں آئی ہوئی چیز بھی تقسیم ہو جاتی ہے۔ دلیل چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی نہیں کہ دلیل کی ضرورت نہ ہو۔ یہ دعویٰ اس پر مبنی ہے کہ کسی چیز کا علم نفس عالم میں ایسی صورت کے حاصل ہونے سے ہوتا ہے، جو معلوم کی ماہیت کے مساوی ہو حالانکہ یہ غلط ہے۔ جس کے دلائل آنے والے ہیں۔ اگر ہم فرض کیا مخالف مان بھی لیں تو یہی تمہارے دعویٰ کی غلطی کی روشن دلیل ہے کیونکہ جب یہ صورت نفس ناطقہ کے جوہر میں حاصل ہوگی تو یہ صورت جزئیہ ہے جو نفس جزئیہ میں حلول کیے ہوئے ہیں۔ پھر جب ہم اس صورت کا اس کے تمام لواحق کے ساتھ اعتبار کریں تو صورت مجردہ کہاں رہی یہ تو عوارض و لواحق سے متصل ہو گئی۔ اور یہ اس کی کلیت کے مانع ہے۔

اگر تم کہو کہ اس کے کلی ہونے سے یہ مراد ہے

معین مقدار اور معین کل۔ کہ جب ہم اس سے وہ عوارض الگ کریں اور اس کا من حیث الذات تصور کریں تو کلی ہوگی تو ہم کہیں گے کہ جب یہ جائز ہے تو یہ کیوں جائز نہیں کہ کہا جائے کہ یہ صورت ایک مخصوص جسمانی مادہ میں معین مقدار اور معین کل کے ساتھ حلول کیے ہوئے ہے۔ مگر جب ہم اسے اس سے جدا کر لیں اور اس کا من حیث الذات اعتبار کر لیں تو اس صورت کے بمنزلہ ہو جائے گی جس کے ساتھ ہم نے ایسا کیا ہے۔ لہٰذا معین ، معین کے مقابلہ پر ہے اور مطلق محل مطلق کے مقابلہ پر ہے۔ یہی بات عقل میں بھی آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ شبہ سب سے زیادہ

باطل ہے لوگوں نے کلیات ایجاد کر کے اپنی نظروں خراب کر لیں۔ کیونکہ انھوں نے امور کلیہ کی تجرید کر کے جن کا وجود خارج میں نہیں ان پر موجودات کے احکام لگا دیئے ہیں اور انھیں موجودات کے لیے معیار و اصل قرار دے دیا۔ پھر جب انھوں نے معلومات کی صورتیں مجرد کر کے انھیں کلیات قرار دے دیا تو ہم نے ان کے محل مجرد کر کے انھیں کل بنا دیا۔ اگر وہ معین جزئی لیں گے تو ان کے محل بھی جزئی ہوں گے لہٰذا کلی کے مقابلہ پر کلی اور جزئی کے مقابلہ پر جزئی ہے۔ مزید برآں ہم کہتے ہیں کہ ذہن میں صرف صورت معینہ مشخصہ ہے جو اپنے تمام افراد پر منطبق ہو جاتی ہے۔ اگر تم اس اعتبار سے اسے کلی کہو دو تو پھر اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں وہ دو اعتبارات سے کلی بھی ہے اور جزئی بھی ہے۔

عقلیہ کلیہ: تمھارا یہ کہنا کہ ذہنی صور کلیہ مجرد ہیں اور ان میں تجرد اخذ کرنے والی قوت عقلیہ کے سبب سے ہے تو ہم کہتے ہیں کہ تمھاری اس صورت عقلیہ کلیہ سے کیا مراد ہے۔ کیا یہ مراد ہے کہ معلوم ذات عالم میں حاصل ہو گیا یا اس کا علم ذات عالم میں حاصل ہو گیا۔ پہلی صورت تو محال ہے اور دوسری صورت درست ہے مگر اس سے تمھیں فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ امر کلی جو افراد انسان میں مشترک ہے وہ انسانیت ہے علم انسانیت نہیں ہے۔ اور انسانیت کا خارج وجود نہیں ہے۔ خارج میں فقط افراد کا وجود ہے۔ اور علم معلوم کے تابع ہے۔ پھر جیسے معلوم معین ہے علم بھی معین ہے۔ لیکن وہ ایک ایسی صورت ہے جو بہت سے افراد پر منطبق ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ذہن و خارج میں کوئی ایسی صورت نہیں جو غیر منقسم ہو۔ اس مقام پر آ کر بڑے بڑے اہل دانش ٹھوکر کھا گئے۔ جس صورت کلیہ کو وہ ثابت کرتے ہیں اور اسے روح میں حلول کی ہوئی خیال کرتے ہیں وہ صورت شخصیہ ہے جو عوارض شخصیہ سے متصف ہے۔ اچھا اسے تسلیم کیجیے کہ یہ صورت عقلیہ جوہر میں حال ہے جو نہ جسم ہے نہ جسمانی تو وہ تو عوارض سے غیر مجرد ہے۔ اور اگر تم کہو کہ تجرید سے ہماری مراد عوارض سے قطع نظر کر کے

من حیث الذات ہے تو کہا جائے گا تو پھر یہ کیوں جائز کہ صورت حالہ کی محل جسمانی میں تقسیم نہیں۔ کیونکہ یہاں بھی عوارض سے قطع نظر کر کے من حیث الذات لیں گے تو لازم ہے۔

قادر اور غیر قادر کا اختلاف

تمہارا یہ کہنا کہ قوت عقلیہ غیر متناہی افعال پر قادر ہے قوت جسمانیہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ قوت عقلیہ غیر متناہی افعال پر قادر ہے۔ تم کہتے ہو کہ قوت عقلیہ غیر متناہی ادراکات پر قادر ہے اور ادراکات بھی ہوں پھر بھی وہ محدود ہیں۔ اللہ باری تعالیٰ ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ ہر عالم کے اوپر اس سے زیادہ عالم ہے۔ پھر علم کی انتہا اللہ تبارک و تعالیٰ پر ہو جاتی ہے۔ جو ہر چیز کا عالم ہے۔ اللہ کے علم میں کوئی شریک نہیں ایسا علم اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔

غیر متناہی تخیلات

اگر تم کہو کہ ادراک نفس کی کسی ایسی حد تک رک جائے کہ اس پر زیادتی ممکن نہ ہو تو امکان ذاتی سے انقلاب لازم آ جائے گا۔ ہم کہیں گے کہ اگر یہ بات درست ہے تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ قوت جسمانیہ بھی غیر متناہی افعال پر قادر ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا اعتراض باطل ہو گیا۔ اس کے علاوہ قوت خیالیہ و فکریہ غیر متناہی تخیلات پر قادر ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے نزدیک قوت جسمانیہ ہے۔

اگر تم کہو کہ ہم قوت خیالیہ کو غیر متناہی تخیلات پر قادر نہیں مانتے تو ہم بھی کہیں گے کہ ہم بھی قوت عقلیہ کو غیر متناہی افعال پر قادر نہیں مانتے۔ دوسرا مقدمہ بھی غلط ہے کیونکہ ادراک فعل نہیں ہے۔ چنانچہ قوت عقلیہ کے افعال کے متناہی ہونے سے اس کے ادراکات کا متناہی ہونا لازم نہیں آتا۔ تم نے خود صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ جوہر عقلی معلوم صورت کی قابلیت رکھتی ہے اس کی فاعل نہیں ہے۔ اور تمہارے نزدیک ایک ہی چیز قابل و فاعل نہیں ہو سکتی۔ اور تم نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اجسام کے لیے غیر متناہی افعال ممتنع ہیں۔ لیکن غیر متناہی مجہولات و تاثرات ممتنع ہیں۔

علامہ ابن سینا نے اس شبہ پر ایک سوال اُٹھایا

حرکاتِ فلکیہ کا غیر متناہی ہونا۔ ہے کہ نفس فلکیہ جو محرک آسمان ہے قوتِ جسمانیہ نہیں ہے۔ حالانکہ حرکاتِ فلکیہ غیر متناہی ہیں۔ پھر اس کا یہ جواب بھی دیا ہے کہ گو وہ قوت جسمانیہ ہے مگر اپنے کمال میں عقل مجرد سے مدد لیتا ہے اس لیے اس کے افعال غیر متناہی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جب تمہارے نزدیک یہ بات ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ نفس ناطقہ اپنے پیدا کرنے والے سے کمال اور قوت حاصل کر لیتا ہے اور جسمانی ہونے کے باوجود غیر متناہی افعال پر قادر ہو جاتا ہے۔ اگر تم اس کے قائل ہو جاتے تو انبیائے کرام علیہم السلام کے ہم نوا ہو جاتے، مسلمانوں کے گروہ میں داخل ہو جاتے اور گمراہوں کی شیطانی جماعت سے نکل جاتے۔ یہ شبہ تمہاری ایک غلط اصل پر اُٹھایا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ ادراک قوت مدرکہ میں معلوم کے مساوی صورت کے حاصل ہونے کا نام ہے۔ اگر ہم اس اصل کو تسلیم بھی کر لیں تو اس سے تمہیں کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس مساوی صورت کا حاصل ہونا ادراک کی شرط ہوگا۔ پھر کہا جائے گا کہ یہ ادراک کیا بعینہ اس صورت کا حصول ہے۔ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ یہ کہنا یوں جائز نہیں کہ قوتِ عقلیہ مخصوص جسم میں حلول کیے ہوئے ہے پھر کبھی قوتِ ناطقہ کے لیے ایک اضافی حالت حاصل ہوتی ہے۔ اس صورت میں قوتِ عاقلہ اس آلہ کا ادراک کرتی ہے اور کبھی وہ حالت اضافیہ نہیں پائی جاتی تو وہ قوتِ ناطقہ اس سے بے خبر رہتی ہے۔ جب یہ ممکن ہوا تو شبہ ہی سرے سے جاتا رہا۔ اس کے علاوہ ہم دریافت کریں گے کہ کیا عقل میں حاضر ہونے والی صورت ہر اعتبار سے معقول کے برابر ہوتی ہے یا بعض اعتبار سے پہلی صورت کا تو کوئی عقل مند قائل نہیں۔ اور اس کی غلطی بغیر دلیل کے ظاہر ہے۔ جب یہ بات ہے تو دوسری صورت کے دماغ میں حلول کیے ہوئے ہے اور حاصل ہونے والی صورت قوتِ عاقلہ میں حلول کرتی ہے۔ لہٰذا ایک چیز قوتِ عاقلہ کا محل ہے۔ پھر جب ہم کسی

وہ کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو کیا یہ دیکھنا ہماری آنکھ میں دیکھی جانے والی چیز کے نقشے کے پوشیدہ ہو جانے پر موقوف ہے یا نہیں۔ اگر موقوف ہو تو دو شکلوں کا اجتماع لازم آتا ہے۔ کیونکہ تمہارے نزدیک قوت باصرہ جسمانیہ ہے لہٰذا وہ حجم اور مقدار والے محل میں ہے۔ پھر جب اس میں دیکھی جانے والی چیز کا حجم حاصل ہو گا تو دو شکلوں کا اجتماع لازم آ جائے گا۔ جب یہاں دو شکلوں کا اجتماع جائز ہے تو ہمارے مسئلہ میں کیوں جائز نہیں۔ اور اگر موقوف نہیں ہے تو تمہارا یہ قول غلط ہوا کہ قلب اور دماغ کا ادراک قوت عاقلہ میں قلب و دماغ کے حصول صورت پر موقوف ہے۔ نیز تمہارا یہ کہنا کہ اگر قوت عقلیہ جسم میں حال ہو تو اس کا اس جسم کے لیے ہمیشہ ہمیش ادراک واجب ہے۔ لیکن ہمارے دل و دماغ کا ادراک ہمیشہ کا نہیں ہے۔ یہ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے جو دل و دماغ میں قوت عقلیہ کے حلول کا قائل ہے۔ لیکن جو جسم مخصوص میں حلول کا قائل ہے اس پر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ وہ کہے گا کہ نفس جسم مخصوص ہے اور انسان اس جسم مخصوص کا ہمیشہ عالم ہے اور غفلت کی حالت کے علاوہ یہ علم مساوی قائم رہتا ہے۔

علم نفس کا انکشاف۔ یہ شبہ بھی مذکورہ بالا اصل پر مبنی ہے۔ یعنی اس پر کہ علم نفس دنیا جہان میں معلوم کے برابر صورت کے حاصل ہونے کا نام ہے۔ یہ اصل بہت سے دلائل سے باطل ہے جو مسئلہ علم میں مذکور ہیں۔ اگر ہم اسے بھی تسلیم کر لیں تو مذکورہ صورت علم حاصل کرنے کی شرط ہے۔ نفس علم نہیں نیز اس شبہ پر یہ نقص پڑتا ہے کہ اگر ہم پتھر یا لکڑی سے کر کہہ دیں کہ یہ جوہر ہے اور قدیم بالذات ہے۔ پس اس کی ذات اس کی ذات کے نزدیک حاضر ہے تو ان جمادات کے لیے بھی لازم آتا ہے کہ یہ اپنی اپنی ذاتیات کے عالم ہوں نیز تمام جاندار اپنی اپنی ذاتیات کے عالم ہیں۔ اگر کسی جسم کا اپنی ذات کے عالم

ہونے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس کی ذات جوہر مجرد ہو تو تمام حیوانات کے نفوس کا مجرد ہونا لازم آئے گا حالانکہ تم اس کے قائل نہیں ہو۔ یہ ابو البرکات بغدادی کا شبہ ہے جو بالکل رکیک ہے کیونکہ یہ اس پر مبنی ہے کہ تخیلات موجودات میں سے ہوں اور نفس ناطقہ میں چھپتے ہوں جیسے نفس اپنے محل میں پوشیدہ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ان خیالات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ذہن صرف انھیں ہی فرض کر لیتا ہے۔ یہ نفس میں پوشیدہ نہیں ہیں۔ کیونکہ علوم خارجیہ کی صورتیں بھی نفس میں پوشیدہ نہیں ہوتیں خیالات معدومہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ یہ اعدام اضافیہ میں تمیز کرنے سے مانع بھی نہیں کیونکہ عقل عدم سمع، عدم بصر وغیرہ میں تمیز کر لیتی ہے۔ اور اس تمیز سے یہ لازم نہیں آتا کہ اعدام موجود بھی ہوں۔ بلکہ عقل و محالات کے انواع میں بھی تمیز کر لیتی ہے جن کا وجود ممکن نہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ ان چیزوں میں جو جسمیت و مقدار سے مجرد ہوں ہر اعتبار سے اشکال و مقادیر کا حلول کرنا عقل میں آتا ہے۔ تو کیا چھوٹے جسم میں بڑی شکل اور حجم والی چیز کے علم کا اتر آنا معقول نہیں۔ نیز جب تمام اعتبار سے عدم انطباق جوہر مجرد میں صورت و شکل کے حلول کرنے سے مانع نہیں تو بڑے کا چھوٹے پر عدم انطباق بدرجہ اولیٰ چھوٹے سے محل میں بڑی صورت کے حلول سے مانع نہ ہوگا۔ نیز تمہارے سابقہ راہنماؤں نے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ صورت حالہ کا جوہر مجرد میں پوشیدہ ہونا محال ہے اور اس کے بہت سے دلائل دیئے ہیں۔

اس شبہ کا دس جوابات میں مشتمل ہونا از بر ہے۔

ایک شبہ اور دس جوابات :۔ ۱۔ قوت عقلیہ کے کمال میں بدن کی صحت کے لیے ایک ضروری مقدار معین کا اعتبار ہے لیکن صحت میں کمال بدن کا کمال قوت عقلیہ میں اعتبار نہیں ظاہر ہے کہ وہی ضروری مقدار معین برابر باقی رہتی ہے حتیٰ کہ بڑھاپے میں بھی قائم رہتی ہے۔

۲۔ شاید بوڑھے کے ادراکات عقلیہ اس لیے صحیح رہتے ہوں کہ اس کی عقل بعض اعضاء

میں قائم ہے جن میں خرابی سب سے آخر میں آتی ہے۔ پھر جب وہ بھی خراب ہو جاتے ہیں تو عقل بھی ختم ہو جاتی ہے۔

۳۔ یہ بات روا ہے کہ بعض مزاج بعض قویٰ کے مخالف ہوں اور شاید بوڑھے کا مزاج قوتِ عقلیہ کے موافق ہو جس کی وجہ سے اس میں قوتِ عقلیہ قوی رہتی ہو۔

۴۔ جب مزاج اپنی انتہائی قوت پر ہو گا تو تمام قویٰ قوی ہوں گے اور قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غضبیہ بھی کمال قوی ہو گی۔ اور ان دونوں قوتوں کا قوی ہونا کمال عقلی سے مانع تھیں اور عقل میں ضعف آجاتا ہے لیکن عقل میں ضعف آنے کے بعد عقل کے خلاف قویٰ میں بھی ضعف آجاتا ہے۔ لہٰذا ایک نقصان کی تلافی دوسرے نقصان سے ہو جاتی ہے اور اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔

۵۔ بوڑھا شخص تجربہ کار اور بہت سی باتوں کا جاننے والا ہوتا ہے۔ اس کے تجربات اور علوم قوتِ فکریہ اور قوتِ نظریہ کے معاون ہو جاتے ہیں لہٰذا ضعف بدن اور قویٰ سے جو نقصان پیدا ہوتا ہے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔

۶۔ کام زیادہ کرنے سے ایک قسم کا گہرا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس طرح اس نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے جو بدن میں خرابی پیدا ہو جانے سے پیدا ہو گیا تھا۔

۷۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس میں دو باتیں جوان میں رہتی ہیں حالانکہ حرص و امید جسمانی قویٰ اور خیالی صفات میں سے ہیں مگر پھر بھی بدن کی کمزوری سے ان دونوں صفات میں کمزوری نہیں آتی۔ معلوم ہوا کہ ضعف بدن میں بدنی صفات میں کمزوری کا پیدا ہونا لازمی نہیں ہوتا۔

۸۔ ہم بکثرت بوڑھوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کی عقل و فکر بھی قائم نہیں رہتی بلکہ بہت زیادہ بوڑھوں میں یہ چیز غالب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ومنکم من یرد الی ارذل العمر تم میں سے بعض ارذل عمر کو پہنچ جاتے ہیں اور علم کے بعد

بیوقوف ہو جاتے ہیں اور بعض ردی عمر میں پہنچ جاتے ہیں۔ لہٰذا بوڑھا آدمی ردی عمر میں بچہ کی مانند ہوتا ہے بلکہ بچہ سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اور جن میں یہ باتیں نہ ہوں سمجھ لیجئے کہ وہ ردی عمر تک نہیں پہنچا۔

۹۔ قوتِ بدن اور قوتِ نفس میں اسی طرح ضعف بدن اور ضعف نفس میں تلازم نہیں۔ بعض آدمی صاحبِ قوت ہونے کے باوجود کم ہمت اور بزدل ہو جاتے ہیں اور بعض کمزور ہو جانے کے باوجود بھی عالی حوصلہ بہادر اور خطرات میں گھس جانے والے ہوتے ہیں۔

۱۰۔ اگر تمہاری بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اس سے نفس کا جوہر مجرد ہونا کہ نہ عالم میں داخل ہو اور نہ ہی اس سے خارج ہو اور نہ ہی بدن میں ہو اور نہ ہی بدن سے باہر ہو لازم نہیں آتا کیونکہ جب نفس جسم لطیف اور روشن اور علوی ہے اور سفلی اجسام کے خلاف ہے تو سفلی اجسام کی طرح انحلال و تغیر اور فنا کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا بدن کے انحلال و تغیر سے جوہر نفس میں انحلال و تغیر کا پیدا ہونا لازم نہیں آتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی قوتِ جسمانیہ میں ثبوت

احتیاج اور غیر احتیاج:۔ حکم سے تمام جسمانی قویٰ میں اسی حکم کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ تمہارے پاس صرف دعویٰ اور فاسد قیاس ہے۔ نیز صور و اعراض اپنے محل کے محتاج ہیں اور یہ احتیاج صرف ان کی ذاتیات کا تقاضا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ان کے استقلال سے ان کا محل سے استغنا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا کسی حکم کے تقاضے کی بناء پر کسی چیز کے مستقل ہونے سے محل میں استغنا لازم نہیں آتا۔

یہ ہے کہ قوت خیالیہ اور قوتِ جسمانیہ ہے اور وہ

نقاب میں جوہریت:۔ معمولی اشیاء کے تخیلات کے ساتھ ساتھ

بڑی بڑی اشیاء کے تخیلات پر بھی قادر ہے۔ جہاں وہ سورج اور چاند کا تصور کرتی ہے وہاں وہ ایک معمولی انگارے کا بھی تصور کر لیتی ہے۔ نیز قوی اور غالب اشیاء کے دیکھنے سے کمزور اشیاء آنکھوں سے غائب ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ بڑی اور بلند عقلیں کمزور معقولات کے ادراک سے مانع ہیں۔ کیونکہ جو شخص جلال خداوندی اور اس کے اسماء و صفات کی پہچان میں مستغرق ہے اس سے اس حالت میں جوہر فرد کی حقیقت و ماہیت نعکب ہیں رہے گی۔

یہ شبہ اس پر مبنی ہے کہ ذات مدرک

رسوم کا حصول روا یا ناروا ہے، میں مدرک کے برابر صورت حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہ اصول غلط ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس پر آئینہ میں صورت کے چھپنے سے دلیل پکڑنا بھی غلط ہے کیونکہ تمام دانش ور فلاسفر اور اہل کلام اس پر متفق ہیں کہ شیشہ میں کوئی چیز مطلقاً نہیں چھپتی۔ نیز ہم کہہ سکتے ہیں کہ نفس میں بجائے ادراک سواد اور بیاض کے ان کی رسوم اور مثالیں چھپتی ہیں حقائق نہیں چھپتے تو پھر مادہ جسمانیہ میں ان اشیاء کی رسوم کا حاصل ہونا کیونکر روا نہیں۔ یہ اعتراض تمہارے ہی اصول سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ غضب و شہوت اور تخیل تمہارے نزدیک احوال جسمانیہ سے ہیں۔ لہٰذا ان کا محل منقسم ہے تو لازم ہے کہ ایک جزو بدن سے تو شہوت و غضب کو قائم کرو اور دوسرے جزو سے ان کے اضداد کو۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انسان بیک وقت کسی چیز کو چاہے بھی اور نہ چاہے بھی۔ اسی طرح کسی پر غصہ بھی کرے اور غصہ نہ بھی کرے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے جس سے یقین تو کیا ظن بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ نقوش عقلیہ علوم و ادراکات ہیں اور نقوش جسمانیہ اشکال و صور ہیں۔ بلا شبہ کہ علوم اپنے حقائق میں صور و اشکال کے مخالف ہیں۔ اگر کوئی حکم کسی ماہیت کی ایک قسم پر لگتا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہی حکم اس قسم

کی ضد پر بھی لگ جائے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفس جسم کے ساتھ تین حالتوں سے خالی نہیں یا تو کپڑے کی طرح باہر سے جسم پر چھایا ہوا ہو۔ یا جسم کے اندر کسی ایک ٹکڑے مثال کے طور پر دل و دماغ میں ہو، یا جسم کے تمام ٹکڑوں میں پھیلا ہوا ہو۔ ہر صورت میں تمہارے ارادے کے مطابق اس کا کسی ٹکڑے کو حرکت دینا ہے اور زمانے کے علاوہ ہے حواس خمسہ ظاہرہ کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اگر کسی ٹکڑے کو کاٹ دیا جائے تو اس ٹکڑے میں جس قدر جسم نفس تھا وہ نہیں کٹتا خواہ نفس اندر ہو یا باہر ہو۔ بلکہ نفس اس کاٹے جانے والے ٹکڑے سے ہٹ جاتا ہے اور اس سے زمانہ کے بغیر سمٹ کر الگ ہو جاتا ہے جیسے اگر کسی برتن میں پانی بھر دیا جائے تو اس سے ہوا نکل جاتی ہے۔ اگر نفس بدن کے کسی خاص حصے میں رہتا ہو تو عضو مقطوع کے ساتھ اس کا کٹ جانا لازم نہیں آتا۔ اور اگر باہر سے بدن میں چھایا ہوا ہو تو اس ٹکڑے کے حرکت دینے کے لیے اس نفس کے ارادے کے درمیان اور نفس تحریک کے درمیان زمانہ کا ہونا لازم نہیں بلکہ اس صورت میں نفس کا فعل تحریک مقناطیس کے فعل کی طرح ہو گا جیسے مقناطیس لوہے کو حرکت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسی طرح یہ بکواس تم پر بھی ٹوٹتی ہے کیونکہ نفس تمہارے نزدیک نہ بدن سے متصل ہے اور نہ ہی منفصل ہے اور نہ ہی اس میں داخل ہے اور نہ ہی اس سے خارج ہے۔

نفس کا بسیط ہونا ۔ یہ اعتراض دو متلازم اور استثنائیہ مقدمات سے مرکب ہے اور یہ دونوں مقدمات پر یا کسی ایک پر منع وارد ہو سکتی ہے لہٰذا ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اگر نفس جسم ہو تو یہ لازم آئے کہ بعض نفس معلوم ہو اور بعض مجہول ہو کیونکہ نفس بسیط ہے عناصر سے مرکب نہیں اور نہ ہی مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔ پھر جب تمہیں اس کی ذات کی پہچان ہو جائے یہ منع تو مقدمۂ متلازمہ پر ہوتی۔ رہا مقدمۂ استثنائیہ سو ہم کہتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ بعض نفس کا علم ہو اور بعض نفس کا نہ ہو

تم نے اس کے باطل ہونے پر دلیل تو دلیل کسی شبہ کا بھی ذکر نہیں کیا۔ یہ بات بدیہی ہے کہ انسان کو کبھی اپنے نفس کا بعض اعتبار سے شعور ہوتا ہے تمام اعتبارات سے نہیں ہوتا اس شعور میں بھی لوگوں میں امتیاز رہتا ہے۔ بعض کا شعور دوسروں کے شعور سے کئی درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے تم ان جیسا نہ بن جانا جو اللہ کو بھول گئے۔ پھر اللہ نے انہیں ان کی جانوں کو بھلا دیا۔ یہ لوگ اپنے نفوس کو تمام اعتبارات سے نہیں بھولے تھے بلکہ اس اعتبار سے بھولے تھے جس سے نفس کے کمالات اور نیکیاں اور مصلحتیں ملی ہوئی تھیں لیکن جس اعتبار سے ان کی شہوات حظوظ نفسانیہ اور ارادے وابستہ تھے۔ اس اعتبار سے نہیں بھولے تھے۔ پھر اللہ نے ان سے ان کے نفوس کی مصلحتوں کو فراموش کر دیا کہ ان کے مطابق اعمال بجا لاتے۔ اور ان کے عیبوں اور نقصوں کو دُور کرتے اور کمال حاصل کرتے۔ لہٰذا وہ ان اعتبارات سے اپنے نفوس کی حقیقتوں سے جاہل ہیں۔ اگرچہ دوسرے اعتبارات سے ان کا عالم بھی ہیں۔

ثقل کا پیدا ہونا یہ اعتراض جلی عقل کی علامت ہے۔ بلکہ جس نے یہ اعتراض اٹھایا ہے وہ عقل نہیں رکھتا ہے۔ ہر جسم کا یہ خاصہ نہیں ہے کہ اس میں دوسرے جسم کے اضافہ سے ثقل پیدا ہو۔ دیکھیے لکڑی ثقیل ہے اس پر آگ کا جسم بڑھا دیجیے۔ لکڑی بہت ہلکی ہو جائے گی۔ اسی طرح کوئی ظرف بھاری ہے مگر جسم ہوا سے ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہ اصول ان بھاری اجسام میں تو کارفرما ہے جو طبع کے لحاظ سے مرکز وسط کو چاہتے ہیں۔ اور اس کی طرف بالطبع متحرک ہوتے ہیں۔ لیکن جو اجسام بالطبع بلندی کی طرف حرکت کرتے ہیں ان میں یہ اصول نہیں چلتا بلکہ وہ ثقیل اجسام کے اُلٹ ہیں اور جسم ثقیل سے مل کر اسے بھی ہلکا کر دیتے ہیں۔

اجسام کا ٹٹولنا یہ فاسد شبہ اور باطل دلیل ہے۔ کیونکہ تمام کیفیات اور صفات میں اشتراک اجسام واجب نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ

نے اجسام کی صفات، کیفیات اور طبیعیات میں اختلاف رکھے ہیں۔ بعض اجسام
دیکھے جاتے ہیں ٹٹولے جاتے ہیں اور بعض ٹٹول کر معلوم کیے جاتے ہیں۔ بعض نہ دیکھے
جاتے ہیں اور نہ ہی ٹٹولے جاتے ہیں۔ بعض رنگین ہیں، بعض بے رنگ کے ہیں۔
بعض حرارت و برودت کو قبول نہیں کرتے اور بعض قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ
نفس کی مخصوص کیفیات ہیں جن میں بدن شریک نہیں۔ ان میں ہلکا پن بھاری پن،
حرارت و برودت اور سختی اور نرمی پائی جاتی ہے۔ تم ایک شخص کو انتہائی بھاری دیکھو
گے حالانکہ اس کا جسم بہت کمزور ہے اور ایک آدمی کو انتہائی ہلکا پاؤ گے حالانکہ اس
کا بدن کافی بھاری ہے۔ کسی کے دل میں نرمی اور رحم پاؤ گے اور کسی کا دل خشک پتھر
پاؤ گے جو حِس سلیم کا مالک ہوتا ہے۔ وہ بعض نفوس کی سڑی ہوئی لاش جیسی بو سونگھ
لیتا ہے اور بعض نفوس کی خوشبو مشک سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔

راستہ کا معطر ہو جانا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس راستہ سے گذرتے تھے وہ راستہ معطر ہو جاتا تھا
اور بعد میں آنے والا پہچان جاتا تھا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔ یہ آپ کی رُوح کی
اور دل کی خوشبو تھی۔ آپ کے پسینہ مبارک کی خوشبو بھی بڑی عزیز تھی جو آپ کے بدن اور
رُوح کے تابع تھی۔ آپ نے بتایا کہ بدن سے الگ ہو کر رُوح سے یا تو انتہائی پیاری خوشبو
جس کے سامنے مشک کی بھی کوئی قیمت نہیں پھوٹ پڑتی ہے یا سڑی ہوئی لاش سے بھی
زیادہ سرلند آنے لگتی ہے۔ اگر نکام کا غلبہ نہ ہوتا تو حاضرین سونگھ لیا کرتے بہت سے
لوگ سونگھ بھی لیتے ہیں جیسا کہ بہت سے لوگوں نے خبر دی ہے کہ خود حضور نبی پاک
صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات کا خبر دینا اس کی سچائی کی ضمانت ہے اس
طرح آپ نے یہ بھی بتایا کہ اہل ایمان کی اَرواح روشن و واضح اور کفار کی اَرواح سیاہ
ہوتی ہیں۔ الغرض اَرواح کی مختلف کیفیات کا انکار بیوقوف شخص ہی کر سکتا ہے۔

ادراک اور غیر ادراک کا دائرۂ عمل :-

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تو لزوم ہی نہیں مانتے۔ کیونکہ تم نے
اس پر دلیل تو دلیل کوئی شبہ بھی قائم نہیں کیا۔ اور اگر لزوم کو مان لیں تو نفی لزوم کو
نہیں مانتے۔ کیونکہ رُوح حواس سے معلوم ہو جاتی ہے' اسے ٹٹولا بھی جا سکتا ہے۔
دیکھا بھی جاتا ہے کہ اس کی اچھی بری خوشبو سونگھی بھی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس سے
پہلے گزر چکا ہے۔ اگرچہ ہمارے مشاہدے میں نہ آئے۔ اس کے علاوہ فرشتہ
جسم ہے لیکن ہمارے حواس میں سے کسی حاسہ کے دائرے میں نہیں سماتا۔ اسی
طرح جن اور شیطان اپنی لطافت کے سبب نہیں سماتے۔ حواس کے دائرے میں
آنے کے اعتبار سے اجسام میں بہت فرق آتا ہے۔ بعض اجسام اکثر حواس سے
معلوم ہو جاتے ہیں۔ بعض اکثر سے بھی معلوم نہیں ہوتے۔ بعض ایک ہی حاسہ سے
معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اکثر احوال میں ادراک کے دائرے ہی میں نہیں
آتے۔ اگرچہ کبھی کبھی ان کا ادراک ہو بھی جاتا ہے۔ یا تو اس لیے کہ ان کا ادراک
ہمارے لیے پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ یا کسی رکاوٹ کے سبب ادراک نہیں ہو سکتا۔
یا وہ ہمارے ادراک حواس سے لطیف تر ہیں۔ مثال کے طور پر جو جسم لطیف نہیں
انھیں آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اور اپنے عنصر میں آگ اور جن میں بُو نہیں جیسا کہ آگ
پتھر شیشہ وغیرہ ان کا قوتِ شامہ سے ادراک نہیں ہوتا۔ اور جو ٹٹولنے سے معلوم
نہیں ہوتے وہ قوتِ لامسہ کے بس کی نہیں جیسا کہ ٹھہری ہوئی ہوا۔ نیز اصل مدرک
تو رُوح ہے۔ جو ان حواس کے مدارک کو آلات کے واسطوں سے معلوم کرتی ہے
لہٰذا رُوح حاسہ مدرکہ ہے اگرچہ یہ حاسہ محسوس نہیں ہے اور اجسام و اعراض محسوس
ہوتے ہیں اور رُوح انھیں محسوس کرتی ہے۔ رُوح ایک کے بعد دوسرے آنے والے
اعراض کا محل قابل ہے جیسے اجسام ایک کے بعد دوسرے آنے والے اعراض

قبول کر لیتے ہیں۔ صرف رُوح اپنے اختیار سے متحرک ہے اور بدن کو جبراً و قہراً حرکت دیتی ہے۔ وہی بدن میں اثر پیدا کرتی ہے اور اس سے متاثر ہوتی ہے۔ اسی کو تکلیف ہوتی ہے اور اسی کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ اسی پر سرور و الم طاری ہوتے ہیں۔ اسے ہی خوشی حاصل ہوتی ہے اور یہی ناراض ہوتی ہے۔ یہی خوش حال اور یہی بدحال ہوتی ہے۔ یہی محبت و نفرت کرتی ہے۔ یہی یاد کرتی ہے اور یہی بھولتی ہے، یہی چڑھتی اُترتی ہے اور یہی پہچانتی ہے اور یہی نہیں پہچانتی۔ اس کے آثار اس کے وجود کی سب سے بڑی برہان ہیں۔ جیسے کائنات کے پیدا کرنے والے کے آثار اس کے وجود اور اس کے کمال پر برہان و دلیل ہے۔ کیونکہ آثار کی دلالت اپنے مؤثر پر بدیہی ہے۔

اثرات اَرواح۔ ارباب حسِ سلیم اور طبع مستقیم اَرواح کے اثرات کا انکار نہیں کر سکتے۔ خاص طور پر جب اَرواح بدن کی اَلودگیوں اور مصروفیات سے ایک قسم کی آزادی حاصل کر لیں۔ پھر جب تجرد ان قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر جب خواہشات کی مخالفت بھی پائی جاتی ہو اور انھیں اخلاقِ عالیہ مثال کے طور پر پاکدامنی، بہادری، شجاعت اور سخاوت وغیرہ پر اُبھار دیا گیا ہو۔ اور بُری عادات سے محفوظ رکھا گیا ہو، اس وقت اَرواح کی تاثیر اس عالم میں بڑی زبردست ہوتی ہے جس سے بدن اور اعراضِ بدن عاجز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر رُوح بڑے سے بڑی چٹان کو بھی نگاہ سے پھاڑ دیتی ہے۔ جانور کو دیکھ کر ہلاک کر دیتی ہے۔ کسی نعمت پر نگاہ ڈال کر اسے برباد کر دیتی ہے۔ ان باتوں کا تمام لوگوں کو علم ہے۔

ایک اور انوکھا راز:۔ اسی کو لوگ نظر لگانا کہتے ہیں اور اثر کو آنکھوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ آنکھ کا

اثر نہیں ہے بلکہ روحانی اثر ہے۔ اور اس رُوح کا اثر ہے جو زہریلی اور ردی کیفیت سے متصف ہے۔ یہ اثر کبھی تو آنکھ کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی براہِ راست ہوتا ہے کہ کسی کے سامنے کسی نعمت کی تعریف کی جائے اور اس کی کیفیت سے اس کا نفس متکیف ہو کر اسے تباہ کر دے۔ تم اجسام میں رُوح کی تاثیر نہیں دیکھتے کہ رُوح صرف جسم کے سامنے آکر اس میں سرخی پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے کہیں بڑھ کر وہ آثار ہیں جو بدن کی تاثیر اور اس کے اعراض سے خارج ہیں۔ کیونکہ بدن انہیں اجسام میں مخصوص اثر کرتا ہے جو اس کے روبرو ہوں اور اس سے متصل ہوں۔ ہمیشہ سے لوگ عالم میں اثر انداز ارواح کی تاثیر کا اقرار کرتے چلے آئے ہیں اور ان سے استعانت طلب کرتے ہیں اور ان کے اثرات سے ڈرتے رہتے ہیں۔

رُوح کی تاثیر کا زائل ہو جانا۔ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ نظر لگانے والا اپنی بغلیں اور اپنے گندگی کے مقامات دھو کر اس پانی کو اس پر بہائے جسے نظر لگی ہے۔ جسے حکمت الٰہی نے چاہا ہے۔ کیونکہ نفس امارہ کو ان گندے مقامات سے ایک قسم کا تعلق رہتا ہے اور وہ ان سے مانوس ہوتا ہے اور خارجی خبیث ارواح اس کی امداد کرتی ہیں اور اکثر گندے مقامات سے مانوس رہتی ہیں۔ کیونکہ ان مقامات اور ارواح خبیثہ میں مناسبت ہے۔ پھر جب یہ مقامات پانی سے دھو دیئے جاتے ہیں تو ان میں جو ناریت ہے وہ بجھ جاتی ہے جیسے گرم لوہے کی سخت گرمی پانی سے زائل ہو جاتی ہے۔ جب یہ پانی نظر والے پر ڈالا جاتا ہے تو وہ آگ جیسی سمیت جو نظر لگانے والے کی طرف سے پہنچتی ہے یا پانی سے بجھ جاتی ہے اطبا کا قول ہے کہ جب پانی میں لوہا بجھا دیا جائے وہ پانی بہت سی بیماریوں اور درد دل

کا تریاق ہے۔

رُوح و بدن کیا ہیں؟:۔ خواب میں اَرواح کو ایک قسم کا تجرد حاصل ہوتا ہے اس حالت میں بھی اَرواح کی تاثیر کا لوگوں کو تجربہ ہے اور بے شمار عجائبات مشاہدات میں آئے ہیں۔ لہٰذا عالم اَرواح عالم اجسام سے بڑا اور ان کے علاوہ ایک جہان ہے اور اس کے احکام و آثار اجسام کے آثار سے حیرت انگیز ہیں۔ بلکہ اس جہان میں بھی جس قدر انسانی آثار ہیں وہ سب ابدان کے واسطوں سے اَرواح کے آثار ہیں۔ اور اثرات کی گاڑی کے دو پہیے روح و بدن ہیں۔ دونوں مل کر تاثیر پیدا کرتے ہیں پھر رُوح سے ایسے آثار بھی سرزد ہوتے ہیں جن میں بدن کا کوئی حصہ نہیں لیکن بدن سے کوئی ایسا اثر سرزد نہیں ہوتا جس میں رُوح کا حصہ نہ ہو۔

مادہ رُوح کیا ہے؟:۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ طول و عرض و عمق مادہ ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ رُوح بھی مادہ ہی سے پیدا کی گئی ہے اور اس کی بھی ایک معین شکل و صورت ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ اگر اس کا مادہ نفس ہوگا تو دو نفوس کا اجتماع لازم آئے گا۔ اور اگر نفس نہ ہوگا تو رُوح بدن اور صورت سے مرکب ہوگی غلط ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رُوح کا مادہ رُوح نہیں ہے۔ جیسے انسان کا مادہ انسان اور جن کا مادہ جن اور حیوان کا مادہ حیوان نہیں ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ اس صورت میں رُوح بدن و صورت سے مرکب ہوگی ایک غلط مقدمہ ہے کیونکہ اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ رُوح مادہ سے مخلوق ہو اور اس کی معین شکل و صورت ہو۔ تم نے اس کے رد میں حجت قطعی یا ظنی تو کیا کوئی شبہ تک بھی پیش نہیں کیا۔

اجزائے رُوح:۔ اگر اس سے تمہاری یہ مراد ہے کہ ہر جسم خارج میں قابل تقسیم ہے تو غلط ہے کیونکہ سورج چاند اور ستارے خارجی تقسیم قبول

نہیں کرتے۔ جو جوہر فرد کے قائل نہیں ان کے نزدیک تو ظاہر ہے اور جو قائل ہیں ان کے نزدیک جوہر متجزو نا قابل تقسیم ہے۔ اچھا اگر ہم تقسیم مان بھی لیں تو کیا خرابی ہے؟ تم کہتے ہو کہ اگر روح کا ہر جزو روح ہو تو ایک انسان میں بہت سے نفوس کا اجتماع لازم آئے گا۔ ہم کہتے ہیں یہ تو اس وقت لازم آتا جب روح کی بالفعل تقسیم ہو جاتی۔ اور یہ محال ہے۔ تم کہتے ہو کہ اگر ہر جزو کو روح نہ مانا جائے تو مجموعہ بھی روح نہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ مقدمہ ہی غلط ہے اور بہت سی جگہ ٹوٹ جاتا ہے بہت سی ایسی ماہیات ہیں کہ ان پر اجتماع اجزاء کے وقت ہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر گھر، آسمان، دس وغیرہ وغیرہ۔

ناطق وغیر ناطق کا انکشاف۔ حفاظت وبقا کے لیے بدن کے روح کی طرف محتاج ہونے سے

روح کا روح کی طرف محتاج ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ایسے قیاس پر مبنی ہے جو سراسر غلط ہے۔ کیونکہ ہر جسم حفظ وبقا میں روح کا محتاج نہیں جیسے معادن کے اجسام اور ہوا پانی، آگ مٹی اور تمام جمادات کے اجسام وغیرہ۔ تم کہو گے یہ زندہ اور ناطقہ نہیں۔ ہم کہیں گے تب تو دلیل کی یہ صورت ہوئی کہ ہر زندہ ناطق کا جسم حفظ وبقا میں روح کا محتاج ہوتا ہے۔ مگر یہ مقدمہ بھی غلط ہے کیونکہ جن اور فرشتے زندہ اور ناطق ہیں اور اپنی بقا کے لیے دیگر ارواح کے محتاج نہیں۔ تم کہو گے ہمارا موضوع گفتگو جن اور فرشتے نہیں کیونکہ وہ اجسام متجزیہ نہیں ہم کہیں گے تم گفتگو ان کے ساتھ کر رہے ہو جن کا اللہ اور اس کی کتب پر اور اس کے انبیاء پر اور اس کے ملائکہ پر ایمان ہے۔ لیکن جن کا ان پر ایمان نہیں اس کے ساتھ روح کے متعلق گفتگو ہی بے سود ہے کیونکہ وہ خالق ارواح پر اس کے ملائکہ پر اور اس کی شریعت پر جسے اس کے رسول لے کر آئے ہیں ایمان نہیں رکھتے اور

جن پر مشاہدہ دلیل و ایمان کے ساتھ شاہد ہے اس کو ترک کیے ہوئے ہے۔ کیونکہ جنوں اور فرشتوں کے اس عالم میں جو آثار ان کے پروردگار کے حکم سے مشاہدات میں آ چکے ہیں ان کا انکار ممکن نہیں اور نہ ہی اس کا انکار ممکن ہے کہ وہ موجود ہیں۔ اور نہ اس کا کہ انسان کے قویٰ ان پر قادر نہیں ہیں۔

رُوح کا سرایت کر جانا: دو کثیف اجسام کا ایک مکان میں آپس میں داخلہ محال ہے۔ لیکن لطیف کا کثیف میں داخل ہونا اور سرایت کر جانا محال نہیں۔ اس کے علاوہ تداخل اجسام کا مسئلہ ہی غلط ہے پانی لکڑی میں اور بادل میں متداخل ہے۔ آگ لوہے میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور غذا بدن کے تمام اجزاء میں مل جل جاتی ہے۔ اسی طرح آسیب زدہ میں جن داخل ہو جاتا ہے لہٰذا رُوح اپنی لطافت کی وجہ سے رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس کے لیے بدن ایسے ہیں جیسے پرندے کے لیے ہوا ہے۔ نیز رُوح کا مکان بدن ہے اور بدن کا مکان وہ ہے جس میں بدن سمایا ہوا ہے۔ ایسا تداخل محال نہیں ہے۔ پھر جب رُوح بدن سے الگ ہو جاتی ہے تو اس کا دوسرا مکان ہو جاتا ہے الغرض رُوح کا بدن میں سرایت کرنا مٹی میں پانی کے سرایت کرنے سے اور بدن میں روغن کے سرایت کرنے سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ اس لیے یہ شبہ فاسدہ نقلی اور عقلی دلائل سے ٹکرانے کے قابل نہیں ہے۔

باب بست و یکم

نفس و روح

سوال:۔ نفس اور روح میں کیا فرق ہے۔ کیا یہ دونوں ایک ہی ہیں یا مختلف ہیں۔

جواب:۔ کیا نفس اور رُوح ایک ہی ہیں یا ان میں کوئی فرق موجود ہے۔ اس میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ جمہور کے نزدیک نفس اور رُوح ایک ہی ہیں مگر بعض کے نزدیک دو مختلف حقیقتیں بھی تسلیم کی گئی ہیں۔ اس پر بفضل الٰہی مکمل طور پر روشنی ڈالی جائے گی۔ نفس متعدد معانی میں منقسم ہے یعنی رُوح جو ہری جو نفس و رُوح ہے۔ کہتے ہیں خرجت نفسہ یعنی اُس کی رُوح خارج ہو گئی۔ یعنی خون کہتے ہیں سالت نفسہ یعنی اُس کا خون بہہ گیا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی جس کے بہنے والا خون نہ ہو اگر وہ پانی میں مر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہو گا۔ پھر جسم یعنی مجھے بتایا گیا کہ بنو تمیم نے اپنے بیٹوں کو منتذ کے جسم کے خون میں داخل کر دیا۔ یعنی نظر کہتے ہیں یعنی فلاں کو نظر لگ گئی۔ مگر میرے خیال میں اس جملہ میں نفس بمعنی رُوح ہے چونکہ نظر کی راہ سے رُوح اپنا اثر ڈالتی ہے اس لیے کہتے ہیں نظر لگ گئی۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ بُری رُوح کا اثر ہو گیا۔

ذات شخص . قرآن مجید فرقان حمید نے ذات کے لیے بھی نفس کا لفظ استعمال کیا ہے .
فرمایا یعنی اپنی ذاتوں پر سلام کرو جس روز ہر ذات اپنی ذات کی طرف سے جھگڑتی ہوئی
آئے گی ہر شخص اپنی کمائی کے ساتھ گروی ہے ۔ اور رُوح کے لیے بھی ۔ قرآن مجید
فرقان حمید میں ہے یعنی اے رُوح مطمئنہ اپنی اَرواح نکالیے ۔ اور اُس نے رُوح کو
خواہش سے روک لیا ۔ واقعی رُوح بُرائی کی جانب کھینچنے والی ہے ۔ رُوح کا اطلاق نہ
تنہا بدن پر ہوتا ہے اور نہ روح و بدن دونوں پر ۔

قرآن مجید فرقان حمید میں رُوح کے بھی کئی معنی ہیں حکم یعنی اسی طرح ہم نے
آپ کی طرف اپنا حکم بھیجا ۔ پھر فرمایا یعنی اللہ اپنے جس بندے پر چاہتا ہے وحی اُتار
دیتا ہے ۔ اللہ ملائکہ کو وحی دے کر نازل کرتا ہے ۔

وحی کا رُوح ہونا کیونکر : وحی کو رُوح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے مفید زندگی کا حصول ملتا ہے کیونکہ زندگی
وحی کے بغیر نافع نہیں ہوتی بلکہ اس سے بہتر جانور کی زندگی ہے ۔ کیونکہ وہ انجام کے
اعتبار سے سلامتی والی ہے ۔ رُوح کو رُوح اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے بدن کی زندگی
ہے ۔ ریح یعنی ہوا کو بھی ہوا اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے بھی زندگی کا حصول ہوتا ہے
چونکہ یہ اجوف واوی ہے اسی لیے اس کی جمع اَرواح یعنی بہت سی رُوحیں آتی ہے ۔
یعنی جب تمھاری زمین کی طرف سے ہوائیں چلتی ہیں تو ان سے میں اپنے کلیجے میں
ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں اسی سے رُوح ، ریحان اور استراحت ہے ۔

نفس روح کیونکر :- نفس کو رُوح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے زندگی حاصل ہوتی ہے ۔ یہ لفظ یا تو نفیس سے بنا ہے یا اپنی لطافت
وشرافت کے سبب نفس کہلایا ۔ یا تنفس سے بنا ہے اور جسم میں کثرت آمد و رفت
کے سبب سے نفس کہلایا ۔ اسی سے نفس ہے ۔ سونے کی حالت میں انسان سے

رُوح نکل جاتی ہے۔ اور بیداری کے عالم میں لوٹ آتی ہے اور موت کے وقت بالکل ہی نکل جاتی ہے۔ اور قبر میں سوال کے وقت لوٹ آتی ہے۔ پھر سوال کے بعد نکل جاتی ہے۔ پھر زندگی بعد الموت کے وقت لوٹ آتی ہے۔ رُوح ذاتی نہیں بلکہ صفاتی ہے۔ خون کو نفس اس لیے کہتے ہیں کہ زیادہ خون نکلنے سے جس سے موت آجائے نفس کا نکلنا لازم آتا ہے۔ اور نفس کی طرح زندگی خون پر بھی موقوف ہے۔ یعنی تلواروں کی دھار پر ہمارے خون بہتے ہیں۔ کہتے ہیں اس کا خون بہہ گیا، رُوح نکل گئی، رُوح جُدا ہوگئی جیسا کہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی رُوح نکل گئی یا جُدا جُدا ہوگئی۔ لیکن فیضی میں بہنا پایا جاتا ہے اور اضافت سرعت اور کثرت سے بہنے کو کہتے ہیں۔ اضافہ میں اختیار کا مفہوم ہے اور فیض میں اضطرار کا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اختیار سے موت کے وقت رُوح کو نکلنے کا حکم دیتا ہے۔ پھر وہ نکل جاتی ہے۔ محدثین۔ فقہائے کرام اور صوفیائے کرام کی ایک جماعت کا قول ہے کہ رُوح و نفس دونوں میں ذاتی فرق ہے۔

مقاتل بن سلیمان کا قول ہے

مقاتل بن سلیمان کا عقیدہ:

کہ انسان کے لیے زندگی رُوح اور نفس ہے۔ سونے کی حالت میں اس کا نفس جو صاحب عقل و شعور ہے نکل جاتا ہے لیکن جسم سے الگ نہیں ہوتا جیسا کہ لمبی رسی کی طرح شعاعیں ہوں۔ پھر سونے والا اپنے نکلے ہوئے نفس کے سبب سے خواب دیکھتا ہے۔ اور حیات و رُوح اس کے جسم میں باقی رہتی ہے جس کی مدد سے وہ کروٹ اور سانس لیتا ہے۔ اور جب بیدار ہو جاتا ہے تو پلک جھپکنے سے کم مدت میں تیزی سے نفس لوٹ آتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اسے خواب میں ہی مارنا چاہتا ہے تو اس کے نکلے ہوئے نفس کو روک لیتا ہے۔ پھر کہا کہ حالت خواب میں نفس نکل کر اوپر کو چڑھتا ہے اور

خواب دیکھنے وقت لوٹ کر رُوح کو خبر دیتا ہے۔ پھر رُوح کو خبر دیتی ہے اور صبح کو اُٹھ کر اسے تمام خواب یاد ہوتا ہے۔

نفس کے بارے میں مختلف اقوال: ابن مندہ کا قول ہے کہ لوگوں میں روح و نفس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ نفس طین و نار سے مرکب ہے اور روح نور و نورانیت سے ہے اور بعض کے نزدیک رُوح لاہوتی ہے اور نفس ناسوتی ہوتا ہے اور نفس سے انسان آزمایا جاتا ہے۔ محدث کا قول ہے کہ رُوح و نفس میں ذاتی فرق ہے۔ نفس کی بقاء روح پر ہے اور نفس صورت ہے۔ اور خواہش و شہوت اور آزمائش اس میں معجون مرکب ہے۔ انسان کا نفس سے زیادہ کوئی دشمن نہیں ہے۔ نفس دنیا کا متمنی ہے اور دنیا کی تمنا رکھتا ہے اور دنیا ہی سے محبت کرتا ہے اور رُوح آخرت کی دعوت دیتی ہے اور آخرت کو ہی ترجیح دیتی ہے۔ خواہش کو نفس کے تابع بنا دیا گیا اور ابلیس کو نفس و ہوا کے تابع بنا دیا گیا۔ فرشتہ عقل و روح کے ساتھ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان دونوں کی الہام و توفیق سے مدد فرماتا ہے۔

بعض کے نزدیک رُوح اللہ کی مخلوق ہے جس کا علم انسان پر پوشیدہ رکھا گیا ہے اور بعض کے نزدیک رُوح اللہ کے نور حیات میں سے نور حیات ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا اَرواح جسموں اور نفسوں کی موت سے مرجاتی ہیں یا نہیں۔ بعض کے نزدیک اَرواح فانی نہیں اور نہ ہی ان میں بوسیدگی آتی ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک رُوح انسان کی طرح ہاتھ پاؤں، آنکھ کان ناک اور زُبان رکھتی ہے اور بعض کے نزدیک مومن کی تین ارواح ہیں اور کافر و منافق کی ایک ہی رُوح ہے اور بعض کے نزدیک انبیائے کرام علیہما السلام اور صدیقین کی پانچ ارواح ہیں اور بعض کے نزدیک ارواح روحانیہ ہیں اور ملکوت سے پیدا ہوئیں اور جب صاف شدہ

شفاف ہوجاتی ہیں تو عالم ملکوت کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جو رُوح قبض کی جاتی ہے وہ ایک ہی ہے

ابن قیم کا عقیدہ :- اور اسی کو نفس کہتے ہیں اور جس رُوح سے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے دوستوں کی تائید فرماتا ہے وہ اور رُوح ہے۔ رُوحِ انسانی نہیں۔ قرآن شاہد ہے یعنی اللہ نے اپنی رُوح سے ان کی تائید فرمائی۔ اسی قسم کی وہ رُوح ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رُوح کو تائید بخشی گئی۔ قرآن شاہد ہے یعنی جب ہم نے آپ کی رُوح سے تائید کی۔ اسی طرح وہ رُوح دوسری ہے جسے اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ بدن کے قویٰ کو بھی ارواح کہہ دیتے ہیں جیسے رُوح باصرہ، روحِ شامہ، رُوح سامعہ وغیرہ۔ دراصل یہ ارواح بدن میں ودلیعت کی ہوئی قوتیں ہیں۔ جو بدن کی موت سے مرجاتی ہیں۔ ان سب سے ایک خاص معنی پر بھی رُوح کا اطلاق ہوتا ہے یعنی اللہ کی معرفت ومحبت توبہ وانابت اور اس کی رغبت وطلب پہ اس رُوح کی نسبت رُوح کی طرف ایسی ہے جیسے رُوح کی نسبت بدن کی طرف۔ جب اصل رُوح اس سے محروم ہوتی ہے تو وہ اس کے لیے بمنزلہ اس بدن کے ہوتی ہے جس کی رُوح مفقود ہو۔ یہ وہ رُوح ہے جس سے صاحب معرفت وطاعت کی تائید کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ فلاں میں رُوح ہے اور فلاں میں روح نہیں ہے وہ عقل مند نہیں ہے۔

یاد رہے کہ علم کی بھی رُوح ہے اور توکل وصدق کی بھی رُوح ہے اور ان ارواح کے اعتبار سے لوگوں میں مراتب کے لحاظ سے بڑے بڑے فرق ہیں۔ بعض پر یہ ارواح غالب ہوتی ہیں اور انھیں روحانی بنا دیتی ہیں اور بعض ان سب سے یا اکثر سے محروم ہوتے ہیں اور سفلی بہیمی بن جاتے ہیں۔ اور اللہ ہی بہتر مددگار ہے۔

باب بست ودوم

تعینِ نفس

سوال ۱: کیا نفس ایک ہے یا تین ہیں۔ اسے مفصل طور پر بیان کیجئے؟

جواب: بکثرت اصحاب کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے تین نفس ہیں

۱۔ پہلا نفس۔ نفسِ مطمئنہ ہے۔

۲۔ دوسرا نفس۔ نفس امّارہ ہے۔

۳۔ تیسرا نفس۔ نفس لوّامہ ہے۔

پھر کسی پر کوئی نفس غالب ہوتا ہے اور کسی پر کوئی نفس غالب ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اے نفس مطمئنہ مجھے نفس لوّامہ کی قسم۔ واقعی نفس امارہ ہے اور برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ لیکن حقیقت میں نفس تو ایک ہی ہے مگر اس کے صفاتی طور پر تین نام ہیں۔ مطمئنہ اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے رب کی عبادت و محبت، توبہ و انابت اور توکل و رضا سے مطمئن ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی رضا و محبت اور خوف و رجا کی علامت غیر کی محبت اور رضا اور خوف و رجا سے قطع نظر کر لینا ہے کہ انسان اپنے پروردگار کی محبت میں مجذوب کر دوسروں کی محبت سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اس کی یاد میں کھو کر

دوسروں کو یاد نہ کرے۔ اور اس کے میل ملاقات میں گم ہو کر اغیار کے میل جول کا شوق کھو دے۔ حقیقت میں اطمینان اللہ کی جانب سے قلبِ انسانی میں اترتا ہے جو اسے معرفت خداوندی پر جما دیتا ہے۔ اور بھاگے ہوئے دل کو اللہ کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ گویا اب وہ اپنے پروردگار کے روبرو بیٹھا ہے۔ اسی کے ذریعہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ چھوڑتا اور پکڑتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ حرکت کرتا ہے۔ یہ اطمینان اس کے قلب اور اس کے نفس میں اس کے اعضاؤں اور اس کی رگوں اور اس کی ظاہری اور اس کی باطنی قوتوں میں سرایت کر جاتا ہے جو اس کی روح کو اللہ کی طرف جذب کر لیتا ہے۔ اور اس کے جوڑ جوڑ کو اس کی خدمات اور تقرب کی سعادت پر تیار کر دیتا ہے۔

اطمینانِ قلبی کا حصول: اطمینانِ حقیقی اللہ سے اور اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ اہلِ ایمان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔ سن لیجئے کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ دل کا سکون اللہ ہی یاد ہے کہ اس سے اضطراب و قلق اور ملال دور ہو جاتے۔ یہ اللہ کے سوا اور اللہ کی یاد کے سوا کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے دل کا مطمئن ہونا اور اس پر بھروسہ کرنا دھوکا اور عجز ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جو اس کے سوا کسی اور سے سکون پکڑے گا اسے مزید بے چینی اور بے کلی حاصل ہوگی خواہ وہ کوئی ہو۔ بلکہ اگر کوئی اپنے علم، حال اور عمل پر مطمئن ہو۔ تو اللہ اس سے وہ نعمت زائل فرما دے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے دل آلام و مصائب کے تیروں کے ہدف بنا دیئے ہیں تاکہ اس کے دوستوں کو معلوم ہو جائے کہ غیر سے تعلقات بڑھانے والا پھلتا پھولتا نہیں۔ اور اس کی امیدیں کبھی پوری نہیں ہوتیں۔ حقیقی سکون یہ ہے کہ اللہ نے اپنے ناموں اور

Marfat.com

صفات کے بارے میں اپنی مقدس کتاب میں جو کچھ بتایا اس کے رسولانِ عظام علیہما السلام نے جو کچھ بتایا بندہ اس کے رُوبرو اپنا سر جھکا دے اور بغیر کسی چون وچرا کے تسلیم کرلے اور اس سے اس کے دل میں خنک پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اس سے اس کے رسولانِ عظام علیہما السلام کی زبانی معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے۔ دلوں میں ساویانہ ایک ہیجان اور قلق رہتا ہے۔ جب تک انسان اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم کے صفات اور اسمائے مبارکہ پر اس کی توحید پر' استوائے عرش پر اور اس کے کلام پر ایمان کے ساتھ دل کی خوشی محسوس نہ کرے یہ قلب تشنہ کے لیے بمنزلہ صاف اور آبِ خنک کے ہے۔ گویا بندے نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا۔ جس طرح انبیائے کرام علیہما السلام نے اسے خبر دی تھی اور اب وہ روزِ روشن کی طرح صاف اور واضح ہے۔ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر ایک طرف ہو تو واللہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والثناء کی خبر ہی درست ہوگی۔ گویا دنیا کے تجربات ومشاہدات اسے صحیح نہیں بتاتے ہوں گے۔ دنیا کی مخالفت اولیاء اللہ کے دلی سکون میں ذرا سا بھی خرابی نہیں ڈال سکے گی۔ یہ اطمینان کا درجۂ اوّل ہے۔ پھر یہ اطمینان بڑھتا ہی رہے گا۔ جوں جوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کی آیات کانوں میں پڑتی رہیں گی آگے اطمینان کے بے شمار درجات ہیں۔ یہ اطمینان ایمان کی جڑوں کی جڑ ہے۔ جس پر ایمان کی عمارت اٹھائی گئی ہے۔ پھر انسان عالم برزخ کی خبروں اور زندگی بعد الموت کے حالات سے مطمئن ہو جاتا ہے گویا وہ ان سب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔

یہی یقین کی حقیقت ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے

یقین کیا ہے؟ ایمان والوں کی صفت بیان فرمائی فرمایا وہ آخرت پر

یقین رکھتے ہیں۔ لہٰذا آخرت پر ایمان حاصل نہیں ہو سکتا جب تک دل ان تمام باتوں سے مطمئن نہ ہو جن کی انبیائے کرام علیہما السلام نے خبر دی ہے اور دل اطمینان سے یقین کے درجہ تک نہ پہنچے۔ حقیقت میں ایسے شخص کا آخرت پر یقین صادق ہے۔

دل کی روشنی: ایک مرتبہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا یا رسول اللہ! میں مومن ہوں۔ پوچھا ہر سچی بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟ عرض کیا میں نے اپنا دل دنیا اور اہل سے ہٹا لیا ہے۔ گویا میں اپنے پروردگار کے عرش کو ارفع دیکھ رہا ہوں اور اہلِ بہشت کو ملتا جلتا ہوا اور اہلِ دوزخ پر عذاب ہوتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا اللہ نے اس بندے کے قلب کو روشن کر دیا۔

اطمینان کی اقسام: اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ کمالیہ پر دلی سکون کی دو صورتیں ہیں۔ ان پر ایمان و اعتقاد پختہ ہو اور ان کے تقاضوں پر جو آثارِ عبودیت ہیں اطمینان قلبی ہو۔ مثلاً تقدیر کا یقین اور اعتقاد ہو۔ اور تقدیر کے تقاضوں پر جن کے ہٹانے کا بندوں کو حکم نہیں اور نہ ہٹانا ان کے بس کی بات ہے۔ انسان راضی ہو جائے ان کے آگے سر کو جھکا دے ہاتھ سے نکل جانے والی نعمت پر افسوس نہ کرے اور موجودہ نعمت پر اترائے نہیں کیونکہ مصیبت آنے سے پہلے بلکہ پیدا ہونے سے بھی پہلے مقدر میں تھی فرمایا جو دنیا میں مصیبت آتی ہے اور خاص طور پر تمہاری جانوں پر، وہ جانیں پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت آسان بات ہے تاکہ تم فوت ہونے والی نعمت پر رنج نہ کرو اور موجودہ نعمت پر اتراؤ نہیں۔ فرمایا جو مصیبت آتی ہے اللہ ہی کے حکم سے آتی ہے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے گا اللہ اس کے دل کو ہدایت فرمائے گا۔ ان آیات کی تفسیر میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اطمینان والی رُوح تصدیق کرنے والی رُوح ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ مومن جس کا دل اللہ کے وعدوں پر مطمئن ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ رُوح جس نے اللہ کے رب ہونے کا یقین کر لیا اور اللہ کے حکم کے آگے جھک گئی۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ وہ رُوح جو اللہ کی باتوں کی تصدیق کرتی ہے۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کے تعمیل و احکام و اطاعت سے اس میں خنک پیدا ہو گئی۔

حضرت ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ اللہ کے آگے جھکی ہوئی اور اللہ کی ملاقات پر یقین والی روح۔

معلوم ہوا کہ نفس مطمئنہ کے سلسلے میں سلف کا کلام انھیں دو الحاصل الکلام: واصلوں کی طرف لوٹتا ہے کہ علم و ایمان سے اطمینان ہو اور ارادہ اور عمل سے بھی اطمینان ہو۔

پھر جب شک سے یقین کی طرف سے، جہالت سے علم کی طرف، غفلت سے ذکر کی طرف سے گناہوں سے توبہ کی طرف ریا سے خلوص کی طرف، جھوٹ سے سچ کی طرف سستی سے چستی کی طرف، غرور سے عاجزی کی طرف، اکڑ سے فروتنی کی طرف اور بے عملی سے عمل کی طرف آ کر اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو روح کو سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کی جڑ بیداری ہے اور یہ حسنات کی بنیاد بھی ہے۔ کیونکہ جسے آنے والی زندگی کی فکر نہیں اور اللہ کی ملاقات سے بے خبری ہے وہ بمنزلہ سونے والے

کے ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ مجبوراً آدمی اللہ تعالیٰ ، وعدوں اور ڈراووں سے
اور رب کے احکام اور ممانعتوں کے تقاضوں سے خوب آگاہ ہے۔ لیکن ادراک
حقائق سے اور انہیں عملی جامہ پہنانے سے دل کی اونگھ مانع ہے اور ایک نہ ختم
ہونے والی غفلت کی نیند میں گرفتار ہے اور خواہشات کی بھول بھلیوں میں پھنسا
ہوتا ہے۔ اور دن بدن غفلت وخواہش بڑھتی جاتی ہے۔ اور اپنی بدعادات اور
گمراہوں کی بری صحبتیں اس پر غالب آتی رہتی ہیں۔ اور وقت ضائع کرنے والوں
میں شامل ہی رہتا ہے۔ تاکہ دوسرے سونے والوں کی طرح اور دیگر مخموروں کی
طرح خود بھی سوتا ہوا اور مخمور رہے۔ پھر جب کسی حقانی ڈانٹ سے یہ غفلت کی اونگھ
دل سے دور ہوتی ہے تو اس واعظ کی جو ہر مومن کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ ڈانٹ
سے چونک کر اس کی دعوت پر لبیک کہتا ہے۔ اور اس واعظ کی پیدا کردہ ہمت
سے فکر کا پھاوڑا اٹھا کر تکبیر کا نعرہ بلند کر کے غفلت پر مارتا ہے جس سے ایسا
نور پیدا ہوتا ہے جس سے اس کی آنکھوں کے سامنے جنت کے محل آجاتے ہیں۔

لہٰذا اس غور وفکر نے ایسا نور پیدا کیا کہ اسے اس کی روشنی میں وہ تمام
چیزیں نظر آگئیں جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ بھی جن سے اسے موت
کے بعد سے لے کر دار القرار تک واسطہ پڑنے والا ہے۔ اور اس نے آنکھوں سے
دیکھ لیا کہ پلک جھپکنے میں دنیا ختم ہو جاتی ہے۔ کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتی۔ اپنے
طالب کو قتل کر ڈالتی ہے۔ اور ان کے اعضاء کاٹ کر انہیں مثلہ بنا کر پھینک
دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اس روشنی میں چونک کر عزم کے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور
حسرت سے کہنے لگتا ہے ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تبارک
وتعالیٰ کے حضور میں کی پھر باقی بیش قیمت زندگی میں اپنے نقصان کی تلافی پر
چل جاتا ہے کہ آخرت کے جذبے کو جسے مار چکا تھا زندہ کر سکے۔ اور زندگی کے

باقی اوقات کو غنیمت جان کر جو کچھ دوڑ دھوپ کی جا سکے کر لے۔ ورنہ اگر خدانہ کرے یہ وقت بھی ہاتھ سے نکل جائے تو ندامت کے سوا اور کیا کچھ رہ جائے۔ پھر اس بیداری کی روشنی میں اسے اپنے پروردگار کی نعمتوں کی اور اپنے اُوپر ریل پیل دکھائی دیتی ہے کہ نطفے سے لے کر اب تک شب و روز کی نعمتوں میں پرورش پا تا رہا ہے۔ اگر ان نعمتوں کو شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا۔ ایک معمولی سی نعمت سانس کی نعمت ہے جو روزانہ چوبیس ہزار بار آتی جاتی ہے۔ اور نعمتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ پھر وہ اسی روشنی میں دیکھتا ہے وہ نہ ہی نعمت الیہ کا شمار کر سکتا ہے۔ اور اگر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی تمام نعمتوں کے حقوق کا مطالبہ کرے تو وہ ایک نعمت کا بھی حق نہیں ادا کر سکتا۔ اب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ رحیم و کریم کے فضل و کرم کے سوا اور عفو و درگذر کے بجز نجات نہیں ہو سکتی پھر اسی بیداری کی روشنی میں دیکھتا ہے کہ اگر وہ سب کے سب جنات اور سب کے سب انسانوں کے اعمال پر بھی قادر ہو تو وہ بھی اللہ کی عظمت و جلال کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔ یہ بھی جبکہ عمل خود اس کی طرف سے ہوں۔ حالانکہ عمل بھی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق سے ہیں کہ اس نے ان کے اسباب فراہم کر کے انھیں آسان بنا دیا۔ اگر اس کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو ایک عمل بھی سرزد نہ ہوتا۔ اس روشنی میں اسے یہ بھی نظر آتا ہے کہ اعمال بھی میری طرف سے نہیں بلکہ اللہ رحیم و کریم کی طرف سے ہیں اور اللہ رحیم و کریم ایسے اعمال کو قبول نہیں فرماتا جن میں بندوں کا یہ خیال ہو کہ یہ ہماری طرف سے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس کی طرف سے تو بُرائی اور بُرائی کے اسباب ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ سعادت اللہ ہی کی جانب سے ہے کہ اللہ رحیم و کریم نے بغیر کسی معاوضے کے اپنی مہربانی سے بخش دی ہیں۔ اب اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ پروردگار اور میرے کام کرنے والا معبودِ حقیقی اکرم

کی بھلائی کا مستحق ہے۔ اور میرا نفس ہر برائی کی جڑ ہے۔ یہی فکر تمام صالح اعمال کی جڑ ہے اور یہی صاحب فکر کو اصحاب یمین کے مقام تک بلند کرتا ہے۔

اچھائی اور برائی کا مشاہدہ:۔ پھر اس بیداری کی روشنی میں اس کے لیے ایک اور بجلی چمکتی ہے جس کی روشنی میں اسے اپنی برائیاں، اپنے اعمال کی خرابیاں، اپنے جرائم اور اپنے گناہ کہ کس کس طرح میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حرمتوں کے پردے پھاڑے اور کیسی کیسی حق تلفیاں کیں نظر آتے ہیں۔ پھر جب ان گناہوں کا مقابلہ اللہ کی نعمتوں سے کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ منعم اعظم کے حق نے اس کی ایک نیکی بھی نہیں چھوڑی جس سے اپنا سر افتخار بلند کر سکے۔ اس طرح اس کے دل کو سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ اس میں فروتنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے اعضاء جھک جاتے ہیں اور اللہ کی طرف سر جھکا کر اس حال میں پڑھتا ہے کہ ایک طرف تو اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور دوسری طرف اپنے جرائم اور عیوب کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پروردگار تیری نعمتوں کا مشاہدہ کر کے اور اپنے گناہ دیکھ کر میں توبہ کرتا ہوں میری مغفرت فرما دیجئے۔ تو ہی گناہوں کا معاف کرنے والا ہے۔ میں کوئی نیکی نہیں رکھتا۔ اور نیکی کا مقتدار نہیں ہوں۔ ہاں تیری رحمت کا امیدوار اور معافی کا طلب گار ہوں اس خیال سے اسے دو بیش قدر فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ نعمت خداوندی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور اطاعت الٰہی پر جم جاتا ہے۔ پھر ایک اور کرن روشن ہو جاتی ہے جس کی روشنی میں اسے اپنے وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہی اس کی زندگی کا سرمایہ ہے اس لیے پروردگار عالم کی اطاعت کے کاموں کے سوا اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے ضائع کرنے میں حسرت اور ندامت اور خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اور اسے طاعت سے آباد رکھنے میں خیر و سعاد

اور نفع ہی نفع ہے۔ لہٰذا اپنی عمرِ عزیز کا ایک لمحہ بھی ایسے کاموں پر ضائع نہیں کرتا جو آخرت میں کام آئے۔ پھر وہ اسی روشنی میں بیداری کے محرکات دیکھتا ہے۔ یعنی توبہ کرتا ہے۔ روزانہ نفس سے حساب لیتا ہے کہ آج کی تجارت میں کیا کھویا اور کیا پایا اور ہر وقت ہوشیار رہتا ہے۔ اس کی غیرت پروردگارِ عالم کی نافرمانی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسے شرم آتی ہے کہ غیر اللہ کو اللہ پر ترجیح دے اور اللہ کی رضا اور قرب و کرامت سے اسے جو حصہ ملا ہے اسے دنیا کی کھوٹی پونجی سے بیچ دے اور اپنی گردن کا مالک کسی معشوق کو یا خیال کو بنالے۔ یہ تمام بیداری کے آثار و اسباب ہیں اور یہی نفس مطمئنہ کی ابتدائی منازل ہیں جہاں سے اس کا اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف اور منزلِ آخرت کی طرف سفر شروع ہوتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نفسِ لوامہ کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ اس کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک نفسِ لوامہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ یہ لفظ تلوم سے لیا گیا ہے جس کے معنی تردد کے ہیں۔

نفس لوامہ بھی رب تعالیٰ ایک بہت بڑی نشانی ہے

نفس لوامہ کیا ہے؟ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ ہر ساعت نئے نئے رنگ بدلتا ہے، کبھی ذکرِ الٰہی کرتا ہے اور کبھی غافل ہو جاتا ہے۔ کبھی لطیف بن جاتا ہے اور کبھی کثیف بن جاتا ہے۔ کبھی اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور کبھی پتھر بن جاتا ہے۔ کبھی حسنات کو پسند کرتا ہے اور کبھی حسنات کو ناپسند کرتا ہے۔ کبھی ان سے خوش ہوتا ہے اور کبھی ان سے ناراض ہوتا ہے۔ کبھی صالح عمل بجا لاتا ہے اور کبھی بُرے اعمال کرتا ہے۔ الغرض ہر ہر ساعت ہزاروں رنگ تبدیل کرتا رہتا ہے۔ بعض کے نزدیک لوم سے لیا گیا ہے۔ پھر

اس میں اختلاف ہے کہ نفس لوامہ کس کا نفس ہے؟ بعض کے نزدیک مومن کا نفس ہے اور ملامت اس کی محمودہ صفات میں سے ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ مومن ہر وقت اپنے نفس پر ملامت کرتا رہتا ہے کہ فلاں کام سے کیا مقصد تھا اور فلاں کام کیوں کیا۔ اس سے تو فلاں کام اچھا تھا اسے کیوں نہ کیا۔ اور بعض کے نزدیک نفس لوامہ مومن کا نفس ہے جو مومن کو معصیت میں پھنسا دیتا ہے اور پھر اس پر ملامت کرتا ہے۔ یہ ملامت ایمان ہی کی دلیل ہے۔ کیونکہ شقی کا نفس معصیت پر ملامت نہیں کرتا بلکہ گناہ نہ کرنے پر باہم ملامت کرتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک نفس لوامہ دونوں کا نفس ہے۔ مومن کا ارتکاب گناہ اور ترک طاعت پر ملامت کرتا ہے اور کافر ترک خواہشات اور لذات پر ملامت کرتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ ملامت قیامت کے روز سامنے آئے گی۔ ہر شخص اپنے اپنے نفس پر ملامت کرے گا بُرا ہے تو بُرائی پر اور اگر صالح ہے تو کوتاہی اعمال پر ملامت کرے گا۔

یہ سب کے سب اقوال درست ہیں ان سب میں کوئی تصادم نہیں۔ کیونکہ نفس ان سب باتوں سے متصف ہے اور اسی لیے اسے لوامہ کہا گیا ہے۔

لوامہ دو اقسام میں منقسم ہے:۔

اقسام لوامہ:۔ لوامہ ملومۃ — لوامہ غیر ملومۃ

۱۔ لوامہ ملومۃ جاہل و ظالم نفس جسے اللہ اور اس کے فرشتے غیرت دلائیں گے۔

۲۔ لوامہ غیر ملومہ:۔ یہ وہ نفس ہے جو اپنے جسم کو مساوی اعمال کی کوتاہی پر غیرت دلاتا رہتا ہے۔ حالانکہ مقدور بھر وہ نیکیوں میں سعی کرتا رہتا ہے۔

افضل نفس:۔ سب سے افضل نفس وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کی کوتاہی پر خود کو جھنجھلا رہتا ہے اور رضائے الٰہی کے کاموں میں بُرا کہنے والوں کی بُرائیاں سہتا رہتا ہے۔ اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ بلا شبہ یہ اللہ کی ملامت

سے خلاصی حاصل کرے گا۔ لیکن جس کا نفس اپنے اعمال سے راضی ہو اور کوتاہی پر سرزنش نہ کرے اور دوسروں کی نکتہ چینی سے گھبرائے وہ اللہ کی ملامت سے خلاصی نہیں پائے گا۔

نفس امارہ کیا ہے؟ یاد رہے کہ نفس امارہ بہت بڑا نفس ہے کیونکہ یہ ہر برائی پر ابھارتا ہے۔ یہ اس کی طبیعت کا تقاضا ہے مگر جسے اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور ثابت قدم رکھے اور امداد فرمائے۔ کیونکہ کوئی اپنے نفس کی برائی سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی توفیق کے بغیر اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عزیز علیہ السلام کی بیوی کی طرف سے نقل کر کے فرمایا میں اپنے نفس کو بری نہیں سمجھتی واقعی نفس برائی کی طرف بہت ہی ابھارتا ہے مگر جس پر میرا پروردگار رحم فرمائے۔ پھر فرمایا اگر تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا۔ اللہ رحیم و کریم نے اپنے سب سے زیادہ عزیز اور صاحب عظمت بندے کے حق میں فرمایا کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔

خطبۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات۔ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خطبہ مبارکہ کے آخری الفاظ یہ تھے:۔

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم اللہ کی ہی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے استعانت کرتے ہیں۔ اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

شر کیا ہے؟ شر نفس کے اندر چھپا ہوا ہے جو اعمالِ بد پر راغب کرتا ہے

گر اللہ تبارک و تعالیٰ بندے کو اس کے نفس پر چھوڑ دے تو بندہ اُس کے شر سے اور اعمالِ بد سے ہلاک ہو جائے اور اگر اُسے توفیق دے اور اس کی امداد کرے تو خلاصی حاصل کر لے۔ آیئے ہم بھی اپنے معبود حقیقی سے دُعا کریں کہ اے پروردگار ہمیں ہمارے نفوس کی شرارتوں سے اور اعمالِ بد سے محفوظ فرما۔ آمین۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نفس امارہ اور نفس لوامہ سے لوگوں کو آزماتا ہے۔ جیسے نفس مطمئنہ سے عزت افزائی فرماتا ہے۔ نفس ایک ہی ہے پہلے نفس امارہ ہے اور پھر نفس لوامہ ہے اور پھر نفس مطمئنہ ہے۔ اور یہ اطمینان اس کا انتہائی کمال اور سنوار ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نفس مطمئنہ کی بکثرت لشکروں سے تائید فرماتا ہے۔ اس نے اس کا ساتھی ایک فرشتے کو بنا دیا ہے جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اسے مددگار کہتا ہے۔ اس میں حق پھونکتا رہتا ہے اور حق کی رغبت دلاتا رہتا ہے اور اس کی خوبصورت صورت دکھاتا رہتا ہے اور باطل پر سرزنش کرتا رہتا ہے۔ اس سے متنفر کرتا رہتا ہے اور اس کی گھناؤنی اور بُری صورت دکھاتا رہتا ہے۔ اور تلاوت قرآن مجید، ذکر اذکار اور نیک اعمال پر امداد کرتا رہتا ہے۔ اور ہر جانب سے نیکیوں کے وفد اور توفیق کے سپاہی اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔ اور انھیں قبول کرنے اور شکر الٰہی بجا لانے سے اس کی مدد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اب وہ نفس امارہ سے حوصلہ کے ساتھ جنگ کر سکتا ہے۔ اس کے لشکروں اور ملک کا سلطان ایمان اور یقین ہے اور تمام اسلامی لشکر اس کے جھنڈے کے نیچے ہے اور اس کی جانب دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ جما رہا تو لشکر بھی جما رہے گا ورنہ بھاگ جائے گا۔ پھر اس لشکر کے سپہ سالار اور مقدمۃ الجیش ایمان کی شاخیں ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، وعظ و نصیحت اور عوام کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک وغیرہ اور اس کی اندرونی جڑیں جن کا تعلق دل سے ہے۔

حسنات و برکات کے عجائبات:- صبر، بردباری، فروتنی، مسکینی، اخلاص، توکل، انابت، توبہ، محاسبہ دل میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت اللہ کے احکام اور حقوق کی عظمت کے لیے اور اللہ کے دین میں غیرت، بہادری، پاک دامنی سچائی اور شفقت و رحمت ہیں اور ان سب کا سر صدق و اخلاص ہے۔ مخلص و صادق اس سیدھی راہ پر چلنے سے نہیں تھکتا۔ اور پھونک پھونک کر قدم اُٹھاتا ہے۔ لیکن شیطان غیر صادق اور مخلص سے یہ سیدھی راہ چھڑا دیتے ہیں اور وہ حیران و سرگردان رہ جاتا ہے خواہ عمل کرے یا نہ کرے بلکہ اس کے عمل بھی مددری کا سبب بنتے ہیں۔ بہرحال جو اللہ کی مدد سے اللہ کے لیے قدم اُٹھاتا ہے وہ نفس مطمئنہ کے لشکریوں سے ہے۔

باطل حکمات:- یاد رہے کہ نفس امارہ کا ساتھی شیطان ہوتا ہے جو اس سے جھوٹے وعدے کرتا ہے۔ نہ پوری ہونے والی اُمیدیں دلاتا رہتا ہے۔ اسے باطل میں جو نکتا رہتا ہے، برائیوں پر اُبھارتا رہتا ہے اور برائیوں کو خوب شکل و صورت میں دکھاتا رہتا ہے۔ بڑی بڑی اُمیدیں دلاتا ہے اور باطل ایسی صورتوں میں دکھاتا ہے کہ اسے بغیر تامل کے قبول کرے اور اس کی طرف مائل ہو جائے اور طرح طرح سے فریب دیتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر جھوٹی آرزوئیں دل میں ڈال دیتا ہے مہلک خواہشات میں پھنسا دیتا ہے۔ جن میں خواہش اور ارادے استعانت کرتے ہیں۔ اسی اساس پر ہر بُری بات کی راہ کھل جاتی ہے۔ خواہش و ارادے سے بہتر شیطان کا کوئی مددگار نہیں۔ پھر اس کے بھائی انسانی شیطانوں کو بھی معلوم ہے کہ منع کردہ چیزوں میں لسے حد نکلنے پر خواہشات سے بہتر کوئی مددگار نہیں۔ آخر وہ اس کی محبوب و مرغوب

چیز کو ڈھونڈ نکالتے ہیں اور سعی جمیلہ سے اسے اس کے طلب کرنے پر آمادہ کرتے ہیں اور اسے گمراہ کر دیتے ہیں۔ پھر جب نفس خواہشات کا دروازہ کھول دیتا ہے تو وہ اس دروازے سے اندر داخل ہو کر خوب فساد برپا کرتے ہیں اور قتل و غارت کا بازار گرم کرتے ہیں۔ جیسے دشمن، دشمن کے شہر فتح کر کے ان میں لوٹ مار مچاتے ہیں اسی طرح یہ بھی ایمان کے، تلاوت کتاب مبین کے اور ذکر و نماز کے نشانات کو ڈھاتے ہیں۔ مساجد آباد کر کے گرجوں اور آتش کدوں کو آباد کرتے ہیں اور شراب خانوں اور قمار خانوں میں جا گھستے ہیں۔ بادشاہ کو گرفتار کر کے اس کا ملک چھین لیتے ہیں اور اسے اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت سے ہٹا کر رنڈیوں میں اور بتوں کی پوجا میں لگا دیتے ہیں۔ اور طاعت کی عزت سے نکال کر گناہوں کی دلدل میں پھنسا دیتے ہیں اور رحمانی کی آواز نہیں سنتے بلکہ شیطانی کی آواز سنتے ہیں اور لقائے خداوندی کی توقع قدر کر کے شیطانی بجائیوں سے ملنے کی رغبت پیدا کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حقوق کی نگرانی کیا کرتا تھا وہ سُور چراتا ہے اور جسے عزیز و رحمٰن کی خدمت کا اعزاز حاصل تھا آج وہ رجیم شیطان کی خدمت کے لیے مستعد ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

الغرض نفس مطمئنہ کا ساتھی فرشتہ ہے اور نفس

نفس امارہ کی ہمراہی:۔ امارہ کا ساتھی ابلیس ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے انسان پر شیطان بھی اترتا ہے اور فرشتہ بھی اترتا ہے شیطانی خیالات تو برائی پر اور حق کو جھٹلانے پر ابھارتے ہیں۔ اور نیک خیالات بھلائی پر اور تصدیق حق پر ابھارتے ہیں۔ پھر جس کے دل میں نیک خیالات آئیں اسے شکر الٰہی ادا کرنا چاہیے۔ اور یقین کر لینا چاہیے کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور دوسری صورت میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔ پھر آپ

نے آیۂ شریفہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ شیطان ایک طرف تو تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور دوسری طرف تمہیں بے حیائی پر آمادہ کرتا ہے۔ پڑھ کر سنائی۔ فرشتہ اور ایمانی لشکر تو نفس مطمئنہ سے توحید، احسان، صبر و توکل، توبہ و رجوع، نیکی و تقویٰ، اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت، توجہ اور موت و زندگی موت کے بعد کی تیاریوں کا تقاضا کرتے ہیں اور شیطان اور شیطانی لشکر نفس امارہ سے برعکس کام چاہتے ہیں۔

تسلط شیطانی: یاد رہے کہ ہر اُس چیز پر شیطان مسلط کر دیا ہے جو اللہ کے لیے نہ ہو۔ جس سے رضائے الٰہی اور طاعت مطلوب نہ ہو اور جس کے حصے کر دیئے گئے ہوں۔ اور شیطان نفس امارہ کو اُن پر نائب بنانا چاہتا ہے تاکہ نفس آمارہ قوی ہو جائے۔ اس لیے نفس مطمئنہ سے عمل چھیننے کا انتہائی خواہش مند رہتا ہے۔

نفس مطمئنہ: نفس مطمئنہ پر یہ بات سخت دشوار ہے کہ شیطان اور نفس امارہ سے عمل محفوظ رکھ سکے۔ اور عمل جوں کا توں بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جائے۔ اگر ایک عمل بھی جوں کا توں بارگاہِ خداوندی تک پہنچ جائے تو نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ لیکن شیطان اور نفس امارہ ایک عمل کو بھی خالص اللہ تک پہنچنے نہیں دیتے۔

کسی عارف باللہ کا قول ہے کہ:

"اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرا ایک ہی عمل جوں کا توں بارگاہِ خداوندی تک پہنچ گیا ہے تو مجھے موت سے اس مسافر سے بھی زیادہ خوشی ہو جو دور دراز سفر کے بعد اپنے گھر واپس آتا ہے۔

حضرت ابنِ عمر کا قول: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ رحیم و کریم نے مجھ سے

ایک ہی سجدہ قبول کر لیا تو مجھے موت سے زیادہ کوئی پیارا نہ ہوگا۔ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ اہلِ تقویٰ کے عمل قبول کرتا ہے۔

نفس امارہ نفس مطمئنہ

نفس مطمئنہ اور نفس امارہ کی حقیقت کا انکشاف:

۔ کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑا ہے۔ اگر نفس مطمئنہ کوئی نیکی کرتا ہے تو نفس امارہ بھی اس کی ریس کرتا ہے اور اس کے مقابلہ پر برائی کرتا ہے کہ اس کی نیکی برباد کر دے۔ اگر وہ ایمان اور توحید لاتا ہے تو یہ شک اور نفاق اور شرک اور ماسوی اللہ محبت اور غیر خدا سے خوف و رجا لے آتا ہے۔ اور جب تک یہ غیر خدا کی محبت اور خوف کو محبتِ الٰہی اور خوفِ الٰہی وغیرہ پر مقدم نہیں کر دیتا سکون سے نہیں بیٹھتا۔ عوام کا یہی حال ہے۔ جب کوئی خاص اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل پیش کرتا ہے تو یہ لوگوں کے خیالات اور اقوال کو وحی پر مقدم کیے بغیر نہیں رہتے۔ اور ایسے گمراہ کن وساوس ڈالتے ہیں جن سے کمال اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں خرابی پیدا ہو۔ سنت کو تمام حالات میں پنج نہ بنایا جائے اور لوگوں کے خیالات کی طرف کچھ نہ کچھ رجحان ہو جائے۔ لہٰذا ان دونوں میں سلسلۂ جنگ جاری رہتا ہے۔ فاتح وہی ہوتا ہے جسے نصرتِ خداوندی نصیب ہوتی ہے۔ جب وہ اِخلاص، توکل، صدق اور محاسبۂ نفس اور توبہ و انابت لاتا ہے تو یہ ان کے اُلٹ عمل لاتا ہے اور انھیں بہت سے سانچوں میں لاتا ہے اور یقین دلانے کے لیے اللہ کی قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ میرا مقصد صرف ہمدردی اور صلح کلی ہے۔ حالانکہ سراسر کذاب ہوتا ہے کیونکہ اس کا مقصد صرف اپنا کام سیدھا کرنا ہے اور دائرہ اتباع سے اور سنت کو پنج بنانے سے ہٹا کر اپنی خواہشات کو بروئے کار لاتا ہوتا ہے۔ واللہ دائرہ اتباع سنت سے نکلنا خواہش اور رائے کے قیدخانے میں پھنس جانا اور

تنگی اور تاریکی اور وحشت میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ پس نفسِ امارہ دنیا میں قید ہے برزخ میں بھی تنگ جگہ قید رہے گا اور محشر کے روز تاریک جگہ میں بند ہوگا۔

حیران کن بات :۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ نفسِ امارہ دل اور دماغ کو ماؤف بنا دیتا ہے اور جو کام بہت ہی اچھے ہیں انھیں بُری اشکال میں پیش کرتا ہے۔ عوام عقل کے لحاظ سے تو کچے ہوتے ہیں اور جن باتوں کے عادی ہوتے ہیں اور ان سے مانوس ہوتے ہیں۔ اور انھیں چھوڑنا برداشت نہیں کرتے۔ توجہ کیجئے کہ یہ نفسِ امارہ خالص توحید کو جو مہر و ماہ سے بھی زیادہ تاباں ہے ناقص اور مکروہ صورت میں دکھلاتا ہے کہ اس سے تو اکابر کے مراتب میں امتیاز رونما ہوتا ہے کہ انھیں ان کے مقام سے گرا کر صرف عبودیت کے مقام پر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ ذلت و گداگری اور احتیاج کے گڑھے میں دھکیل دیا جاتا ہے کہ انھیں نہ ہی کوئی اختیار ہے اور نہ ہی ان کا ارادہ کسی شے میں کارفرما ہے اور نہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اجازت کے سوا سفارش کر سکتے ہیں۔ یہ جادوگر نفس ان باتوں کو اکابر کی انتہائی تنقیص بنا کر دکھاتا ہے کہ یہ ان کی حق تلفی ہے ان کو ان کے مراتب سے گرا دینا ہے، انھیں مسکین و فقیر بنا دینا ہے اور ان کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ ایسی چکنی چپڑی باتوں میں آکر عوام خالص توحید سے بیزار ہو کر رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ واہ انھوں نے سب کے سب معبودوں کو ختم کر کے صرف ایک ہی معبود کا دامن تھاما ہوا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ اسی طرح خالص اتباعِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھونڈے میں پیش کرتا ہے کہ دلو تم تو اہلِ علم کا مرتبہ گھٹا رہے ہو۔ اماموں کی قیمتی آراء کو ٹھکرا رہے ہو۔ انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں تو رائے قائم کی ہو گی وہ ہم سے زیادہ معلومات والے تھے۔ ان کی بے ادبی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔ اکابر کے

اقوال کے سامنے بڑھ کر باتیں بناتے ہو۔ اہل علم کی شان میں بدگمانیاں کرتے ہو۔ بھلا ان سے کوئی درست بات بھی پوشیدہ رہ سکتی ہے۔ ہم کس طرح ان کی تردید کر سکتے ہیں۔ اور انھیں چھوڑ کر درست راہ کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی بدو غن قائم کی ہوئی باتوں سے عوام کو اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اور قرآن وسنت سے سخت نفرت ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اپنے رہنماؤں کی باتوں کو پختہ اور واجب الاتباع سمجھ لیتے ہیں۔ اور حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی احادیث مبارکہ کو ان کے اقوال کے مطابق بنانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ اگر موافق بن جاتی ہیں تو قبول کر لیتے ہیں ورنہ رد کر دیتے ہیں۔ یا دُور کی تاویل گھڑ لیتے ہیں۔ یا یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری فہم کی رسائی سے باہر ہیں اور نفس امارہ کھا کھا کر یقین دلاتا ہے کہ ہماری غرض صرف بھلائی اور صلح کلی ہے حالانکہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ ان کے دلوں میں کیا کھوٹ ہے۔

اسی طرح اخلاص کو قابل نفرت رنگ میں پیش کیا جاتا ہے

رضائے الٰہی: کہ اگر کوئی خالص رضائے الٰہی کے لیے عمل کرے گا۔ اور کسی کے لیے کوئی عمل بھی نہیں کرے گا تو لوگ اس سے کترائیں گے اور وہ لوگوں سے کترائے گا۔ اور باہمی دشمنی ہو جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ تھوڑے سے خالص عمل رضائے الٰہی کے لیے کرے جن کا تعلق لوگوں سے نہ ہو اور باقی زیادہ سے زیادہ عمل ماسوی اللہ کے لیے کرے۔ اسی طرح غیرت دینی کو اور اللہ کے دین اور حکم سے نکلنے والوں سے جہاد کو اس رنگ کو دکھاتا ہے تم مخلوق خدا کے دشمن بن کر انھیں ستاتے ہو اور ان سے لڑتے ہو۔ محنت شاقہ کرتے ہو۔ نکتہ چینیوں کے ہدف ملامت بنتے ہو اور بے جا لوگوں کی دشمنی سر لیتے ہو۔ اسی طرح جہاد سے متعلق سمجھاتا ہے کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ کیا غضب ڈھا رہے ہو۔ کیا یہ ظلم

نہیں کہ مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں کو گھروں میں ڈال لو اور ان کے بچوں کو غلام بنا کر ان کا مال لوٹ لو۔ اسی طرح صدقہ اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں کہتا ہے کہ ذرا سوچ سمجھ لیجیے کہ تم ایسے ہی خالی ہاتھ رہ جاؤ گے اور فقیر قلاش بن کر دوسرے لوگوں کی طرف دیکھو گے اور ٹکڑے ٹکڑے کو ترس جاؤ گے۔ اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ کی کمال صفات کے بارے میں کہتا ہے کہ ان سے تو مخلوقِ خدا سے مشابہت لازم آتی ہے اور اللہ کا ہم مثل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ یہ باطل ہے اور کمال صفات سے اللہ کے معطل کرنے کو اور بے دینی کو ایسی رنگینی سے پیش کرتا ہے کہ دیکھو عظمتِ الٰہیہ و تنزیہ اس صورت میں ہے کہ اسے تمثیل و تشبیہ سے بری سمجھا جائے اور اس کی پنڈلی، اس کا چہرہ، اس کا ہاتھ وغیرہ تسلیم نہ کیے جائیں۔

قول پر کمالیت کا اثر ابدی: کمال کی بات تو یہ ہے کہ جن اخلاق اور جن صفات اور جن افعال کو اللہ تبارک و تعالیٰ پسند فرماتا ہے نفس اس جیسی خوب صورتی کے ساتھ ان صفات ان اخلاق اور ان افعال کو لاتا ہے جو بارگاہِ خداوندی میں پسند نہیں ہیں۔ اور تمام کو گڈمڈ کر دیتا ہے۔ اس تلبیس ابلیس سے ارباب بصیرت ہی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ کیونکہ افعال ارادوں کے تابع ہوتے ہیں۔ اور ارکان کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ دونوں کام نفس ہی کرتا ہے۔ یہ ظاہری طور پر ملتے جلتے معلوم ہوتے ہیں لیکن حقائق میں منفرد ہیں۔

اعضاء کے افعال مرتبہ: مندرجہ افعال کے اعضاء پر غور کیجیے مدارات و مداہنت، خشوع ایمان و نفاق، خودداری اور غرور، حاجت اور ظلم، تواضع اور ذلت، دینی قوت اور حاکمانہ تسلط، غیرت دینی اور غیرتِ نفسانی، اللہ کے لیے غیظ و غضب اور نفس کے لیے غیظ و غضب

سخاوت اور اسراف، رعب اور بڑائی، آبرو کی حفاظت اور غرور، بہادری اور جرأت، دُور اندیشی اور بزدلی، درمیانہ روی اور بخل، پرہیز اور بدگمانی، فراست اور ظن، نصیحت اور غیبت، ہدیہ اور رشوت، صبر اور سنگدلی، معافی اور ذلت، دل کی سلامتی، غفلت اور نادانی، بھروسہ اور دھوکہ، رجا اور تمنا، اظہار نعمت اور فخر بہ نعمت، دل کی خوشی اور تراہٹ، دل نرمی اور بے صبری، ناراضگی اور کینہ، مقابلہ اور حسد، محبت ریاست اور امامت، اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے ساتھ محبت، عجز اور توکل، احتیاط اور وسوسہ، ملکی اور شیطانی الہام، وقار اور ٹالنا، اقتصاد اور تقصیر، اجتہاد اور غلو، نصیحت اور ملامت، سبقت اور جلدی اور بوقت ضرورت حالات کی اطلاع اور شکایت وغیرہ سے مذکورہ بالا فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفت جس کی صورت ایک ہی ہے اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی ہوتی ہے مثلاً غیرت، غرور، طمع، تحمل، خشوع، حسد، غبطہ، جرأت، افسوس کرنا، حرص، تنافس، فرح، حزن، اسف، غضب، اظہار نعمت، حلف، فروتنی، خاموشی، زہد، ورع، خلوت، عزلت، خودداری، حمیت اور غیبت۔

غیرت کا انکشاف: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک غیرت اللہ تبارک و تعالیٰ کو پسند ہے۔ اور ایک غیرت ناپسند ہے۔ پسند والی غیرت زنا کے سلسلے میں ہے اور ناپسند والی غیرت غیر زنا کے سلسلے میں ہے۔ ایک اکڑ کر چلنا اللہ کو پسند نہیں ہے اور ایک ناپسند، لڑائی میں اکڑ کر چلنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ دو اشیاء میں حسد ہے۔ کسی اللہ رحیم و کریم نے مال دیا ہو اور وہ اس مال کو شب و روز فی سبیل اللہ خرچ کرتا ہو۔ اور کسی کو اللہ رحیم و کریم نے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہو اور وہ اس سے دینی فیصلے کرتا ہو اور دوسروں کو فیصلے کرنے سکھاتا بھی ہو۔ ایک

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ رحیم و کریم مہربان ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی پر اتنا دیتا ہے جتنا سختی پر نہیں دیتا۔ فرمایا جسے نرمی میں حصہ ملا ہے اسے بھلائی میں حصہ ملا۔

الحاصل الکلام: معلوم ہوا کہ نرمی ایک عمدہ صفت ہے اسی سے ملتی جلتی صفت سستی اور کاہلی ہے جو بہت بری صفت ہے کیونکہ سست امکان مصلحت کے باوجود دیر لگاتا ہے اور نرم مزاج حتی المقدور مصلحت کے حاصل کرنے میں نرمی سے کام لیتا ہے۔ اسی طرح مدارات ایک اچھی صفت ہے اور مداہنت بہت بری صفت ہے۔ دونوں صفات میں فرق یہ ہے کہ مدارات کرنے والا اپنا حق نکلوانے کے لیے یا صراط مستقیم پر لانے کے لیے کسی سے اُنس و محبت کرتا ہے اور مداہنت کرنے والا کسی کو باطل پر جمانے کے لیے یا اسے اس کی خواہش پر قائم رکھنے کے لیے چاپلوسی کرتا ہے۔ اہل ایمان خاطر و مدارت کرتے ہیں اور منافق چاپلوسی کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص کے پھوڑا ہے اور وہ شخص پھوڑے کے سبب سے کراہ رہا ہے۔ اس کا علاج کرنے کے لیے ایک نرم طبیعت طبیب آتا ہے اور اسے دیکھ بھال کر اسے نرم کر کے پکا کر اس کا فاسد مادہ نرمی اور سہولت سے نکال دیتا ہے۔ پھر ایسا مرہم لگا دیتا ہے جو مادہ کو ختم کر دیتا ہے اور خرابی کو روک دے۔ پھر گوشت پیدا کرنے والا مرہم لگا دیتا ہے۔ پھر اس پر پوڈر چھڑک دیتا ہے تاکہ رطوبت جذب ہو جائے اور پھر پٹی باندھ دیتا ہے اور یہ عمل درست ہونے تک جاری رکھتا ہے۔ اس کے اُلٹ چاپلوس کہتا ہے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ پٹی باندھ لیجیے۔ پھر وہ اس سے بے فکر ہو جاتا ہے۔ بالآخر اس میں پیپ پڑ جاتی ہے اور مواد ہر روز بڑھتا رہتا ہے اور ایک بہت بڑا فساد کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی مثال ہو بہو نفس مطمئنہ اور نفس امارہ پر صادق

آتی ہے۔ اب دیکھئے جیک چنے برابر زخم کا یہ حال ہے تو اس بیماری کا کیا حال ہوگا جو نفس امارہ کی پیدا کردہ ہے جو خواہشات کی کان ہے۔ ہر بُری بات کی جڑ ہے اور اس سے شیطان بھی انتہائی مکروفریب کے ساتھ ملا ہوتا ہے کہ اس سے وعدہ کرتا رہتا ہے، اُمیدیں دلاتا رہتا ہے اور اس پر ہر قسم کا جادو کرتا رہتا ہے۔ جس کے سبب وہ نفع دینے والا کام نقصان دینے والا اور نقصان دینے والا کام نفع دینے والا اور اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ یہ جادو کی بہت بڑی قسم ہے۔ اسی سبب سے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ پھر تم پر کہاں سے جادو کیا جارہا ہے اُنھوں نے تو رسولانِ عظام علیہم السلام پر الزام لگایا تھا کہ آپ پر آسیب کا اثر ہے حالانکہ آپ اس سے بَری تھے مگر اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھا کہ ہم خود ہی اس مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام پر بھی الزام لگایا تھا کہ وہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ امن میں خرابی ڈال رہے ہیں۔ انھیں جنون ہے اور ان کی عقل موٹی ہے حالانکہ یہ خود ہی ان بُرائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام

ہر کام میں اللہ کی پناہ طلب کرنا۔ اور علمائے کرام نے نفس امارہ سے اور اس کے ساتھی ابلیس سے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے اسی لیے دیا ہے کہ یہ دونوں ہر بُرائی کی جڑ ہیں اور دونوں کندھے ملا کر کام کرتے ہیں۔

ارشاد رب العالمین جل مجدہ الکریم ہے۔

جب تم قرآن مجید کی تلاوت کا قصد کرو تو اللہ کی پناہ طلب کر لیا کرو۔

اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرو۔ کیونکہ وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

آپ فرما دیجئے کہ اے رب میں ابلیس کے وساوس سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

اے پروردگار اس سے بھی کہ وہ میرے پاس آئیں۔
آپ فرمادیجئے کہ میں مخلوق کی بُرائی سے صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔
اور اندھیرے کی بُرائی سے بھی۔
جبکہ وہ پھیل جائے اور گرہوں پر پھونکنے والیوں کی بُرائی سے بھی۔
حسد کرنے والے کی بُرائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔
آپ فرمادیجئے کہ میں وسوسہ ڈالنے والے اور چھپ جانے والے انسانوں اور جنات کی بُرائی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں۔
لوگوں کے رب کی، ان کے بادشاہ کی اور ان کے معبود کی پناہ مانگتا ہوں۔
یہ استعاذہ نفس امارہ سے اور اس کے ساتھی سے ہے۔ کیونکہ یہ نفس کا بدترین ساتھی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ میری ہمہ گیر اور کامل ربوبیت سے ان دو مخلوقات سے جن کا شر اور فساد بہت بڑا ہے پناہ طلب کرو۔ دل ان دونوں دشمنوں کے درمیان ہے۔ ان دونوں کی شرارت مسلسل اس کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے اور مسلسل باری باری آتی جاتی رہتی ہے۔ اس عظیم شر کے جراثیم شہوت، دنیا کی محبت، دنیا کی حرص، دنیا کا طمع و غضب اور ان کے متعلقات مثلاً غرور، حسد، ظلم اور حاکمانہ تسلط وغیرہ ہیں جو نفس امارہ میں پیدا ہوتے ہیں اور اسے بیمار کر دیتے ہیں۔ پھر مکر کرنے والا حکیم اور خیانت کرنے والا طبیب جو اس مرض سے واقف ہے اس کی بیمار پرسی کرتا ہے اور اسے نوع بہ نوع زہر اور نقصان دہ چیزیں بتاتا ہے اور اپنے جادو سے یہ بات ذہن نشین کراتا ہے کہ شفا انھیں سے ملے گی۔ پھر دل کی کمزوری بیماری سے نفس امارہ کی طاقت سے اور عزازیل سے مل جل جاتا ہے۔ پھر اسے ان دونوں سے مسلسل امداد ملتی رہتی ہے کیونکہ نقدی معاملہ ہے اور موجودہ لذت

ہے اور ہر طرف سے دعوت دینے والے آ جا رہے ہیں۔ خواہش اُبھار رہی ہے عوام نمونہ ہیں ان کی مشابہت اور ریس کو دل چاہتا ہے۔ دل کو یہ بات بھاتی بھی ہے کہ جس عیش میں عوام ہوں وہ ہمیں بھی حاصل ہو۔ ان رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے خاص طور پر جبکہ ہر روز ان میں زیادتی ہی ہوتی رہتی ہو۔ ایمان اور جنت کی دعوت وہی مانے گا جسے اللہ توفیق کی امداد سے سرفراز فرمائے اور اپنی رحمت سے اس کا دامن پکڑے۔ اس کی حفاظت اور حمایت کی ضمانت لے لے اور اس کے دل کی بصیرت کھول دے کہ وہ دنیا کا سرعت زوال اور انقطاع دیکھ لے۔ اور یہ بھی کہ اہل دنیا سے کتنی جلدی سلب ہو جاتی ہے۔ اور ان کے ساتھ کیا کیا کھیل کھیلتی ہے اور یہ بھی کہ دنیا ہمیشہ ہمیش کی زندگی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈال کر نکال لے۔ بھلا اُنگلی پر جو پانی ہے اُس کی سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کون سی حقیقت ہے۔

ایمانِ خشوع کا انکشاف: ایمانِ خشوع یہ ہے کہ دل اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے جلال اور اُس کے وقار اور اُس کے رعب کے آگے حیا سے جُھک جائے اور خوف و ندامت سے، محبت اور حیا سے اور نعمتِ خداوندی کی بوچھاڑ اور اپنے گناہوں کی بھرمار دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ جب دل جُھک جائے گا تو اعضا بھی جُھک جائیں گے۔

خشوعِ نفاق کا انکشاف: خشوعِ نفاق مصنوعی طور پر تکلف کے ساتھ اعضا پر ظاہر ہوتا ہے، دل اس سے محروم ہوتا ہے۔ ایک صحابی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خشوعِ نفاق سے اللہ کی پناہ مانگی۔ دریافت کیا گیا کہ خشوعِ نفاق کیا ہے، فرمایا جسم تو جھکا ہوا اور دل نہ جھکا ہوا ہو۔

رضائے الٰہی کے لیے جھکاؤ: بارگاہِ الٰہی میں وہ شخص جھکتا ہے جس کی شہوت کی آگ بجھ چکی ہو۔ اور اس کا دھواں بھی اس کے سینے سے نکل چکا ہو۔ اور اس کا سینہ منجھ کر اس میں نور اور عظمت چمک اٹھا ہو۔ لہٰذا اس خوف و رجا کی وجہ سے جو اس کے سینے میں بھرا ہوا ہے اس کی نفسانی خواہشات مر چکی ہیں اور اعضاء کی آتشی طاقتیں بجھ چکی ہیں۔ دل میں وقار اور اطمینان آ گیا ہے۔ اب اسے اللہ ہی سے اور اس کے ذکر سے ہی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس کے پروردگار کی جانب سے اس پر سکینہ اترتا ہے جس سے اُسے سکون حاصل ہے۔

مخبت کا حقیقی انکشاف: مخبت کا معنیٰ سکون ہے۔ کیونکہ خبت اس نشیبی زمین کو کہا جاتا ہے جس میں پانی ٹھہر جائے۔

قلب مخبت: قلب مخبت خشوع اور اطمینان والا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم کے جلال اور اس کی عظمت کے آگے اپنی انتہائی ذلت اور انکساری کا اظہار کرے اور اس کے آگے سربسجود ہو جائے۔ پھر مدت تک سر نہ اٹھائے۔

قلب متکبر: قلب متکبر اپنے تکبر کی وجہ سے بلند اور ابھرا رہتا ہے جیسے بلند زمین کہ اس میں پانی نہیں ٹھہرتا۔

خشوع نفاق: خشوع نفاق حقیقت میں خشوع نہیں بلکہ خشوع کا بہانہ ہے کہ تصنع کے طور پر دکھاوے کے لیے اعضاء جھکا دیئے جائیں اور دل میں خشوع نہ ہو بلکہ شہوات سے بھرپور ہو اور بُرے ارادے شباب پہ ہوں اور جوش مار رہے ہوں۔ ظاہر میں جھکاؤ ہے۔ حالانکہ میدان کا اژدھا اور جھاڑی کا شیر پسلیوں کے اندر پوشیدہ ہوا ہے کہ موقع پا کر پھاڑ کھائے۔

خودداری کیا ہے؟: خودداری یہ ہے کہ انسان کمینہ پن سے بُری عادات سے

اور طمع اور لالچ سے بچتا رہے۔ اور اپنا نفس ان رذائل میں جھونکنے سے بلند سمجھے۔

غرور کیا ہے؟: غرور دو چیزوں کے درمیان سے سر ابھارتا ہے کہ خود کو اونچا اور دوسروں کو نیچا سمجھا جائے۔ اس کے برعکس اس کے خودداری دو شاندار عادات سے پیدا ہوتی ہے۔ نفس کی شان عزت اور بزرگی قائم رکھنا اور اس کے مالک کی تعظیم و تکریم کرنا کہ اس کا بندہ کمینہ، گرا ہوا اور خسیس نہ ہو۔ پھر ان دونوں کا لحاظ کر کے نفس کی شرافت کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ اس کی حفاظت اور نگرانی کی جائے۔ اور کسی بری عادت میں نہ گرنے دیا جائے۔ یہ چیز نفس کی صلاحیت پر اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی امداد پر موقوف ہے۔ جو دل صلاحیت اور امداد سے محروم ہے وہ سب کی سب بھلائیوں سے محروم ہے۔

حمیت کیا ہے؟: حمیت نفس کا اس پستان سے شیر ملامت چھڑاتا ہے جو خباثت اور رذائل کا سرچشمہ ہے۔ گو دودھ کی کثرت ہو اور لوگ اس پر ٹوٹ پڑے ہوں۔ لہٰذا اگر تمہارا خیال ہو تو اس میں جلدی کرو کہ محمود اور مشکور بنو اور چاہو تو دیر لگاؤ کہ امر بمحو بیٹھو۔ اس کے برعکس جفا نفس کی سختی، دل کی شقاوت اور طبیعت کی کثافت ہے۔ جس سے ایک بہت بری عادت پیدا ہوتی ہے جسے جفا کہتے ہیں۔

تواضع کیا ہے؟: اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ جلالیہ کی پہچان سے، اس کی تفصیلات سے اور اس کی تعظیم و محبت سے اسی طرح اپنے نفس کی پہچان سے اس کی تفصیلات سے اس کے کاموں اور عیوب سے اور اس کی آفات سے ایک عادت پیدا ہوتی ہے جسے تواضع کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کے لیے دل کا ٹوٹ جانا اور اس کی مخلوق سے محبت اور پیار اور رحمت و شفقت سے پیش آنا، خود کو دوسروں سے اچھا نہ جاننا۔

اور اپنا کسی پر حق نہ سمجھنا بلکہ یہ سمجھنا کہ مجھ سے سب کے سب اچھے ہیں اور مجھ پر ان کے حقوق واجب ہیں۔ یہ خلق جمیل اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب اور اپنے مقرب اور اپنے معزز بندوں کو عطا کرتا ہے۔

رُسوائی کیا ہے؟ یاد رہے کہ رسوائی ایک قسم کی دناءت اور خست اور نفس کی ذلت ہے کہ نفسانی لذات و شہوات کے حصول کے لیے انسان خود کو ذلیل کر دے جس طرح کہ کمینوں کی اپنے مطلب برآری میں تواضع ہوتی ہے اور مفعول بہ کی فاعل کے لیے ہوتی ہے۔ یہ حقیقت میں تواضع نہیں بلکہ رسوائی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تواضع کو پسند فرماتا ہے اور رسوائی کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضور سید الرسل امام السبل علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والثناء نے فرمایا کہ مجھ پر وحی کی گئی کہ تم تواضع کرو، کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ ہی کوئی کسی پر بغاوت کرے۔

اقسامِ تواضع:۔ تواضع دو اقسام میں منقسم ہے:۔

۱۔ تواضع کی پہلی قسم یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم کے آگے اور اس کی تعمیل کے لیے اور ممانعت کے وقت اس سے محفوظ رہنے کے لیے ذلیل ہو جانا۔ کیونکہ نفس آرام کرنے والوں کے لیے تعمیل حکم میں ہچکچاتا ہے۔ اور اس سے ایک قسم کا انکار اور بندگی سے فرار پیدا ہوتا ہے اور ممانعت کے وقت منع کی ہوئی چیزوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پھر جب بندہ بحکم خداوندی اور ممانعت کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کر دیتا ہے تو بندگی کے لیے تواضع کا اثبات مل جاتا ہے۔

۲۔ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم کی عظمت اور جلال کے لیے اور اس کی ناموس اور کبریائی کے لیے تواضع۔ جب کبھی نفس ناک چڑھائے تو بندہ رب تعالیٰ کی

عظمت و انفرادیت کو اور اس کے سخت غصے کو یاد کر کے ٹھنڈا ہو جائے اور فروتنی اختیار کرے۔ اس طرح عظمتِ خداوندی سے اس کا دل ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور وہ ہیبتِ الٰہی سے خائف ہو جائے گا اور اس کے غلبہ سے پست ہو جائے گا۔ یہ انتہا درجہ کی تواضع ہے جو تواضع کی پہلی قسم کو لازم ہے۔ لیکن پہلی قسم اس کو لازم نہیں۔ حقیقی تواضع وہی ہے جو جسم میں دونوں قسم کی تواضع پائی جائے۔

اسی طرح اللہ کا دین بلند کرنے کے لیے بڑا بننا یہ ہے کہ شرعی احکام کی عظمت برقرار رکھی جائے۔ شرعی قوانین جاری کر کے ان سے نفع حاصل کیا جائے ان کا کما حقہ احترام کیا جائے گا۔ اور ذاتی بڑا بننا یہ ہے کہ ریاست اور حکومت کی طلب ہو، اپنے بنائے ہوئے قوانین جاری کیے جائیں خواہ شریعت کو تقویت پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ اگر اس راستہ میں کوئی بات آڑے آ جائے تو وہ بے پرواہی سے ٹھکرا دی جائے۔ اور ذاتی مفاد کو شریعت پر مقدم رکھا جائے۔

دینی حمیت کو حکم اور حاکم کی تعظیم پیدا کرتی ہے اور ذاتی حمیت کو نفس کی تعظیم اور نفسانی فوت شدہ لذات پیدا کرتی ہیں۔ دینی حمیت میں حقوق اللہ کی عظمت برقرار رکھنے کے لیے غصہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے نور سے اس کا جام دل لبالب بھر گیا ہو۔ ایسے شخص کو اپنی ذات کے حق کے لیے غصہ نہیں آتا بلکہ اس آفتاب سلطان کے نور کے سبب سے آتا ہے جو اس کے دل پر روشن ہے۔

رحمت عالم کا غصہ: حضور سید العالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو جب غصہ آتا تو آپ کے رخسارے سرخ ہو جاتے اور پیشانی مبارک پر پسینہ آ جاتا جو غصہ کو ختم کر دیتا تھا اور آپ کو دینی حمیت ہی پر غصہ آتا تھا۔

ٹوپی کا گرم ہو جانا:۔ حضرت اسلم کا بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو غصہ آتا تو آپ کی ٹوپی گرم ہو جاتی تھی۔

شعلہ کا پیدا ہونا:۔ یاد رہے کہ ذاتی حمیت میں نفس کے اندر طلب لذت کے لیے یا فوت ہونے والی لذت کے موجب ایک شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ فتنہ نفس میں ہے اور فتنہ ہی شعلہ ہے۔ اور نفس آتش شہوت و غضب سے بھڑک اٹھتا ہے۔ کیونکہ شہوت و غضب ایسی آگیں ہیں جو اعضاء پر حرارت پیدا کرتی ہیں خواہ حقوق اللہ کے لیے یہ حرارت نفس مطمئنہ کی طرف سے ہو یا ذاتی حق کے لیے نفس امارہ کی جانب سے ہے۔

سخی کی سخاوت کی کیفیت:۔ یاد رہے کہ سخی دانائے راز ہوتا ہے اور کسی نہ کسی مصلحت ہی سے سخاوت کے موقع پر سخاوت کرتا ہے اور مسرف فضول خرچ ہے۔ اکثر بغیر موقعہ و محل کے خرچ کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی ضرورت کے موقع پر بھی خرچ کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مال میں حقوق رکھے ہیں جو دو اقسام میں منقسم ہیں:۔

۱۔ پہلی قسم حقوق مقررہ ہے۔
۲۔ دوسری قسم حقوق غیر مقررہ ہے۔

۱۔ حقوقِ مقررہ کیا ہیں؟:۔ حقوق مقررہ جیسے زکوٰۃ، صدقہ فطر، اور جن کا خرچہ اٹھانا ضروری ہے ان کا خرچہ اٹھانا۔

۲۔ حقوقِ غیر مقررہ کیا ہیں؟:۔ حقوق غیر مقررہ جیسے مہمان کا حق، ہدیہ دینے والے کا بدلہ۔ وہ خرچہ جس سے عزت و ناموس قائم رہے۔ سخی یہ حقوق راضی خوشی پوری طرح سے

اس اُمید پر ادا کرتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کا دنیا میں بدلہ دے گا اور عقبیٰ میں بھی۔ لہٰذا وہ دل کی سخاوت سینے کی فراخی اور نفس کی بخشش کے ساتھ خرچ کرتا ہے لیکن مسرف کا شہوت اور ہوا کے سبب ہاتھ وسیع ہوتا ہے اور بکثرت خرچ کرتا ہے۔ نہ تو خرچ کا اندازہ رکھتا ہے اور نہ ہی مصلحت کی رعایت پیش نظر رکھتا ہے اگر اتفاقاً مصلحت نکل بھی آئے تو سخی کی مثال اُس جیسی ہے جو زرخیز زمین بھی بیج ڈالتا ہے اور ایسے مواقع تلاش کرتا ہے جہاں پھل اور پھول پیدا ہوتے ہوں۔ اور مسرف کی مثال ایسی ہے جو سخت شوریلی زمین میں بیج ڈالتا ہے۔ اگرچہ محسن اتفاق سے کہیں اُس کا تخم شدہ بیج اُگ بھی آئے اور پھل بھی آجائے لیکن عام طور پر بیج بے کار ہی جاتا ہے۔ سخی کے برعکس اس کا بیج پھلتا پھولتا ہے اور پروان چڑھتا ہے بلکہ اسے تو کبھی زیادتی پیداوار کے سبب نباتات اکھیڑ کر ہلکی بھی کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ باقی بہتر طور پر پرورش پائے اور زمین مکمل طور پر اس کی تربیت کر سکے۔

حقیقی اور مطلق جواد کون؟

یاد رہے کہ حقیقی اور مطلق جواد اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ عالم علوی اور عالم سفلی کی ہر بخشش اللہ کی بخشش کے مقابلہ میں ایسی ہے جس طرح کہ سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ آب ہے بلکہ اس سے بھی کم ہے۔ پھر وہ قطرہ بھی اسی کے کرم میں سے ہے اور وہ ایک اندازے سے جس قدر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ اس کا جود و کرم اس کی حکمت کے مطابق ہی ہوتا ہے اور موقع محل کی مناسبت سے ہی ہوتی ہے گو عوام کی نظروں سے موقع اوجھل ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنا فضل و کرم نازل کرنے کا موقع معلوم ہے اور یہ بھی کہ کونسا محل اس کے فضل و کرم کا مستحق ہے اور کونسا مستحق نہیں ہے۔

محبتِ الٰہی کا راز: یاد رہے کہ جب دل اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت اور محبتِ الٰہی اور جلال و جبروت سے بھر جاتا ہے تو اس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور ایک نور چھا جاتا ہے۔ پھر وہ ہیبت کی چادر اُوڑھ لیتا ہے اور بندہ کے چہرے سے حلاوت و ہیبت ٹپکنے لگتی ہے۔ اور اس کے دل کی گہرائیوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت اور ہیبت نازل ہو جاتی ہے۔ پھر اس کی طرف لوگوں کے دل مائل اور مانوس ہونے لگتے ہیں اور اسے دیکھ کر آنکھوں میں خنک محسوس ہونے لگتی ہے۔ اب اس کی ہر بات نورانی، اس کا نکلنا بھی نورانی، اس کا داخل ہونا بھی نورانی اور اس کا عمل بھی نورانی ہو جاتا ہے۔ اگر وہ خاموش رہتا ہے تو اس پر وقار چھایا رہتا ہے اور اگر باتیں کرتا ہے تو انھیں دل اور کان بغور سنتے ہیں۔

اللہ کی ناراضی کا سبب کیا ہے؟: یاد رہے کہ جب کسی کا دل جہالت اور ظلم سے بھر جاتا ہے تو اس سے عبودیت رخصت ہو جاتی ہے اور اس پر اللہ کی ناراضگی چھا جاتی ہے۔ اب وہ لوگوں کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اکڑ اکڑ کر چلتا ہے۔ خود کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے اور دوسروں کو کمتر جانتا ہے۔ خود کو افضل و اشرف شمار کرتا ہے۔ ملاقاتیوں کو سلام نہیں کرتا اور اگر کوئی اسے سلام کرتا ہے تو سلام کا جواب دے کر سمجھتا ہے کہ میں نے اس پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہنس مکھ چہرے سے نہیں ملتا بلکہ ترش روئی سے ملتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میرے تو لوگوں پر حقوق ہیں۔ مگر میں کسی کا حق نہیں رکھتا۔ میں ہی سب سے بہتر ہوں۔ مجھ سے کوئی بھی بہتر نہیں۔ ایسا شخص ہر آئے دن بارگاہِ خداوندی سے دُور ہوتا جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں خوار ہو جاتا ہے اور سب اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ الغرض محبت اللہ تعالیٰ کی

کی علامت ہی نشانی ہے اور کبر اور ظلم جہالت کی نشانی ہے۔

عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والے کی مثال اس شخص

صیانت کیا ہے؟: جیسی ہے جو شخص نیا اور خوب سفید اور قیمتی جوڑا پہن کر شاہی دربار میں جانا اور حاکموں اور رئیسوں سے ملنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اپنے کپڑوں کو میل کچیل گرد و غبار اور داغ دھبوں سے پاک اور صاف رکھنے کی بہت زیادہ کوشش کرے گا تاکہ کپڑے شاہی دربار میں جانے کے قابل رہیں۔ اور بہت احتیاط سے کام لے گا اور ان جگہوں سے بچ کر نکلے گا جہاں کپڑوں پر چھینٹیں پڑنے کا شبہ ہوگا اور اپنے کپڑوں پر کسی داغ دھبے کو یا گندگی کی چھینٹ کو برداشت نہیں کرے گا۔ اور اگر اتفاق سے کوئی چھینٹ پڑ گئی تو اسے فوری طور پر صابن سے اچھی طرح صاف کر کے دھوئے گا تاکہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ یہی کیفیت دل اور دین کی حفاظت کرنے والے کی ہوتی ہے۔ تم اسے گناہوں کے داغوں اور دھبوں سے بچتا ہوا پاؤ گے جیسے انتہائی سفید کپڑے پر گندگی کا گہرا دھبہ یا داغ پڑ جاتا ہے تو اس سے کہیں گہرا اثر دل پر گناہوں کا ہوتا ہے لیکن آنکھیں کپڑوں کے دھبوں کو دیکھ لیتی ہیں مگر دل کے دھبوں کو نہیں دیکھ سکتیں کیونکہ غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تم اس اللہ کے بندے کو تہمت کی جگہ سے بھاگتا ہوا، لوگوں سے بچتا ہوا اور ان سے دور رہتا ہوا پاؤ گے تاکہ اس کے دل کے سفید کپڑے پر داغ دینے والوں، ذبح کرنے والوں اور بادرچیوں کے کپڑوں کی طرح گناہوں کی چھینٹیں نہ پڑ جائیں۔ متکبر بھی گو احتیاط کرنے میں اس کے مشابہ ہے مگر وہ لوگوں کی گردنوں پر چڑھنا اور انہیں اپنے پاؤں سے روندنا چاہتا ہے۔ اس کی محافظت دیگر قسم کی ہے اور اس کی اس سے بھی دیگر قسم کی ہے۔

شجاعت کیا ہے؟: شجاعت کا تعلق دل سے ہے۔ شجاعت نازک اور

پُر خطر مواقع پر جمے رہنے کا نام ہے۔ یہ عادت صبر اور حُسنِ ظن سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب فتح کی اُمید کے ساتھ ساتھ صبر کرے گا تو انسان نازک ترین مواقع پر جما رہے گا۔ جیسے بُزدلی بدظنی اور بے صبری سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی نہ ہی اس میں فتح کی اُمید ہوتی ہے اور نہ ہی صبر کی معاونت۔

بُزدلی کیا ہے؟ :- بُزدلی کی جڑ بدگمانی ہے اور بُزدل کا دل وسوسے بھرپور ہوتا ہے جس کا منشا پھیپھڑے ہیں۔ بدگمانی اور دلی وسوسے کے وقت پھیپھڑے پھول جاتے ہیں اور دل پر دباؤ ڈال کر اسے بھینچ دیتے ہیں اور اسے اس کی جگہ پر بے چین کر دیتے ہیں لہٰذا دل میں حیرانی و بے چینی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر بدتر خلق دل نکال دینے والی نامردی اور ہائے ہائے کرنے والا لالچ ہے۔ یہاں نامردی کو خالع کہا گیا ہے کیونکہ یہ پھیپھڑے کے پھولنے کی وجہ سے دل کو اس کی جگہ سے باہر نکال دیتی ہے۔

عقل کی تدبیر کا ضائع ہو جانا :- بدر کے روز ابوجہل لعین نے عتبہ سے کہا تھا کہ تیرا تو پھیپھڑا پھول گیا ہے۔ پھر جب دل ہی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو عقل کی تدبیر بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ بالآخر اعضاء پر بھی فساد ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ درست طور پہ کام نہیں کرتا۔ شجاعت دل کی حرارت اور اس کا غضب ہے کہ دل ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا اور جم جاتا ہے۔ پھر جب اعضاء دل کو ڈٹا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کے مددگار ہوتے ہیں کیونکہ اعضاء دل کے خادم اور لشکر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب دل بھاگ کھڑا ہوتا ہے تو اس کا پورا لشکر بھاگ جاتا ہے۔

جرأت کیا ہے؟ :- جرأت بھی اقدام ہے جس کا سبب بے پرواہی اور انجام پر

نظر کرتا ہے۔ جرأت میں نفس غیر موضع اقدام میں بھی اقدام کر گزرتا ہے اور عوارض سے قطع نظر کر لیتا ہے خواہ نقصان ہو یا نفع ہو۔

دُور اندیش کون؟: یاد رہے کہ دُور اندیش وہ ہے جس نے غور و فکر اور حوصلہ کے ساتھ معاملہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی اور اس کے نشیب و فراز کا اندازہ لگا کر ہر پہلو کے مطابق اور مناسب تجویز سوچی۔

لفظ حزم کیا ہے؟: لفظ حزم قوت اور جمع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حزمۃ لکڑیوں کے گٹھے کو کہتے ہیں۔ حازم معاملہ کے ہر پہلو کے بارے میں غور کرتا ہے اور اس کے حل کا بہترین طریقہ سوچ لیتا ہے۔ لہٰذا دُور اندیشی اور غور و فکر کی روشنی میں اقدام کا موقع نہ سمجھ کر اس سے باز رہتا ہے۔ بزدلی اور کمزوری کے سبب و موجب سے نہیں۔

اقتصاد کیا ہے؟: اقتصاد بہتر عادت ہے جو عدل اور حکمت سے پیدا ہوتی ہے۔ عدل کے موجب خرچ کرنے یا نہ کرنے میں اعتدال برتا جاتا ہے اور حکمت سے خرچ کیا یا نہ کیا جاتا ہے۔

اعتدال و اسراف: جو دو مذموم اطراف افراط و تفریط کے درمیان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی اپنا ہاتھ گردن میں بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ ہی اسے بالکل پھیلا دو کہ خود قابلِ الزام اور خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ پھر ارشاد باری ہے یعنی جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ ہی اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا خرچ اعتدال پر ہوتا ہے۔ پھر ارشاد ربانی ہے کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔

شح کیا ہے؟ شح بخل و حرص کا نام ہے جو بہت بری عادت ہے۔ جو بدگمانی اور نفس کی کمزوری سے پیدا ہوتی ہے اور شیطان کے وعدے

اسے تقویت پہنچاتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان بہت زیادہ حریص بن جاتا ہے اور معمولی سے معمولی خرچ پہ بھی سسکیاں لیتا ہے۔ کہیں فقیر نہ بن جاؤں۔ پھر ارشاد ربانی ہے یعنی انسان حریص پیدا کیا گیا ہے اگر اسے محتاجی چھو لیتی ہے تو چیخ پڑتا ہے اور اگر مال آجاتا ہے تو اس پہ پورا پورا قبضہ کر لیتا ہے۔

محترز کیا ہے؟: محترز یعنی محتاط ایسا ہے جو اپنا مال اور سواری لے کر سفر پہ چل پڑتا ہے اور ہر ڈاکو اور پُرخطر جگہ سے پوری کوشش سے اجتناب کرتا ہے اور ہر خطرے کے مقابلے کے لیے ظاہری اسباب سے بھرپور ہے۔ گویا دشمن سے مقابلے کے لیے پوری طرح سے تیار ہے۔ اس کی ہوشیاری نے اس سے بچنے کے لیے تمام ظاہری سامان مہیا کر لیے ہیں اور اس کی ہمت نے اسے بدگمانی سے بچا لیا ہے۔

بدگمانی کیا ہے؟: بدگمانی یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے دل بدگمانیوں سے بھر جائے اور اس کا اثر زبان اور اعضاء پر ظاہر ہونے لگے اور لوگ بھی ایسے شخص پر نکتہ چینی اور ملامت کرتے ہیں۔ یہ ان سے دشمنی رکھے اور وہ ان سے دشمنی رکھے اور یہ ان سے ڈرائے اور وہ ان سے ڈرائے۔

محترز اور بدگمان: یاد رہے کہ محترز لوگوں میں ملنے کے باوجود ان سے احتیاط برتتا ہے اور بدگمان ان سے ملتا ہی نہیں اور ان سے دل میں کینہ اور دشمنی رکھتا ہے۔

گمان کیا ہے؟: یاد رہے کہ گمان دو طرح پہ ہے درست بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی ہو سکتا ہے۔ دل کی روشنی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور دل کی تاریکی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ ناپاکی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اکثر گمانوں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی بتایا کہ بعض گمان

گناہ ہوتا ہے۔

فراست کیا ہے؟:۔ ارباب فراست کی تعریف کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہے یعنی فرمایا بلاشبہ ان میں اہل فراست کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ پھر ارشاد ہے یعنی انھیں جاہل سوال نہ کرنے کے سبب مالدار سمجھتے ہیں تم انھیں ان کی پیشانیوں سے پہچان لو گے۔ پھر ارشاد ربانی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو انھیں آپ کو دکھا دیتے آپ انھیں ان کے چہروں سے ان کے طرز کلام سے پہچان جائیں گے۔

ماحصل کلام:۔ معلوم ہوا کہ اصل فراست دل سے متعلق ہے جو صاف و شفاف اور میل کچیل سے پاک ہوتی ہے۔ اور تقرب کی دلیل ہے مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے جو اللہ نے اس کے دل میں مقرر فرمایا ہے۔

مومن کی فراست کیا ہے؟:۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ مومن کو اللہ کے قرب سے فراست حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جب دل اللہ کے قریب ہو جاتا ہے تو اس سے ادراک اور معرفت خداوندی کی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے مقام کے مطابق اللہ کے قریب والے روزن سے روشنی حاصل کرتا ہے اور اس روشنی میں ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیتا ہے جو محجوب اور بعید کو دکھائی نہیں دیتیں۔

حدیث قدسی سے استدلال:۔ ایک حدیث قدسی میں ارشاد باری ہے کہ میرے قرب کے لیے فرائض سب سے اہم حصہ ادا کرتے ہیں۔ اور بندہ نوافل سے بھی میرے قریب آتا رہتا ہے حتیٰ کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ پھر جب میں اس سے

پیار کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ پھر وہ میری ہی بات سنتا ہے، میری ہی بنائی ہوئی چیز دیکھتا ہے، میرے ہی حکم کے مطابق پکڑتا ہے اور میرے ہی حکم کے مطابق قدم اٹھاتا ہے۔

الحاصل الکلام: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بہت تقرب الٰہی سے حاصل ہوتی ہے اور جب اللہ رب العزۃ تبارک و تعالیٰ چاہنے لگتا ہے تو بندے کے تمام اعضاء اس کے حکم کے مطابق حرکت کرنے لگتے ہیں اور اس دل ایک صاف و شفاف آئینہ کی مانند بن جاتا ہے جس میں حقائق کے برعکس بلاکم و کاست نظر آنے لگتے ہیں اور اس کی فراست خطا نہیں کرتی۔ یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ علام الغیوب نے اسے دل میں ڈال دیا ہے جو اس سے قریب ہے اور اس کے نور سے جگمگا رہا ہے اور وہم اور وسوسہ سے کہیں بلند تر ہے۔

غلبۂ نور کا راز: جب دل پہ نور کا غلبہ ہو جاتا ہے تو اس کی کرنیں اعضاء تک بھی پہنچ جاتی ہیں۔ یہی نور دل سے آنکھوں میں آتا ہے اور کاشف حقائق ہوتا ہے۔

بصیرتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام علیہم الرضوان جو مقتدی ہوتے تھے انہیں دل کی آنکھوں سے یا نور فراست سے نماز میں دیکھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور پر نور سید یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مکہ شریف میں اپنی آنکھوں سے بیت المقدس کا معائنہ کیا۔ پھر ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مدینہ منورہ شریف میں خندق کھودتے کھودتے شام کے محلات، صنعاء کے در و دیوار، کسریٰ کے شہر دیکھ لیے۔

ایک مرتبہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات نے مدینہ منورہ شریف میں موتہ میں لڑنے والے سپہ سالاروں کو شہید ہوتے دیکھ لیا۔ پھر ایک مرتبہ شاہ حبشہ کو حبشہ میں وفات پاتے ہوئے دیکھ لیا۔ حالانکہ آپ اُس وقت مدینہ منورہ شریف میں تھے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میدان میں جا کر غائبانہ نماز بھی پڑھی۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فارس کی سرزمین نہاوند میں اپنے سپہ سالار اور مسلمانوں کے لشکر کو دشمن سے لڑتا ہوا دیکھ لیا اور ہدایت فرمائی کہ پشت پر پہاڑ رکھو۔ حالانکہ آپ اُس وقت مدینہ منورہ شریف میں تھے۔ ایک مرتبہ حضور نبی غیب دان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس مذحج کے چند آدمی جن میں اشتر نخعی بھی تھے، آئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشتر کو خوب غور سے دیکھ کر دریافت کیا، یہ کون ہے۔ بتایا گیا کہ یہ مالک بن حارث ہے، فرمایا اسے کیا ہو گیا، اس پر اللہ کی مار ہو، میں اہل اسلام کے لیے اس کی جانب سے ایک سخت دن دیکھ رہا ہوں۔ ایک روز عمرو بن عبید حسن کے ہاں آئے فرمایا یہ نوجوانوں کا سردار ہے گو بدعت نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فہم و فراست کا راز

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا۔ محمد بن حسن علیہ الرحمۃ نے کہا کہ یہ بڑھئی ہے اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ لوہار ہے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ پہلے یہ لوہار تھا اور اب یہ تاجر ہے۔

امام ابوالقاسم مناوی رحمۃ اللہ علیہ کی فہم و فراست کا راز

ایک مرتبہ حضرت امام ابوالقاسم مناوی رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کے لیے ان کے پاس ابوالحسن

بوشنجی اور حسن لوہار آئے۔ اُنہوں نے راستے میں آدھے درہم کے سیب ادھار خرید لیے تھے۔ جب یہ دونوں آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا یہ کیسی تاریکی ہے۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ شاید سیب ادھار خریدنے کے بموجب یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ چنانچہ دونوں اُلٹے پاؤں واپس ہوگئے اور سیب کی قیمت ادا کرکے پھر آئے۔ انہیں دیکھتے ہی آپ نے فرمایا کہ اتنی جلدی انسان کا تاریکی سے نکلنا ممکن ہے۔ مجھے اپنا حال بتاؤ۔ دونوں نے سیب کا واقعہ بیان کیا۔ سُن کر فرمایا تم میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر بھروسہ تھا کہ وہ قیمت ادا کرے گا۔ اور وہ شخص تم دونوں سے تقاضا کرتے ہوئے شرم کھا رہا تھا۔

حضرت ابو عثمان حیری کی فہم و فراست کا راز: کہتے ہیں کہ حضرت ابو زکریا نخشبی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مستور کے مابین جھگڑا تھا۔ یہ ایک روز حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کھڑے تھے کہ اس مستور کو خیال آ گیا تو حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے سر اُٹھا کر فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی۔

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی فہم و فراست کا راز: کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ عظیم فراست کے مالک تھے۔ اور آپ کی فہم و فراست زیادہ تر درست ہوا کرتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے جو حرام چیزوں سے آنکھ بند کرلے اور خواہشات سے اپنا دل مار ڈالے اور ہمیشہ ہمیشہ مراقبہ سے آباد رکھے سنت کا پابند رہے اور حلال روزی کا عادی ہو۔ اس کی فہم و فراست درست رہتی ہے۔

دل کی پوشیدہ بات کا انکشاف: ایک نوجوان حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس

اُٹھتا بیٹھتا تھا اور دل کے خیالات بتا دیتا تھا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی اس کا تذکرہ ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے متعلق لوگوں کا اس طرح کا خیال ہے۔ اُس نے حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ سے کہا اپنے دل میں کوئی بات سوچو۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے کہا میں نے اپنے دل میں بات سوچ لی ہے۔ جوان نے آپ کے دل کی بات فوراً بتا دی۔ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے کہا یہ غلط ہے۔ اس نے کہا پھر اپنے دل میں سوچئے۔ آپ نے فرمایا سوچ لی۔ اُس نے کہا بات یوں ہے۔ آپ نے فرمایا غلط ہے۔ اُس نے کہا پھر سوچیے۔ آپ نے فرمایا میں نے سوچ لیا۔ اُس نے کہا یہ بات ہے۔ آپ نے فرمایا تم تینوں مرتبہ ہی درست بتایا تھا۔ میں تمہاری آزمائش کر رہا تھا کہ تمہاری دلی واردات میں تبدیلی تو نہیں آتی۔

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ

ایک فقیر کی فہم و فراست: کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں مسجد حرام میں گیا۔ اتنے میں ایک فقیر آیا جو دو گدڑیاں زیب تن کیے ہوئے تھا اور بھیک کی طلب میں تھا۔ میں نے اُس فقیر کو دیکھ کر دل میں خیال کیا کہ یہ لوگ لوگوں پر بوجھ ہیں۔ فقیر نے آپ کی طرف دیکھ کر یہ آیۂ کریمہ پڑھی جس کا یہ ترجمہ ہے کہ "یقین کیجیے اللہ تمہارے دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ لہٰذا اس سے ڈر جاؤ"۔ حضرت ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سُن کر اپنے دل میں اللہ سے مغفرت کی دُعا کی۔ پھر اُس نے یہ آیہ کریمہ پڑھی جس کا ترجمہ ہے کہ "اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم خواص

حضرت ابراہیم خواص کی فہم و فراست: رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں جامع مسجد میں تھا اتنے میں ایک حسین و جمیل اور دبدبے والا نوجوان آیا۔ جس سے خوشبو مہک رہی تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے خیال میں یہ یہودی ہے لیکن کسی کو یقین نہ آیا۔ خیر میں بھی چلا گیا اور وہ جوان بھی چلا گیا۔ پھر اس نے میرے ساتھیوں سے مل کر دریافت کیا کہ میرے متعلق بزرگ کیا فرما رہے ہیں۔ لوگوں کو میرا خیال ظاہر کرتے ہوئے شرم آئی مگر اس نے اصرار کرتے ہوئے دریافت کیا تو مجبوراً لوگوں نے بتایا کہ وہ آپ کو یہودی کہہ رہے ہیں۔ پھر وہ میرے پاس آکر میرے ہاتھ پر جھک گیا اور مسلمان ہو گیا۔ میں نے دریافت کیا کیونکر مسلمان ہوئے، اُس نے کہا ہم نے اپنی کتب میں پڑھا ہے کہ سچے آدمی کی فراست خطا نہیں کرتی۔ میں نے سوچا کہ اس سلسلے میں مسلمانوں کی آزمائش کروں۔ میں نے پھر سوچا کہ اگر کوئی سچا ہوگا تو انھیں اولیاء اللہ میں ہوگا۔ چنانچہ میں تمہارے پاس آیا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی جانچ لیا کہ میں یہودی ہوں۔ چنانچہ میں یقین میں پختہ ہو گیا کہ آپ ضرور صدیق ہیں۔

حضرت عثمان غنی

حضرت عثمان غنی کی فہم و فراست کا راز:

رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحابی حاضر ہوا جو راہ میں ایک مستور کو دیکھ آیا تھا۔ اور اُس مستور کی خوبصورتی کے بارے میں غور کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ میرے پاس اس حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ظاہر ہوتا ہے میں نے کہا کیا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی جاری ہے فرمایا نہیں۔ یہ تو سچی فراست ہے اور سچی دلیل اور سچا تبصرہ ہے۔

فلسفۂ عجز یہ: نصیحت یعنی خیر خواہی، اسے مسلمانوں کو کسی بدعتی یا فتین یا شریر سے خائف کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جب کوئی مسلمان

اس سے تعلقات قائم کرنے کے بارے میں یا معاملات کرنے کے یا اس کے پاس اُٹھنے بیٹھنے کے بارے میں کسی نصیحت کرنے والے سے مشورہ کرے تو اسے اس کے درست اور صحیح حالات بتانے پڑتے ہیں جیسا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جبکہ اُنہوں نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوجہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کے متعلق حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات سے مشورہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ امیر معاویہ تو غریب آدمی ہیں اور حضرت ابوجہم عورتوں کو مارتے پیٹتے ہیں۔

غیبت کی حقیقت کا انکشاف: اگر غیبت اللہ کے لیے اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہو تو ایسی غیبت عبادت و سعادت ہے۔ اگر کسی کو ننگا کرنے کے لیے ہو تاکہ اس کا نام لوگوں کے دلوں اور نظروں میں گر جائے اور اس کی بُرائی کی جائے تو یہ غیبت بہت بڑی بیماری ہے اور سعادت کی آگ ہے کہ سب کی سب سعادت کھا جاتی ہے۔

ملعون کون؟ رشوت سے کسی کا حق کھانا یا غلط کو درست ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ حضور نبی غیب دان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے راشی کو ملعون فرمایا ہے۔ اگر ظلم رفع کرنے کے لیے رشوت دے تو پھر مرتشی ملعون ہوگا۔ ہدیہ سے محبت اور احسان اور تعارف مقصود ہوتا ہے۔ اگر بدلے کے ارادے سے ہدیہ دیا جائے تو معاوضہ طلبی مقصود ہے اور اگر فائدے کی غرض سے دیا جائے تو ربط بے جا ہونے کی علامت کا ظہور ہے۔ ایسا کرنے سے مقصود حقیقی حاصل نہیں ہوتا

صبر کیا ہے؟: صبر ایک نفسی عادت ہے جسے انسان اپنے اندر پیدا کرتا ہے، یعنی پریشان ہونے سے، ہائے ہائے کرنے سے اور شکوہ کرنے سے باز رہتا ہے۔ چنانچہ دل کو خفگی سے، زبان کو شکایت سے اور اعضاء کو غیر مناسب حرکات سے روک لیتا ہے۔ صبر دراصل دل کو شرعی اور تقدیری احکام پر ثابت قدم رکھنا۔

سنگ دلی کیا ہے؟: سنگدلی دل کی خشکی اور دل کی سختی ہے۔ جس سے دل میں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اور دل سنگ دل یعنی پتھر کی مانند ہو جاتا ہے۔ صبر و تحمل کے سبب نہیں بلکہ سختی اور یبوست کے سبب سے ہے۔

اقسامِ دل: دل تین اقسام میں منقسم ہیں:۔
۱۔ سخت دل ۲۔ انتہائی زرم دل ۳۔ قلبِ رقیق

سخت دل: سخت دل وہ دل ہے جو پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے اور خشک ہاتھ کی طرح ہو جاتا ہے۔

انتہائی نرم دل: انتہائی زرم دل جو پانی کی طرح سے انتہائی زرم ہوتا ہے سخت دل اچھا اثر قبول نہیں کرتا۔ انتہائی زرم دل پانی کی مانند ہے یہ بھی کچھ نہیں۔

قلب رقیق: قلب رقیق وہ قلب ہے جو نہ پتھر کی طرح سخت ہو اور نہ ہی پانی کی طرح زرم بلکہ درمیانی ہو اور ٹھوس ہونے کے ساتھ ساتھ صاف اور شفاف بھی ہو۔ یہ دل اپنی شفافیت کے سبب درست اور نادرست میں تمیز کر لیتا ہے۔ رقت کے سبب حق قبول کر کے اسے محفوظ کر لیتا ہے اور ٹھوس ہونے کے سبب اپنے دشمن سے مقابلہ پر ڈٹ جاتا ہے۔

قلبِ زجاجی کیا ہے؟ :- ایک اثر میں ہے کہ زمین پر دل اللہ کے برتن ہیں۔ اللہ کے ہاں وہ دل زیادہ عزیز ہے جو سب سے زیادہ دقیق اور ٹھوس اور صاف اور شفاف ہو۔ ایسے قلب کو قلبِ زجاجی کہتے ہیں یعنی شیشے کی مانند دل۔ کیونکہ شیشے میں یہ تینوں اوصاف پائے جاتے ہیں اور رب تبارک و تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بُرا قلب قلبِ قاسی یعنی پتھر جیسا دل ہے۔ ارشاد ربانی ہے یعنی اللہ کے ذکر سے سخت دل والوں کے لیے ویل ہے۔ پھر فرمایا پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے پتھر بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ پھر فرمایا یعنی تاکہ جو شیطان ڈالتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بیمار دل والوں کے لیے فتنہ بنا دے اور پتھر دل والوں کے لیے بھی۔

الحاصل الکلام :- ان آیۂ کریمہ جن کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے کہ دو ٹیڑھے دل بیان فرمائے۔ ایک بیماری سے ٹیڑھا ہے اور دوسرا سنگدلی سے ٹیڑھا ہے۔ اور شیطان کی ڈالی ہوئی باتوں کو ان دونوں کے لیے فتنہ ہے اور تیسرے دل والوں کے لیے رحمت قرار پایا۔ کیونکہ تیسرا دل اپنی صفائی کے سبب شیطانی اور ملکی باتوں میں تمیز کر لیتا ہے اور عجز و رقت کے سبب سے حق قبول کر لیتا ہے اور ٹھوس اور قوی ہونے کے سبب متضاد نفوس سے مقابلہ کرتا ہے۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے تاکہ علم والوں کو یقین ہو جائے کہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے اور حق ہے۔ پھر اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں اور اہل ایمان ہی کو صراطِ مستقیم کی ہدایت سے نوازتا ہے۔

عفو کیا ہے؟ :- انتقام پر قدرت ہونے کے باوجود احسان اور کرم کے طور پر اپنا حق ساقط کر دینا عفو ہے۔ یہ ترکِ حق احسان اور مکارم اخلاق پر ابھارتا ہے۔ اس کے برعکس ذلیل عجز و خوف اور دل کی کمزوری

کے سبب بدلہ چھوڑتا ہے۔ یہ بہت بری صفت ہے اس سے تو وہ بہتر ہے جو بدلہ لے لے۔ پھر ارشاد ربانی ہے یعنی "اور وہ کہ جب ان پر کوئی ظلم ڈھاتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں۔" اس میں ان کی تعریف کی گئی ہے جو اپنا بدلہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ پھر اگر وہ عفو و درگذر کی شریفانہ عادت کے سبب معاف کر دیں تو یہ اعلیٰ مقام ہے۔ پھر ارشاد ربانی ہے یعنی "برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے لیکن جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا صلہ اللہ پر ہے۔ اللہ ظالمین کو نہیں چاہتا۔ یہاں تین قسم کے مقام بیان کیے گئے۔ عدل۔ فضل۔ ظلم۔

قدرت کی مختلف صورتیں:۔ اگر کہا جائے کہ بدلہ لینا اور معاف کر دینا دونوں متضاد ہیں پھر دونوں کس طرح تعریف کے لائق ہو سکتے ہیں۔ تو اس کا جواب اس طرح ہے کہ تعریف بدلہ لینے کی نہیں ہے بلکہ قوت اور قدرت کی تعریف ہے کہ قدرت کے بعد دو صورتیں نکلتی ہیں۔ خواہ برابر ہی بدلہ کیوں نہ لیا جائے یا کہ معاف کر دیا جائے۔ بعض سلف نے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا "لوگوں کو ذلت پسند نہ تھیں لیکن جب بدلہ پر قادر ہوتے تو معاف کر دیا کرتے تھے۔ یہی وہ کمال ہے جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کی بھی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی "اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے اور خوب قادر ہے۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور کمال مہربان ہے۔

کمال قدرت کا اثر عجوبہ:۔ ایک مشہور اثر میں ہے کہ عرش اٹھانے والے چار فرشتے ہیں ان میں سے دو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ! اے ہمارے پروردگار، تمام برائیاں اور پاکیاں تیرے ہی لیے ہیں۔ قدرت کے بعد معافی پر تیری تعریف کا مستحق ہے۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا یعنی "اگر تو انہیں سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور

اگر معاف کر دے تو تو کمال عزت والا اور حکمت والا ہے۔ یعنی تیری معافی عزت والی ہے۔ کیونکہ کمال قدرت کے بعد ہے اور حکمت والی ہے۔ کیونکہ کمال علم کے بعد ہے۔ ان کے اعمال سے واقف ہونے اور ان پر قدرت پانے کے باوجود تو نے ان کی مغفرت فرما دی۔ انسان کبھی تو انتقام سے عاجز ہو کر معاف کر دیتا ہے اور کبھی ظالم کے جرم کی حقیقت سے بے خبر ہو کر انسان کی معافی کا ظاہر تو ظلم اور ذلت ہے اور باطن عزت اور عجز ہے۔ اور انتقام کا ظاہر تو عزت ہے اور باطن ذلت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ معافی سے عزت ہی بڑھاتا ہے۔ اور اپنی ذات کے لیے انتقام لینے والا ذلیل ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ معافی والی عزت ہی کھاتے رہنے سے ذلیل ہو۔ اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے کبھی بھی انتقام نہیں لیا۔ الغرض عفو نفس مطمئنہ کے اخلاق میں شامل ہے۔ اور ذلت نفس امارہ کے اخلاق ہیں۔

انتقام و انتصار کیا ہے؟

بغور دیکھا جائے تو انتقام و انتصار میں یہی امتیاز ہے کہ انتصار کے سبب اور خواہش کی غلامی سے آزاد ہو کر ہی وہ عزت میں اپنے مقدر کا حصہ حاصل کر سکتا ہے پھر جب اس پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ ظالم سے اس وجہ سے انتقام لیتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عزت کی سعادت سے اسے نوازا ہے۔ اسے شرم آتی ہے کہ اس کی عزت پر کوئی ہاتھ ڈالے یا اسے دبائے۔ اور عزیز و حمید والے بندے کی غیرت کا یہ تقاضا نہیں کہ ذلیل ہو۔ چنانچہ وہ ظالم سے کہتا ہے کہ میں اس کا غلام ہوں جس کا غلام ذلیل نہیں ہوتا۔ اور جسے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی اس کے غلام کو ذلیل کرے۔ چونکہ نفس امارہ اپنے اصول پر قائم ہے اس لیے وہ اپنے لذات کے لیے اور اپنا دل ٹھنڈا کرنے کے لیے بدلہ ہی چاہتا ہے۔ اور

اسے ذلیل کرنے ہی کا خواہش مند رہتا ہے۔ لیکن جو نفس اپنی لذت کی ذلت اور اپنی خواہش کی غلامی سے آزاد ہے، اور توحید وانابتِ عزوجل کی عزت پا چکا ہے۔ اسے جب ظلم وستم سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اس عزت کی حمایت میں بدلہ لینے لینے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے بخش رکھی ہے

تقاضائے غیرتِ ایمانی

یہ حمایت حقیقت میں غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھئے کہ جس طرح دو غلام کاشتکار ہیں ایک نے دوسرے کو مارا۔ پٹنے والے نے اپنے مالک کی بہتری کے لیے اور پٹنے والے پر ترس کھا کر کہ کہیں مالک اسے سزا نہ دے، اسے معاف کر دیا۔ پھر مالک نے معاف کرنے والے کا شکریہ ادا کیا اور اسے مزید عزت سے نوازا۔ دوسرا غلام مالک کا پیش کار ہے۔ مالک نے اسے خوب صورت لباس دے رکھا ہے کہ بوقت ضرورت اسے استعمال کرے پھر کسی کوچوان وغیرہ نے اس کے لباس پر کوڑا ڈال دیا یا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اگر یہ اسے معاف کر دے تو اس سے مالک راضی نہ ہوگا بلکہ اس کی سزا سے خوش ہوگا۔ کیونکہ اس نے مالک پر جرأت کی اور مالک کی عزت کا خیال نہیں کیا۔ یہ سزا ہی کا مستحق ہے تاکہ مالک کا دبدبہ قائم رہ سکے۔ اس صورت میں پیش کار کا بدلہ لینا اپنے مالک کے حق کے لیے ہوگا اپنے لیے نہیں ہوگا۔

حضرت علی کا درے مارنا

ایک مرتبہ حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی کے پاس سے گذرے تو اس نے آپ سے شکوہ کیا اور فریاد کی کہ اس نے میرا حق مار لیا ہے اور میرا حق مجھے دیتا نہیں۔ آپ نے حکم فرمایا کہ اس کا حق دے دیا جائے۔ جب

آپ چلے گئے تو ظالم نے جھگڑنا شروع کر دیا اور مستحق کو طمانچہ مار دیا۔ اس شخص نے پھر حضرت خیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے شکوہ کیا۔ آپ نے اس سے کہا تو نے اس پر پہل کی تو مستحق نے کہا اے امیر المومنین میں نے معاف کر دیا اور یہ سلطان کا حق ہے جس کی سوالی ہے۔

رضا کے لیے بدلہ طلبی: حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کسی نے سواری طلب کی اور کہا کہ میں آپ سے اور آپ کے بیٹے سے اچھا شہسوار ہوں۔ آپ کے پاس حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے آستین چڑھا کر زور سے اس کی ناک پر مکہ مارا جس سے اس کی ناک سے خون جاری ہو گیا۔ اس کے قبیلہ کے لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شکوہ کرتے ہوئے بدلہ کا مطالبہ کیا۔ فرمایا اللہ کی ڈانٹ پر میں بدلہ دوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یعنی مغیرہ نے جو بدلہ لیا ہے صرف اللہ کی حمایت اور عزت و ناموس کی خاطر لیا ہے۔ جس عزت و ناموس سے اللہ نے اپنے رسول کے خلیفہ کو نوازا تھا تاکہ اس عزت کے سبب آپ خلافت کے کام بخوبی انجام دے سکیں۔ اور دین قائم کر سکیں۔ آپ نے قصاص اس لیے ترک کیا کہ اس نے اللہ کی عطا کی ہوئی ناموس پر ہاتھ ڈالا تھا۔

سلامتیٔ دل کا راز: دل کی سلامتی میں برائی کا ارادہ کارفرما نہیں ہوتا اور علم ہوتا ہے نادانی اور غفلت کے خلاف کیونکہ یہ جہالت اور کم علمی ہے اور تعریف کے لائق نہیں کیونکہ نقص ہے لوگ اسی کی تعریف کرتے ہیں۔ جو علم کے باوجود برائی نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کی طرف سے سلامت رہتے ہیں۔

کمالیت کا راز: دل کا برائی کے ایک ایک پہلو سے واقف ہو کر برائی

کے ارادے سے محفوظ رہنا کمال کی بات ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں دغاباز اور فریب کار نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی فریب کار مجھے فریب میں پھنسا سکتا ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہایت درجہ ہوشیار اور محتاط تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی جس روز مال اور اولاد کام نہ آئیں گے اسی کو فائدہ پہنچے گا جو قلب سلیم لے کر آئے گا۔

قلب سلیم کیا ہے؟:- قلب سلیم وہ دل ہے جو دلی آفات و بلیات سے محفوظ ہو۔ اس میں شبہ کی بیماری نہ ہو کہ قیاس کی پیروی لازم آئے اور شہوت کی بیماری نہ ہو کہ خواہشات کی پیروی لازم آئے۔

ثقہ کیا ہے؟ ثقہ ایک قسم کا سکون ہے جو ان دلائل و قرائن سے وابستہ ہے جن سے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ قرائن کی طاقت کے مطابق بھروسہ بھی قوی طاقتور اور مستحکم ہوگا۔ خاص طور پر جب کہ وسیع تجربات اور درست فراست میسر ہو۔ گویا یہ لفظ وثاق سے مشتق ہے۔ یعنی دل اس سے جس پر بھروسہ اور حسن ظن ہے اور اس کی محبت اور معاملہ اور اعتماد کی ڈوری سے بندھا ہوتا ہے پھر جب دل سب سے کٹ کر اللہ کی طرف لوٹ آئے تو اس کی قید میں آجاتا ہے اور بندگی کے بندھن سے بندھ جاتا ہے اور آڑے وقت غیر اللہ کی طرف نہیں جاتا بلکہ اللہ ہی اس کا اوزار، اس کی طاقت اور اس کا خزانہ بن جاتا ہے۔ اور بندہ اپنی ضروریات اسی سے طلب کرتا ہے۔

غرۃ کیا ہے؟:- غرۃ یعنی خوش فہمی یہ ہے کہ کسی کو نفس اور شیطان نے اور جھوٹی امیدوں نے دھوکہ دے رکھا ہو اور یہ خوش فہمی ہو کہ معصیت کے باوجود اللہ رحیم و کریم اس کی مغفرت فرمادے گا۔

غرور کیا ہے؟ غرور یہ ہے کہ تم اس پہ بھروسہ کرو جس پر بھروسہ نہیں کیا

جاتا۔ اس سے مطمئن ہو جاؤ جس سے مطمئن ہونا لائق نہیں۔ اور اس جگہ سے فائدے کی امید رکھو جہاں سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جیسے سراب سے دھوکہ کھانے والوں کا حال ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ کفار کے عمل سراب کی مانند ہیں جیسے پیاسا پانی سمجھ کر اس کے پاس جائے تو ایک بوند پانی بھی نہ پائے بلکہ قضائے الٰہی پائے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ عزوجل اس سے پورا پورا حساب لے لے۔ اور اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ سرعت سے حساب لینے والا ہے۔ خوش فہموں کے بارے میں ارشاد ربانی ہے یعنی آپ فرما دیجئے کیا میں تمھیں اعمال میں گھاٹا اٹھانے والوں کی خبر دوں؟ یہ وہ ہیں جن کے دنیا میں عمل غارت ہو گئے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھے عمل کر رہے ہیں۔ جب پردہ اٹھ جائے گا اور اعمال کے حقائق سامنے آئیں گے تو انھیں معلوم ہو گا کہ وہ کسی عمل پر بھی نہیں تھے۔ پھر ارشاد ربانی ہے یعنی انھیں اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وہ معاملہ پیش آنے کا جس کا انھیں گمان بھی نہیں تھا۔

خشیت الٰہی کیا ہے؟ ۔۔ ایک معروف اثر میں ہے کہ جب تم گناہوں کے باوجود اپنے اوپر نعمت خداوندی کی بھرمار دیکھو تو اللہ سے ڈر جاؤ۔ یہ حالت استدراجیہ ہے۔ قرآن کہتا ہے یعنی جب وہ وہ چیزیں بھول گئے جن سے انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ پھر جب وہ نعمتوں پر اترانے لگے تو ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا پھر وہ ناامید ہو گئے۔

عظیم دھوکہ ۔۔ یہ ایک عظیم دھوکہ ہے کہ ایک طرف سے تو نعمتوں کی فراوانی ہے اور دوسری طرف معصیت کی طغیانی ہے۔ شیطانی مردود دھوکہ دینے پر مستقر رہے اور نفس امارہ اس کے دھوکہ میں آ گیا ہے۔ پھر جب بغاوت والی راہ لے اور گناہ میں ڈٹ لینے والی راہ لے اور دھوکہ دینے والا شیطان اور دھوکا

کھانے والا نفس سب اکٹھے ہو جائیں تو اختلاف نہ ہو گا۔ شیطان نے دھوکہ کھا جانے والوں کو اللہ کی طرف سے دھوکا دیا ہے اور غضب الٰہی بھڑکانے والے گناہوں کے باوجود اس کے عفو و درگذر کا لالچ دے رکھا ہے اور دل کے سکون کے لیے توبہ کی اُمید بھی دلا دی ہے۔ پھر دلوں میں پھونکتا رہتا ہے کہ ابھی جلدی کیا ہے توبہ کر لینا ما آخر انسان کو توبہ کے دروازے تک پہنچنے نہیں دیتا کہ موت آ کر گلا دبا دیتی ہے۔ ابلیس نے لوگوں کو بُرے حال پر جکڑ رکھا ہے۔ ارشاد ربانی ہے یعنی اور خواہشات نے تمھیں دھوکا دیا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ پہنچا۔ اور تمھیں اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے شیطان نے دھوکا میں رکھا پھر ارشاد ربانی ہے یعنی لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے خبردار دنیا کی زندگی تمھیں دھوکا نہ دے اور نہ ہی اللہ کی طرف سے ابلیس دھوکے میں ڈالے۔

دھوکے میں کون؟ یاد رہے وہ شخص سخت دھوکے میں ہے جسے نعمت خداوندی نصیب ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ میں ان کا مستحق ہوں۔ اور میرے خیال میں حساب کا دن آنے والا ہے اس لیے خوب جی بھر کر دل کے ارمان کیوں نہ نکالوں۔ پھر دھوکے کے گھپ اندھیرے میں قدم رکھ کر کہتا ہے کہ اگر میں اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے گیا بھی تو اللہ کے پاس میرے لیے بھی جنت اور عزت ہے۔ لہٰذا شیطان سے دھوکا کھایا ہوا اس کے وعدوں اور آرزوؤں سے دھوکا کھاتا ہے۔ اور نعمت دنیا اور نفس امارہ شیطان کی امداد کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ گناہوں پر جما رہتا ہے اور ایک روز تباہی کے گڑھے میں گر کر ختم ہو جاتا ہے۔

رجا اور تمنا کیا ہے؟ یاد رہے کہ رجاء کامیابی کے اسباب فراہم کرنے میں انتہائی دوڑ دھوپ اور سعی کے ساتھ وابستہ ہے اور تمنا یہ ہے کہ کامیابی کے اسباب فراہم کیے بغیر سمجھ جائے کہ کامیاب ہو جاؤں گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرت کی جہاد کیا یہی اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔

الحاصل الکلام:- معلوم ہوا کہ سوائے ان لوگوں کے دوسرے سے رجا کا فرش پیٹ دیا گیا ہے۔ لیکن خوش فہم لوگ کہتے ہیں کہ دل کھول کر گناہ کرنے والے اور قہر و غضب الٰہی کو بلانے والے بھی اس کی رحمت کے اُمیدوار ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نفس و شیطان اپنے ماننے والوں کو اسی خوش فہمی میں مبتلا رکھا کرتا ہے۔

رجا کی صحیح نشانی:- رجا کا حق اسے پہنچتا ہے جو اللہ عزوجل سبحانہٗ و تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے وعدوں کو پیش نظر رکھ کر بڑے ذوق و شوق سے نیکیاں خلوص کے ساتھ کرتا رہتا ہے جیسے کوئی نصب العین سامنے رکھ کر اس کے حاصل کرنے کی ہر ممکن جدوجہد کرتا ہے۔ رجا کی صحیح نشانی یہ ہے کہ راجی کو ترک اعمال سے بہشت کے اور بہشت کی نعمتوں کے فوت ہو جانے کا ڈر لگا رہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جو کسی صاحب عزت اور معزز مکرم عورت پر پیام ڈالے۔ پھر جب نکاح کا اور معزز اور اکابر کے اجتماع کا وقت آئے تو وہ اچھی طرح نہا دھو کر اور پاک و صاف ہو کر خوب صورت کپڑے زیب تن کر کے بہتر سے بہتر خوشبو لگا کر اور بن سنور کر نکاح کے لیے روانہ ہو اور راستہ میں گرد و غبار سے اور کوڑا کرکٹ سے اور داغ دھبوں سے نہایت احتیاط سے کپڑوں کو بچائے۔ پھر جب اس کے مکان کے دروازے پر پہنچے تو لوگ اس کا بہتر طریقے سے استقبال کریں۔ اسے اونچی جگہ پر فرش پر بٹھائیں۔ مجلس میں آنکھیں اس پر جم جائیں اور ہر کونے سے اس کی آبرو کی جائے۔ اگر یہ شخص بن سنور کر کھنڈریں پر جا بیٹھے یا زمین پر

لوٹنے لگے اور گندگی سے لتھڑ جائے جو اس کے کپڑوں، اس کے بدن، اس کے بالوں پر لگ جائے اور اسی حالت میں ساس کے گھر چلا جائے اور گھر میں پہلے وعدے کے سبب داخل ہونا چاہے تو چوکیدار اُسے ڈرا دھمکا کر بھگا دے گا۔ پھر وہ مایوس ہو کر واپس لوٹے گا۔ پہلی حالت راجی کی تھی اور دوسری حالت متمنی کی ہے۔

ایک اور مثال یوں سمجھو کہ ایک شہنشاہ ہے جو بے حد غیرت مند اور امانت دار اور معاملات میں خوب سے خوب تر ہے اور کسی کا حق نہیں کھاتا۔ لیکن اُس کی طرف کوئی دیکھتا بھی نہیں ہے۔ پردہ ہی پردہ میں معاملات کرتا ہے۔ اس کا تجارتی سامان لونڈی اور غلام معاملہ کرنے والوں کے لئے موجود ہیں۔ اس کے پاس دو شخص آتے ہیں ایک شخص اس سے صدق و امانت اور خیر خواہی سے معاملہ کرتا ہے جس سے کبھی دھوکا، خیانت اور مکر و فریب دیکھا ہی نہیں گیا۔ یہ شخص شہنشاہ کو اپنا تمام مال فروخت کر دیتا ہے اور اس کے لونڈی غلام پر اسے کامل اعتماد ہے۔ یہ شخص جب شہنشاہ کو فروخت کرنے کے لیے کوئی شے لاتا ہے تو اچھی سے اچھی لاتا ہے اور اگر اپنے ہاتھ سے بناتا ہے تو اس کی خوبصورتی اور آرائش میں خوب کوشش کرتا ہے اور اس کا باطن ظاہر سے زیادہ حسین و جمیل ہے اور دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی شکل وصورت، مقدار اور ہیئت، لطافت اور نزاکت اور تمام شرائط کا پاس رکھتا ہے۔ اور دوسرا شخص گھٹیا شے لے کر آتا ہے جو خالص بھی نہیں ہوتی نہ ہی ہمدردی سے بنائی گئی ہے اور نہ ہی ہدایات کے مطابق ہے بلکہ اُس نے مرضی کے مطابق بنالی ہے۔ اور ان تمام باتوں کے باوجود مالک کے غائب ہونے کے سبب موقع کو غنیمت جانتے ہوئے خیانت بھی کر لیتا ہے۔ شہنشاہ کے احترام کو برقرار نہیں رکھتا۔ اسے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر

قادر ہو جائے تو شہنشاہ کو ناراض کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ اسی حال پر ان دونوں پر ایک زمانہ گزر جاتا ہے۔ ایک دن ان سے کہا جاتا ہے کہ آج شہنشاہ اپنے گاہکوں کے پاس حساب لینے کے لیے اور انھیں ان کے حقوق دینے کے لیے آئے گا۔ یہ دونوں شخص ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور شہنشاہ ہر ایک کو استحقاق کے مطابق دیتا ہے۔

الحاصل الکلام: ان دو مثالوں سے معلوم ہوا کہ راجی کا نصب العین جنت ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لیے شب و روز سعی کرتا رہتا ہے۔

رجا کی حقیقت: حقیقت میں رجا دلی رجحان کا نام ہے۔ یہ اسی دلی رجحان کے موجب اپنے مقصد کے لیے حاصل کے لیے کما حقہٗ تیاری میں لگا ہوا ہے اور اسے ہر وقت دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کہیں مقصد جاتا نہ رہے۔ اس لیے پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا ہے۔

رجا کی اصل: رجا کی اصل تخلی یعنی ہٹ جانا ہے یعنی سب سے کٹ کر محبوب کی طرف دل کا متوجہ ہونا اور نفس امارہ اور اس کی دعوات سے ہٹ جانا ہے۔ یہ شان نفس مطمئنہ کی ہے۔ جب دل کی بصیرت کھل جاتی ہے اور اس کی نظر عقبیٰ کی نعمتوں اور تکالیف پر ہوتی ہے تو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ اور عقبیٰ کی طرف جو سفر اختیار کرتا ہے تو خائف ہو کر بڑھتا ہے۔ اس سے پہلے وہ دنیا میں اور اس میں شہوتوں میں گرفتار تھا۔ جب نفس کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو بلا ہر نعمت والی جنتوں میں عزیز و رحیم کی ہمسائیگی کو طلب کرنے کے لیے بڑھتا ہے۔

الحاصل الکلام: معلوم ہوا کہ ہر خوف کرنے والا راجی ہے اور ہر راجی

خوف کرنے والا ہے اس لیے ایک دوسرے کی جگہ استعمال کر لیا جاتا ہے۔ کیونکہ راجی کا دل خوف کھانے والے کے قریب قریب ہے۔ راجی کا دل نفس امارہ اور شیطان کی ہمسائیگی سے ہٹ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے روبرو بہشت کا علم نصب ہے اور وہ اس کی تیاری میں مصروف ہے۔ اور اس کا قلبی رجحان اسی کی جانب ہے اور خائف بھی۔ ان دونوں کی قربت سے بھاگ رہا ہے۔ اور دنیا میں ان دونوں کی قیود میں پڑنے سے اللہ کی پناہ مانگ رہا ہے کہ کہیں بعد از موت اور بروز محشر انھیں کے ساتھ محبوس نہ کر دیا جائے۔ کیونکہ انسان دنیا و آخرت میں اپنے قرین کے ساتھ ساتھ ہے۔ پھر جب یہ ڈراوے سنتا ہے تو دونوں گھروں میں بد ہمسائیگی سے ہٹنے لگتا ہے اس لیے اسے خائف کہا جاتا ہے اور جب وعدے سنتا ہے تو خوشی اور شوق سے کامیابی کی اُمّید پر اس کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے اس لیے راجی کہا جاتا ہے۔ الغرض دونوں حال باہم لازم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی تمھیں کیا ہو گیا۔ اللہ کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے۔

قربِ حق سے دُوری کیوں؟

یاد رہے کہ جب بندہ پروردگار عالم کی دوستی اور اس کی مدد کو ٹھکرا دیتا ہے تو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ اس کی دوستی کو ٹھکرا دیتا ہے اور اس کے دوست نفس اور شیطان بن جاتے ہیں۔ اور انسان کو اس کے نفس پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر یہ اللہ کی مدد کے بغیر نفس کی مدد پر رہ جاتا ہے۔ اور اللہ کی مدد وُلایت کی جگہ نفس اور شیطان کی ولایت اور نفس اور خواہشات کی مدد لے لیتی ہے اور رجا کے لیے باقی جگہ نہیں رہتی۔ اگر تم سے نفس کہے کہ میں رجا کے مقام پر ہوں تو اس کی دلیل مانگو اور کہہ دیجیے کہ یہ تو تمنا ہے۔ ہوشیار طمع اور رجا پر نیکیاں کرتا رہتا ہے اور احمق و بیوقوف نیکیاں ترک کر دیتا ہے۔ اور اُمیدوں پر بھروسہ

کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اور انھیں رجا کے نام سے پکارتا ہے۔

اظہارِ نعمت کی کیفیات:- یاد یہ ہے کہ اظہارِ نعمت کرنے والا منعم کی خوبیوں کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی بخشش اور اس کے احسان کو سراہتا ہے۔ ایک طرح سے اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کی تمام نعمتوں کو نشر کرتا ہے۔ جس سے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ صفاتِ الٰہیہ کا اظہار ہو۔ اس کی حمد و ثنا اور نفس کو اسی سے مانگنے پر ابھارا جائے اور دوسروں سے قطع نظر کر لی جائے اور اسی سے محبت و رجا کا شوق دلایا جائے۔

فخر کی کیفیات:- فخر یہ ہے کہ ان نعمتوں کے سبب سے لوگوں پر اپنی بڑائی جتائی جائے۔ اور انھیں یہ بات دکھائی جائے کہ میں تم سے معزز اور اونچا ہوں۔ تاکہ ان کی گردنوں پر سوار ہو کر ان کے دل غلام بنا لیے جائیں اور انھیں اپنی تعظیم و خدمت کی طرف مائل کیا جائے۔

نعمان بن بشیر کا بیان:- نعمان بن بشیر نے بیان کیا کہ شیطان کے جال بھی ہیں اور پھندے بھی ہیں۔ ایک جال یہ بھی ہے کہ نعمتِ الٰہیہ کے ذریعہ سے پکڑ لے کہ انسان اللہ کے بندوں پر فخر اور غرور کرنے لگے اور اللہ کے سوا دوسروں کے آگے سر خم کرے۔

دل کی فرح کی کیفیت:- دل کی فرح اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ پر ایمان لاکر اس کی معرفت و محبت پیدا کر کے اور اس کا کلام پڑھ کر حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کی جانب نازل کردہ احکام سے خوش ہوتے ہیں۔ پھر جب اہلِ کتاب وحی سے خوش ہوتے ہیں تو اولیاء اللہ ان سے بھی زیادہ اس سے خوش ہونے کے مستحق ہیں۔ ارشاد ربانی ہے یعنی اور جب ان پر کوئی سورت نازل کی

جاتی ہے تو بعض ان میں سے دریافت کرتے ہیں کہ اس نے کس کا ایمان بڑھایا پھر یہ اہلِ ایمان کا ایمان بڑھاتی ہے اور وہ کھل جاتے ہیں۔ پھر ارشاد ربانی ہے یعنی آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل و کرم سے مومنین کو خوش ہونا چاہیئے یہ ان کے جمع کیے ہوئے مال سے بہتر ہے۔

اکابر کے نزدیک اللہ کا فضل کیا ہے؟ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کا فضل قرآن ہے اور اس نے اپنی کمال مہربانی اور کرم سے تمہیں اس کا اہل بنایا۔

اسلام کیا ہے؟ ہلال بن یساف کے نزدیک اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کی مہربانی اور اُس کا فضل اسلام ہے جس نے اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ اور قرآن ہے جو تمہیں سکھایا جو تمہارے لیے سیم و زر سے بہتر ہے جو تم جمع کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس اور جمہور کی نظر میں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جمہور کے نزدیک فضل اسلام ہے اور رحمت قرآن ہے۔ یہ فرح قلب ہے اور ایمان سے ہے اور اس پر ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس سے خوش ہونا اس سے راضی ہونے کی علامت ہے بلکہ فرح رضا سے بھی اوپر ہے کیونکہ اس سے فرح بقدر محبت کے حاصل ہوتی ہے کیونکہ فرح محبوب کے وصال سے بقدر محبت کے پیدا ہوتی ہے۔

فرح کیا ہے؟ فرح اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ پہ اور اللہ کے اسماء اور اللہ کی صفات پر اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کے طریقہ پر، ایمان کا جوہر، ایمان کا خلاصہ اور ایمان کا

مضمر ہے۔ اور دل میں اس فرح سے ایک عجیب قسم کی عبودیت اور آثر نمایاں ہوتا ہے جس کی تعبیر الفاظ میں نہیں سما سکتی۔ لہٰذا یہ فرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں افضل ہے بلکہ تمام نعمتوں کا عطر ہے۔ اسی فرح پر حقیقی کی فرح کا انحصار ہے محبوب تک رسائی حاصل کرنے کی فرح محبت کے ضعف و قوت کے مطابق پیدا ہوتی ہے۔

فرح قلبی کیا ہے؟: فرح قلبی کی یہی شان ہے۔ دل کے لیے ایک اور فرح بھی ہے یعنی اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ والی فرح جو اس کے ساتھ معاملات سے، اخلاص و توکل سے اور خوف و رجا سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جوں جوں یہ چیزیں دل میں جڑیں پکڑتی ہیں فرح اور مسرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حیرت انگیز فرح: ایک اور فرح بھی ہے جو بڑی آثر والی اور حیران کرنے والی ہے۔ یہ وہ فرح ہے جو دل کو توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ گناہ سے دل کو ایسی خوشی حاصل نہیں ہوتی جیسی خوشی توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔

توبہ کی لذت کا راز: اگر معصیت خواہ کو معلوم ہو جائے کہ توبہ کی لذت حقیقت کی لذت سے ہزار ہا درجہ بڑھی ہے تو معصیت کی بہ نسبت توبہ کی طرف دوڑ کر جائے۔ اس لذت کے راز سے وہی واقف ہے جسے بندہ کی توبہ سے اللہ کی فرح کا حال معلوم ہے کہ اس کی حد بندی ہی نہیں ہو سکتی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے اور اس میں انسان کی وہ خوشی ظاہر فرمائی ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسری خوشی نہیں۔

ایک عمدہ مثال: یاد رہے کہ ایک شخص خورد و نوش کا سامان لاد کر سواری پر سوار ہو کر چل پڑتا ہے۔ چلتے چلتے کہیں آرام کرنے کے لیے ٹھہر جاتا ہے اور سواری باندھ کر لیٹ جاتا ہے۔ اتفاقاً اس کی آنکھ لگ جاتی ہے

پھر جب آنکھ کھلتی ہے تو سواری نظر نہیں آتی ۔ صاف میدان ہے اور تباہی کا سماں ہے ہر طرف سناٹا ہی سناٹا ہے ۔ ہر طرف سواری کو تلاش کرتا ہے مگر سواری نہیں ملتی ناامیدی کے خیال میں اسی مقام پر آ کر موت کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے ۔ بالآخر چاند نکل آتا ہے اور دُور دراز تک اس کی روشنی پھیلتی ہے ۔ یعنی دیکھتا ہے تو چاندنی رات میں اسے اپنی سواری نظر آ جاتی ہے جس کی نکیل ایک درخت سے اٹکی ہوئی ہے ۔ اس کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے اور خود فراموشی میں بے ساختہ اس کی زبان سے نکل جاتا ہے الٰہی تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں ۔ بیچارہ مارے خوشی کے بے خبری میں کیا کہتا ہے فرمایا اس سے بھی زیادہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے مسرت ہوتی ہے لہٰذا یہ حقیقت بھی انکار کے قابل نہیں کہ انسان کو توبہ سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے ۔

الحاصل کلام : معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نوع کی خوشی سخت تکالیف برداشت کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے ۔ اگر انسان تکالیف برداشت کرتا رہے تو اسے فرح کی لذت نصیب ہو جائے گی ورنہ کچھ بھی نصیب نہ ہو گا اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس لذت کو ترجیح دی تھی وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہے گی اور اسے غم کی چاشنی چکھنی پڑے گی ۔ جو تکلیف دینے والی اشیاء کے وجود اور آرام دینے والی چیزوں کے جاتے رہنے سے مرکب ہے ۔

ایک عظیم جوہر : ایک خوشی تمام خوشیوں اور لذات سے بڑی اور تمام کا جوہر ہے اور وہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ دنیا کو ترک کر کے اللہ کی طرف قدم اٹھاتا ہے ۔ اس وقت اس کے پاس ملائکہ آکر اسے دیدارِ خداوندی کی خوشخبری دیتے ہیں اور موت کا فرشتہ رُوح کو نکل آنے کا حکم دیتا ہے اور اسے رحمتِ خداوندی ، روزی ، رضا کی بشارت سناتے ہیں ۔ اگر توبہ کرنے والے

کے پیش نظر صرف یہی ایک فرحت ہو تو عقل کا تقاضا ہے کہ اسے ہی ترجیح دی جائے۔ لیکن یہاں تو ماشاء اللہ مومن کے لیے نوع بہ نوع خوشی کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو عزیز رُوح کے استقبال کے لیے عزیز اشکال میں فضا میں زمین سے لے کر آسمان تک ملائکہ کا اجتماع ہے۔ دوسری جانب رُوح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل رہے ہیں، ملائکہ دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اسے ہر آفاق کے ملائکہ رخصت کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ کس قدر خوشی کی بات ہے کہ آج رُوح کو اپنے پروردگار، اپنے دوست اور اپنے محبوب کے رُوبرو کھڑا ہونے اور سربسجود ہونے کی اجازت مل گئی ہے۔ اور پھر رب تعالیٰ کے کلمات طیبات سننے کی سعادت بھی حاصل ہے کہ فرشتو! میرے بندے کا اعمال نامہ علیین میں لکھ دیجئے۔ پھر بہشت کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی تیار کی ہوئی نعمتیں بھی دکھائی جاتی ہیں کہ یہ تمہارے ہی لیے ہیں۔

ملاقات کا راز۔ احباب و اقارب سے ملاقات ہوتی ہے۔ سب کے سب مل کر خوشی حاصل کرتے ہیں جیسا کہ کوئی عرصہ دراز سے ملا ہوا ہو اور اپنے اعزہ و اقرباء سے مل کر خوش ہوتا ہے۔ یہ تمام کو بہتر حالت میں دیکھتا ہے اور گذرے ہوؤں کے حالات سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ تمام خوشیاں فرحتِ اکبر سے پہلے کی ہیں۔ قیامت کے روز کی خوشیوں کا حال کیا دریافت کرتے ہو۔ عرش بریں کا خنک سایہ ہوگا۔ کوثر کے بھرے ہوئے جام ہوں گے۔ دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ہوگا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا۔ چہرے خوشی سے گلاب کی مانند کھلے ہوئے ہوں گے۔ ایک بے مثال بجلی کی چمک جیسی روشنی آگے آگے ہوگی۔ بغیر رکاوٹ کے پل کو پار کرنے کے اسباب مہیا ہوں گے اور جنت کے دروازے کھٹکھٹانے کے بھی موقف میں بھی جنت قریب ہی تھی۔ رضوان اور فرشتے دور سے ہی سلام کر رہے ہوں گے

مبارک بادیاں دے رہے ہوں گے۔ قابلِ رشک مراتب

قابلِ رشک سماں : اور محلات کی خوشخبری سنا رہے ہوں گے۔ اور حور د غلمان کی خوشخبری دے رہے ہوں گے۔ پھر اس کے بعد ایک اور فرحت بھی ہے جس کے روبرو تمام خوشیاں ہیچ ہیں۔ یہ خاص طور پر اولیاء اللہ کے لیے ہے جنہیں اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کا یقین تھا۔ اور ایمان تھا کہ وہ محشر کے روز اپنے محبوب رب رحیم و کریم کا چہرہ دیکھیں گے۔ آج ان کا رب انہیں اوپر سے سلام کرے گا اور ان سے باتیں کرے گا اور آمنے سامنے کلام کرے گا۔

جزع کیا ہے؟ جزع نفسانی کمزوری اور دل کا خوف ہے

جزع کیا ہے؟: جسے حرص و طمع کی سختی تقویت پہنچاتی ہے۔ اور یہ تقدیر پر ایمان کی کمزوری سے پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ جب یہ یقین ہو کہ تقدیر کا تحریر کردہ تو سامنے آکر ہی رہے گا تو ہائے وائے صرف تکلیف ایک دوسری مصیبت ہے۔ ارشاد ربانی ہے یعنی تم کو روئے زمین پر یا خود تمہارے نفوس میں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں ہے۔ بلاشبہ یہ بات رب تعالیٰ جل مجدہ الکریم پر بہت آسان ہے تاکہ جاتی رہنے والی چیز دل پر غم نہ کھاؤ اور حاصل کی ہوئی نعمتوں پر اتراؤ نہیں۔

رقت قلب شریعتِ مطہرہ کے خلاف نہیں

رقت قلب کیا ہے؟: رقت صفت رحمت سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نرم مزاج بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ حضور سید عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نرم دل تھے اور نہایت صابر بھی تھے۔

معلوم ہوا کہ نرم دلی رحمت و شفقت ہے اور ہائے ہائے کرنا

الحاصل الکلام: بیماری اور کمزوری ہے۔

آخرت کی راہوں کا مسدود ہو جانا:۔ یاد رہے کہ جزع دنیا میں بیمار دل کی کیفیت ہے جیسے نفس امارہ کے دھوئیں نے سیاہ کر کے اس کی سانسیں تنگ کر دی ہوں اور اس پر آخرت کی راہیں مسدود کر دی ہوں نفس اور خواہشات کی جیل میں بند کر دیا ہو۔ جو انتہائی تنگ و تاریک ہے اس لیے وہ ذرا سی مصیبت بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور گھبرا اٹھتا ہے۔ اگر دل میں وعدوں پر ایمان اور یقین کا نور ہو اور دل اللہ کے جلال اور اللہ کی محبت سے معمور ہو تو نرم ہو جائے اور اس میں رافت و رحمت جھلکنے لگے۔ پھر تم اسے ہر عزیز و مسلمان پر رحیم و شفیق پاؤ۔ انسان تو انسان وہ تو بل میں چیونٹی پر بھی اور آشیانے میں پرندے پر بھی کمال مہربان ہو جاتا ہے۔ یہ دل اللہ سے قریب تر ہے۔

بچوں پر شفقت و مہربانی:۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات بچوں پر کمال درجہ مہربان تھے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی پر رحم کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل میں رحم اور نرمی کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور اگر اسے عذاب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل سے رحمت و شفقت کا جذبہ نکال دیتا ہے اور اس کی جگہ سنگ دلی رکھ دیتا ہے۔

رحم کا بدلہ رحم:۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ بدبخت ہی سے رحمت نکال دی جاتی ہے۔ اسی حدیث شریف میں ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

اہل بہشت کی اقسام:۔ بہشتی تین اقسام میں منقسم ہیں:۔

۱۔ انصاف پسند اور صدقہ کرنے والا بادشاہ۔

۲۔ ہر عزیز و مسلمان پر مہربان اور نرم دل شخص۔

۳۔ بچوں والا ہاتھ نہ پھیلانے والا پاک دامن شخص۔

اُمت محمدیہ میں صاحبِ فضیلت کون؟ یاد رہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام اُمتِ محمدیہ پر اسی لیے فضیلت حاصل ہے کہ آپ کے دل میں عام رحمت تھی۔ جو صدیقیت سے بھی زیادہ تھی اسی سبب سے اس کا اثر تمام مقامات پر دیکھا گیا یہاں تک کہ اہلِ بدر قیدیوں میں بھی رہائی کا آپ کے ہی مشورہ پر فیصلہ۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دی۔

وجد کا انکشاف: وجد یعنی ناراضی غم ہے۔ درد وہ چیز کا احساس و علم ہے کہ دل اسے ہٹانے کی کوشش میں مصروف ہو جائے لہٰذا وجد کمال ہے۔

حقد کیا ہے؟ حقد دل میں بُرائی رکھ کہ ہر وقت اس بات کی توقع رکھنا کہ دوسرے میں یہ بُرائی پائی جائے۔ یہ فکر دل سے کبھی بھی ہٹتا نہیں ہے۔

وجد و حقد میں امتیاز: وجد و حقد میں امتیاز یہ ہے کہ وجد تم کو دوسروں تک پہنچتا ہے اور حقد تم سے دوسروں کو پہنچتا ہے یعنی وجد اس ایذا کا نام ہے جو تمہیں پہنچ رہی ہے۔ اور حقد اس مقابلہ کا وجود ہے جو تم سے دوسروں کو پہنچ رہا ہے۔ لہٰذا وجد تو بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور حقد آسانی سے ختم نہیں ہوتا۔ حقد دل کی تنگی سے اور نفس کی تاریکی اور وسوسہ کے غلبہ

سے پیدا ہوتا ہے۔ اور موجودہ دل کی قوت اور دل کی صلابت سے اور اس کے نور
و احساس سے پیدا ہوتا ہے۔

منافست کیا ہے؟ منافست میں اس کمال کی رغبت پائی جاتی ہے جسے تم دوسروں
میں دیکھو۔ اور اسے اپنے اندر بھی پیدا کرنے کی سعی کیجئے بلکہ
اس کمال میں بڑھنے کی جدوجہد کیجئے۔ یہ صفت نفس کی شرافت اور بلند ہمت اور عظیم القدر
ہونے کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی اور رغبت کرنے والوں
کو انہیں جیسی نیکیوں میں رغبت کرنی چاہیئے۔

لفظ منافست: لفظ منافست نفیس سے بنا ہوا ہے۔ عمدہ اشیا کی طرف
عام طور پر لوگوں کو رغبت ہوتی ہے۔ اور اُسے حاصل کرنے
کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اور اگر کچھ آدمی مل کر اسے حاصل کریں تو ہر شخص آگے بڑھنے
کی سعی کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کیا
کرتے تھے اور شرکت سے خوش ہوتے تھے۔ بلکہ ان پر ایک دوسرے کو ابھارا کرتا ہے
اور سب ہی اس میں حصہ لیا کرتے تھے۔

مسابقت کی بھی ایک قسم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی نیکیوں میں دوڑ لگاؤ جس
کا عرض آسمان کے عرض کی طرح ہے۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کے درپے تھے۔ پھر جب حضرت
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی تو حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ
عنہ نے کہا اب میں کبھی بھی آپ کے ساتھ دوڑ نہیں لگاؤں گا اور فرمایا میں نے جب بھی
میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوڑ لگائی میں ان سے پیچھے ہی رہا۔ ہر بار
وہی جیتے۔ دو متنافس ان دو غلاموں کی طرح ہیں جو اپنے مالک کی پسند کی ہوئی اور
پیاری چیزوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ مالک

دونوں سے خوش ہوتا ہے اور وہ باہم ایک دوسرے سے خوش ہیں۔

حسد کیا ہے ؟ :- حسد ایک قابلِ مذمت اور ناقص العمل عادت ہے۔ اس میں نیکی کی حرص رونما نہیں ہوتی۔ نفس اپنی سستی اور عاجزی کے سبب ان سے جلنے لگتا ہے جو قابلِ تعریف صالح اُمور میں بڑھتے ہیں۔ اور یہ ارادہ بدرکھتا ہے کہ کاش وہ صالح اُمور کو ترک کر دیں تاکہ اسی کی سطح پر آکھڑے ہوں۔ ارشاد رب العالمین جل مجدہ الکریم ہے یعنی کافر چاہتے ہیں کہ ان کی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ اور تم سب برابر ہو جاؤ۔ پھر ارشاد رب کائنات ہے یعنی بہت سے اہلِ کتاب چاہتے ہیں کاش وہ تمھیں تمھارے ایمان کے بعد کافر بنا دیں۔ تم سے انھیں جلن ہے حالانکہ حق ظاہر ہے۔

الحاصل کلام :- معلوم ہوا کہ حاسد نعمت کا دشمن ہے اور دوسروں سے اس کے جاتے رہنے کا متمنی رہتا ہے کہ اگر میرے پاس نہیں تو اس سے بھی چھن جائے۔ اور منافس نعمت میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور خواہش مند ہوتا ہے کہ یہ نعمت مجھ پر اور میرے رفقاء پر مکمل ہو جائے اور اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسروں سے بڑھ جائے یا کم از کم ان کے مساوی ہی ہو جائے۔

حاسد کیا ہے ؟ حاسد زوالِ نعمت کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اکثر نیک اور قابل لوگ منافست سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں اسے پکڑ لوں۔ اور اگر ممکن ہو تو آگے بھی نکل جاؤں۔ کبھی منافست محمودہ پر بھی حسد بول دیا جاتا ہے۔

حدیث شریف سے استدلال :- ایک حدیث شریف میں ہے کہ دو اشخاص پر ہی حسد ہے ایک تو اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو اور وہ اس پر شب و روز عمل کر

رہا ہو۔ اور دوسرے اس پر جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال دیا ہو۔ اور وہ اسے فی سبیل اللہ خرچ کر رہا ہو۔ اسے اُردو میں رشک یا غبطہ کہتے ہیں۔

محبت ریاست اور

محبت ریاست اور محبت امارت میں امتیاز: محبت امارت میں امتیاز وہی ہے جو تعظیم شرع اور تعظیم نفس میں امتیاز ہے۔ دین کی عظمت کرنے والا یہی چاہے گا کہ اطاعتِ الٰہی کی جائے اور دامن کو معصیت سے محفوظ کیا جائے اللہ کے دین کو ارفع کیا جائے اور ہر جگہ اسی کا بول بالا ہو۔ لوگ شریعتِ مطہرہ کے قانون کے مطابق زندگیاں ڈھال لیں اور اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کے احکام کو معاشرتی زندگی میں داخل کر لیں۔ یہ شخص جذبۂ پرستش میں مخلص ہے اور لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں بھی۔ اسی لیے وہ دینی امامت چاہتا ہے بلکہ بارگاہِ الٰہی میں دعائیں مانگتا ہے کہ الٰہی اسے اہلِ تقویٰ کا امام بنا دے کہ اللہ کے صالح بندے اس کی اتباع کریں۔ جس طرح کہ یہ اللہ کے صالح بندے کر رہے ہیں۔ پھر اگر یہ اللہ کا بندہ جو دعوت الی اللہ کا علمبردار ہے یہ تمنا کرے کہ وہ لوگوں کی نظروں میں صاحبِ عزت، دلوں میں عزیز اور ایسا رعب دار بن جائے کہ لوگ اس کے نقشِ قدم پر چلیں۔ اور اس کے ذریعہ رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء کے نقشِ قدم کی سراغ رسانی کر سکیں، تو کچھ حرج نہیں بلکہ اس کی یہ تمنا تعریف کے لائق ہے۔ کیونکہ وہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کے دین کی اشاعت کا پاک جذبہ رکھتا ہے کہ صرف اللہ ہی کی پوجا کی جائے اور اسے ہی مانا جائے، توحید باری تعالیٰ کو پھیلایا جائے۔ دین اسلام کا چرچا کیا جائے اور لوگ اس کی اتباع کریں۔ گویا وہ ایسی طاقت کا متمنی ہے جو اس کے نیک مقصد میں معاون ثابت ہو۔ اور وہ یہ نیک کام آسانی سے انجام دے سکے۔ اسی لیے اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ نے اپنے

خاص اور مقرب بندوں کا کتاب مبین میں ان کے بہترین اعمال اور بہترین اوصاف کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے یعنی اور جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں ہماری ازواج اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں اہلِ تقویٰ کا پیشوا بنا۔

الحاصل الکلام:۔ ان کی یہ تمنا ہے کہ ان کے بیوی بچے اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے بن جائیں تاکہ ان کی آنکھیں خنک ہو جائیں۔ اور اللہ کی اطاعت و عبودیت پر صالح لوگ ان کی اطاعت کریں۔ تاکہ ان کے دلوں کو سرور حاصل ہو۔ کیونکہ اطاعت پر امام اور رعایا باہم ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ایسی چیز مانگی جس سے اللہ کی اتباع اور اللہ کی رضا کے کاموں پر نیک لوگوں کا ہاتھ بٹائیں۔ اور وہ امامت کے ... لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے۔ اس امامت کی بنیاد صبر اور یقین ہے۔

امامت کا حصول کیسے اور کیوں ؟:۔ ارشاد باری تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہے جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین کیا تو ہم نے انھیں امام بنا دیا کہ ہمارے حکم کی رہنمائی کریں۔ ان کی امامت کے لیے دعا گو یہ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں امامت کی ہدایت دے اور اعمال کی توفیق دے اور نافع علم اور صالح عمل سے ظاہر اور باطن سنوار کے جن کے بغیر امامت مکمل نہیں ہوتی۔

الحاصل الکلام:۔ توجہ فرمائیے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے انھیں ان آیات مبارکہ میں اپنے نام پاک رحمان کی جانب منسوب فرمایا۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ انھیں یہ نعمت صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی مہربانی اور بخشش سے نصیب ہوئی ہے۔ اور اس پر بھی توجہ فرمائیے کہ اس صورت میں انکی

جزا بہشت کے عالی شان محل بتائے گی۔ چونکہ دین میں امامت کا بہت بڑا مقام ہے۔ اس لیے اس کی جزا بھی اسی کے مطابق ہونی چاہیے۔

یاد رہے کہ حکومت اور ریاست اس لیے طلب کی جاتی ہے

خرابیوں کا حصول

کہ حکام اور امیر لوگوں کی گردنوں پر چڑھ بیٹھیں۔ اور ان کے دل اپنی طرف مائل کر لیں تاکہ وہ ذاتی اغراض میں ان کی مدد کر سکیں۔ بغاوت، حسد، سرکشی، حقد، ظلم، فتنہ، نفسانی حمایت و حمیت، حقوق شرعیہ کی توہین، رذیلوں کی تعظیم اور صاحب عزت اور دین دار کی توہین وغیرہ دنیوی ریاست کی جڑیں ہیں اور انھیں سے بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ خرابیوں کے بعد ریاست حاصل ہوتی ہے۔ رئیس لوگوں کو ظاہری طور پر یہ خرابیاں محسوس نہیں ہوتیں۔ جب پردوں کا انکشاف ہوگا تب یہ خرابیاں نظر آئیں گی۔ خاص طور پر اس وقت جب ان کا انجام چیونٹیوں کے روپ میں ہوگا کہ اہل موقف انھیں اپنے پاؤں سے روندتے چلے جائیں گے تاکہ ان کی ذلت ہو کیونکہ انھوں نے اللہ کے دین کو ذلیل کیا اور اللہ کے بندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور انھیں کو در جان کر ان پر سواری کی۔

اللہ کے لیے محبت کرنا کمال ایمان ہے اور حب

اللہ سے محبت کیا ہے

مع اللہ میں شرک ہے۔ محبت میں محب اللہ کی محبت کے تابع ہوتا ہے۔ جب انسان کے دل میں اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کی محبت مضبوط ہو جاتی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اسے انھیں سے محبت ہو جن سے اللہ کی محبت ہے۔ پھر جب بندہ انھیں سے محبت کرنے لگتا ہے جن سے ان کا رب اور محبوب محبت کرتا ہے تو اس کی یہ محبت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے حقوق کے سلسلے میں ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کی محبت کے سبب سے ایک مسلمان انبیائے کرام علیہما السلام سے، اولیائے رحمٰن سے اور ملائکہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ کی

دشمنی کے سبب ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے۔ اس قسم کی محبت اور عداوت کی علامت کی یہ ہے کہ اللہ کا دشمن اس کے ساتھ گو کتنا ہی احسان کرے اور اس کی ضروریات پوری کرے۔ مگر پھر بھی اس کی عداوت محبت سے نہیں بدلے گی۔ اسی طرح اگر اللہ کے دوست سے کوئی کسی قسم کی تکلیف پہنچ جائے تو اس کی دوستی دشمنی میں نہیں بدلے گی۔ خواہ یہ تکلیف غلطی سے پہنچ جائے یا جان بوجھ کر پہنچ جائے۔ خواہ اس کا ذریعہ اطاعتِ خداوندی ہو یا تاویل یا اجتہاد یا بغاوت ہو جس سے توبہ کی ہو۔

اصول دین کا حصول:۔ تمام دین چار اصول پر گردش کرتا ہے۔ پہلا اصول محبت ہے۔ دوسرا اصول عداوت ہے۔ تیسرا اصول احکام کی تعمیل ہے اور چوتھا اصول اللہ کے لیے اجتناب کرتا ہے۔ جو ان پر عمل پیرا ہو اُس کا ایمان مکمل ہے اور جس نے ان تمام اصولوں پر عمل نہ کیا اُس کا ایمان ناقص ہے۔

حب مع اللہ کی اقسام:۔ حب مع اللہ دو اقسام میں منقسم ہے اور دونوں اقسام توحید کے خلاف ہیں۔

۱۔ پہلی قسم توحیدِ حقیقی میں رخنہ انداز ہے اور شرک ہے۔

۲۔ دوسری قسم کمال اخلاص و محبت میں خرابی پیدا کرتی ہے مگر اسلام سے خارج نہیں کرتی۔

پہلی قسم کی مثال مشرکین کی اپنے بتوں اور دیوتاؤں سے محبت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک بنا کر اللہ کی محبت کی طرح ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ یہ مشرک ہیں جو اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اپنے بتوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ یہ موالات اور معبودیت کی محبت ہے۔ جس کے نتیجے میں ان سے خوف و رجا اور سوال اور دعا کرنے لگتے ہیں اور ان کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ ایسی محبت خالص شرک ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ بغیر خالص توبہ کے معاف

کرنے والا نہیں۔ ان بتوں سے سخت دشمنی اور انتہائی عداوت کے بغیر ایمان ہی نہیں بلکہ بتوں کی پوجا کرنے والوں سے بھی دشمنی کرنی ضروری ہے۔ اسی کام کے لیے اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہما السلام کو بھیجا اور تمام آسمانی کتب کو اتارا۔ اور اسی محبت شرکیہ کے سبب دوزخ کو پیدا کیا اور ان کے لیے بہشت کو پیدا کیا جو مشرکین سے اسی سلسلے میں جھگڑتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص تحت الثریٰ سے لے کر تحت الثریا تک کسی چیز کی عبادت کرے، اس نے اسے اللہ کو چھوڑ کر اپنا معبود اور دوست بنا لیا اور اللہ کو اس کے ساتھ شریک کر لیا خواہ وہ کوئی بھی ہو اس لیے ایک فرزند توحید کو اس سے بیزاری اختیار کرنا ضروری ہے۔

دوسری نوع کی محبت بیوی

دوسری نوع کی محبت کا انکشاف

اور بچوں سے ہوتی ہے، سونے اور چاندی سے ہوتی ہے، کھیتی باڑی سے ہوتی ہے، کاروبار سے ہوتی ہے، گھوڑوں اور جانوروں سے ہوتی ہے۔ ایسی محبت کو شہوانی محبت کہتے ہیں۔ جیسا کہ بھوکے کو کھانے سے اور پیاسے کو پانی سے ہوتی ہے۔ یہ محبت بھی تین اقسام میں منقسم ہے۔ اگر اس کے ذریعہ اللہ کی محبت اور اطاعت حاصل ہو اور اس کی رضا کے کاموں میں شوق پیدا ہو تو ثواب حاصل ہوگا اور یہ اللہ کے لیے محبت کی ایک قسم ہوگی یہ حال سب سے افضل بشر کا ہے جنہیں دنیا میں عورتوں اور خوشبو سے محبت تھی اور ان دونوں کی محبت آپ کے لیے اللہ کی محبت میں، تبلیغ رسالت میں اور تعمیل احکام میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہ محبت طبعی خواہش اور ارادے کے سبب سے ہے اور اللہ کی رضا کے کاموں میں خرابی پیدا نہیں کرتی ہے اور ٹکراؤ کے وقت شریعت کے امور ہی مقدم رکھے جاتے ہیں۔ تو مباح ہے اور اگر گرفت نہ ہوگی۔

لیکن جو اللہ سے محبت ہے اس کے کمال میں فرق ضرور آئے گا۔ اور اگر یہی مقصود بالذات ہو اور کوئی اسی کمائی میں لگا رہ جائے اور اسے شرعی اُمور پر ترجیح دے تو ایسا شخص ظالم اور حرص و ہوا کی پوجا کرنے والا ہوگا۔ لہٰذا اوّل قسم کی محبت نیکیوں میں پہل کرنے والوں کی ہے۔ دوسری قسم کی محبت درمیانی لوگوں کی ہے اور تیسری قسم کی محبت ظالمین کی ہے۔ یہ مقام اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور ان محبتوں میں فرق یاد رکھیے کیونکہ یہی محبت نفس امّارہ اور نفس مطمئنہ کا سب سے بڑا امیدان ہے۔

توکل کیا ہے؟ یاد رہے کہ توکل ایک قلبی صفت اور دل کی عبادت ہے۔ توکل میں اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے۔ بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی پناہ میں آکر اپنے سب کے سب معاملات رب تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور رب تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی تقدیر پر راضی رہتا ہے۔ کیونکہ اسے یقین ہے کہ رب تبارک و تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے اور وہ اس کے لیے بہتر صورتیں پیدا فرمائے گا۔ اس لیے وہ سب کے سب ظاہری اسباب فراہم کرنے اور اس کے حصول کے لیے کوشش بھی کرتا ہے۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک علیہ افضل التحیۃ والتسلیمات سب سے بڑھ کر صاحب توکل تھے۔ حالانکہ آپ لڑائی میں زرہ بھی زیب تن فرماتے تھے بلکہ اُحد کے روز دو دو زرہیں آپ نے پہنیں اور تین روز غارِ ثور میں پوشیدہ رہے۔

الحاصل الکلام، معلوم ہوا کہ آپ ظاہری اسباب کے ساتھ متوکل تھے۔ یہ نہیں تھا کہ ظاہری اسباب کو ترک دیں۔

عجز کیا ہے؟ یاد رہے کہ عجز یہ ہے کہ یا تو ظاہری اسباب ہی ترک کیے جائیں یا ظاہری اسباب فراہم کر کے انہیں پر نگاہ کی جائے اور سبب

پیدا کرنے والے سے منہ موڑ لیا جائے اور اگر بھولے سے سبب پیدا کرنے والے کا خیال آ بھی جائے تو اس سے دل بستگی نہیں ہونی چاہیئے۔ اور اس سے کما حقہ واسطہ پیدا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ دل کا تعلق رب تعالیٰ کے ساتھ ہو اور بدن کا تعلق سبب کے ساتھ ہو۔ اس مقام پر لوگ تین حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک گروہ تو توکل کے لیے اسباب کو بھی ترک کر بیٹھا۔ البتہ درمیانہ گروہ توکل کی حقیقت تک رسائی حاصل کر گیا اور وہ سمجھ گیا کہ اسباب کے بغیر توکل نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ ظاہری اسباب مہیا کر کے سبب پیدا کرنے والے پر اعتماد کر کے مسبب کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے۔ اسباب کو ترک کرنے والا متوکل نہیں۔ یہ مغالطہ میں ہے۔ جیسا کہ کوئی نکاح نہ کرے اور نہ ہی کسی عورت سے ہم بستری کرے مگر امید رکھے اولاد کی۔ یا کھائے پیئے بغیر ہی سیرابی کی امید باندھ لے۔ توکل رجا کی نظیر ہے اور عجز تمنا کی نظیر ہے۔

توکل کی حقیقت کیا ہے؟

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنا وکیل جانے۔ جیسے کسی کا وکیل اس کے اچھے اور برے سے واقف ہوتا ہے اور اس کے حق میں پورا پورا خیر خواہ ہوتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے کے حالات سے واقف ہے اور اس کے حال کے مناسب عطا فرماتا ہے۔ اس نے اپنے بندے کو حیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے اور اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اس حیلے سے بقدر صلاح کے روزی پیدا فرمائے گا۔

فلسفہ عجوبہ

یاد رہے کہ زمین کی تخم ریزی اور تیاری کا اور وقت پر پانی دینے کا حکم ہے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی مصلحت اور بندے کی صلاح کے مطابق روزی پیدا فرما دیتا ہے اور یہ بھی حکم ہے کہ ماسوی اللہ کسی سے لو نہ لگائے۔ مکمل بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر کیا جائے اور اسی پر امید قائم کی جائے۔

عاجز کون؟: جاننا چاہیئے کہ عاجز وہ ہے جو سابقہ تمام باتوں کو پس پشت ڈال کر آرام طلب بن کر ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور یہ کہنے لگے کہ میرے مقدر کا رزق میرے پاس پہنچ جائے گا۔ اگر میں موت کی کی طرح روزی سے بھاگوں تو بھی وہ مجھے ملے گی اور جو رزق میرے مقدر میں نہیں وہ بھاگ دوڑ سے بھی میسر نہیں آئے گا۔ ایسے شخص کو سمجھایا جائے گا کہ یہ بات تو درست ہے کہ جو مقدر میں لکھا ہے رزق ملے گا۔ لیکن یہ تو تم نہیں جانتے کہ رزق تمہارے مقدر میں کوشش کے ساتھ اور تمہاری جدوجہد کے ساتھ لکھا ہے یا کسی اور کی سعی کے ساتھ۔ اگر تمہاری کوشش اور جدوجہد سے ہے تو نا معلوم کس سبب سے ہے اور کس راہ سے ہے۔ الغرض یہ تمام باتیں پوشیدہ ہیں۔ تم نے یہ کیسے جان لیا کہ بغیر کوشش کے تمہارے مقدر میں رزق ہے۔ بہت سے ایسے اُمور ہیں جو کسی کے واسطہ سے پورے ہوتے ہیں اور دوسرے کے مقدر میں ہوتے ہیں اور بہت سے کام اس کے اُلٹ ہیں۔ جب تم نے اپنی آنکھوں سے اس قسم کے کاموں کا مشاہدہ کر لیا تو تم نے یہ کیسے جان لیا کہ تمہارا رزق دوسروں کی کوششوں سے وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ اصول ہر جگہ ہونا چاہیئے۔

ایک عجیب پہلو: کیا تم بہشت حاصل کرنے کے اسباب اور دوزخ سے محفوظ رہنے کے اسباب فراہم نہ کرو گے۔ بلکہ دنیا ایسے ارباب توکل سے بھی خالی نہیں جو اپنے قلوب اللہ کے لیے روک لیں۔ ان کے دل اس کے بھروسے سے لبریز اور رجا سے بھرے ہوتے ہوں اور اس کے ساتھ حسن ظن سے معمور ہوں۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ بعض اسباب مہیا کرنے کو ان کا دل نہ چاہے۔ اور دل کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے آرام نصیب ہو اور یہی ان کے رزق حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بن جائے اُنہوں نے بھی سبب کو ترک نہیں کیا۔

بلکہ کمزور سبب کو ترک کر کے طاقت اور سبب کو اختیار کیا۔ ان کا توکل ان کے نزدیک سب سے زیادہ بھروسہ کے لائق ہے۔ ان کے دلوں کا اللہ سے گھر جانا اور اس سے اطمینان حاصل کرنا اور اس کے در پر گڑگڑانا انھیں ایسے سبب میں مبتلا ہو جانے سے زیادہ محبوب ہے جو انھیں اللہ تبارک و تعالیٰ سے روک دے یا کمال میں خرابی پیدا کر دے لہٰذا ان کا دل دونوں باتوں کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اور ایک بات کو ترک کر کے دوسری بات کو اپنا لیا۔ بلاشبہ یہ اس سے بہتر ہے کہ جس کا دل سبب میں گرفتار ہو کر اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ کو بھول جائے۔ لیکن ان دونوں سے کامل وہی ہے جس میں دونوں باتیں جمع ہوں۔ چنانچہ انبیائے کرام علیہما السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی حال تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئیوں کا کام کرتے تھے، حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی۔ کوئی صحابی ایسا نہیں تھا جو توکل کے معنیٰ ظاہری اسباب کو ترک کرنا سمجھتا ہو۔ بلکہ ظاہری اسباب فراہم کرنے میں بڑے مگن تھے اور اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں سے دشمنوں سے جنگ کرنے میں اپنی جان تک قربان کر دیتے تھے۔ پھر بھی توکل کی حقیقت پر قائم تھے۔ اس کے علاوہ اپنے کاروبار کی طرف بھی دھیان دیتے تھے۔ انھیں پوری طرح کرتے تھے۔ اپنی اولاد کے لیے ضرورت کے مطابق خرچ مہیا کرتے تھے اور حضور سید العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

احتیاط کیا ہے؟ احتیاط یہ ہے کہ سنت کی پیروی میں کما حقہ سعی کی جائے اور افراط و تفریط سے بچا جائے۔ یہی وہ احتیاط ہے جس سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہے۔

وسوسہ کیا ہے؟ وسوسہ یہ ہے کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ یا کسی صحابی سے ثابت

ہر وہ اس خیال سے کرنا کہ یہ بھی دین میں ہوگا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص تین مرتبہ سے زیادہ وضو کا کوئی عضو دھولے۔ وضو یا غسل میں خوب افراط کا پانی بہائے۔ نماز کی نیت الفاظ سے ادا کرے۔ جن کپڑوں میں گندگی کا یقین نہ ہو انھیں احتیاطاً دھولے اور احتیاطاً جوتوں میں نماز نہ پڑھے۔

الہام حقیقی اور غیر حقیقی میں امتیاز:۔

مندرجہ ذیل صفات میں الہام مشکل ہے۔

۱۔ جو الہام اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو، رسولانِ عظام علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق ہو۔ ایسا الہام فرشتہ کی جانب سے ہے۔ اور جو الہام غیر اللہ کے لیے ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہو وہ ابلیس کی طرف سے ہے۔

۲۔ وہ الہام جس کا نتیجہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف رغبت و انابت اور ذکر و فکر رحمانی ہو وہ فرشتہ کی جانب سے ہے اور اس کی ضد ابلیس کی جانب سے ہے۔

۳۔ جو القا دل میں نور اور انس اور انشراح پیدا کرے وہ ملکی ہے اور اس کے الٹ شیطانی ہے۔

۴۔ جو الہام آرام پیدا کرے وہ ملکی ہے ورنہ شیطانی ہے۔

الہام ملکی کی اہمیت:۔

الہام ملکی پاکیزہ اور صاف دلوں میں جو اللہ کے نور سے جگمگاتے رہتے ہیں۔ بکثرت سے ہوتا ہے۔ فرشتے کو اس سے واسطہ رہتا ہے۔ اور ان دونوں میں مناسبت ہے۔ کیونکہ فرشتہ پاک ہے اور اس کا نشیمن پاک صرف دل ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے ایسے دل پر ملکی اثر شیطان کی نسبت اثر کے بہت ہوگا۔ لیکن جو تاریک دل

ہے اور شہوتوں اور شبہات کے دھوئیں سے سیاہ ہو گیا ہے۔ اس پر شیطانی اثرات غالب ہوں گے۔

اقتصاد کیا ہے؟: اقتصاد افراط و تفریط کی درمیانی راہ ہے۔ اس کے دونوں کنارے اس کی ضد ہیں۔ یعنی حد سے زیادہ بڑھنا۔ ارشاد فرمایا یعنی جو خرچ کرتے ہیں، اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ اور درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔ نہ تو گردن سے ہاتھ بندھا ہوا رکھو اور نہ پوری طرح سے پھیلا ہی دو کہ ہدف ملامت ہو کر اور تھک کر بیٹھ جاؤ۔ کھاؤ۔ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔

مابین درمابین کیا ہے؟: یاد رہے کہ تمام دین افراط و تفریط کے مابین ہے۔ بلکہ مذاہب میں اسلام ہی درمیانہ مذہب ہے۔ اور تمام طریقوں میں درمیانہ طریقہ سنت نبوی ہے۔ اور اللہ کا دین غلو کرنے والوں اور ظالموں کے درمیان درمیانی دین ہے۔ اسی طرح اجتہاد دین کی موافقت میں سعی اور کوشش کا نام ہے اور غلو حد سے بڑھ جانا اور تعدی کرنا ہے۔

وسواس کا انکشاف: اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کے ہر حکم میں شیطان کے دو وسوسے ہیں۔ یا تو وہ غلو میں گرفتار کر دیتا ہے یا کمی میں۔ یہ دو بڑی زبردست بیماریاں جو اعتقادات عبادات اور معاملات میں واقع ہوتی ہیں۔ ان سے وہی بچ سکتا ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتا رہے۔ اور آپ کی سنت کا چرچا کرتا رہے۔ نہ کہ لوگوں کی رایوں اور قیاسات کے لیے سنت نبوی کو ترک کر دے۔ یہ دونوں خطرناک امراض اکثر بنی نوع آدم

پر غالب ہیں۔ اسی سبب سے اسلاف نے ان سے بہت کچھ ڈرایا ہے اور واضح طور پر بتادیا ہے کہ ان کا شکار تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کبھی یہ دونوں بیماریاں ایک ہی آدمی میں جمع ہو جاتی ہیں جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلائے۔ آمین ثم آمین۔

نصیحت کیا ہے؟:- یاد رہے کہ نصیحت ایک قسم کا حسن سلوک ہے جو کسی پر رحمت و شفقت اور غیرت کے سبب ظہور میں آتا ہے۔ ناصح کی نصیحت سے غرض رضائے الٰہی ہوتی ہے۔ اور لوگوں کے ساتھ احسان ہوتا ہے۔ اس لیے ناصح نصیحت میں انتہائی محبت اور نرمی اختیار کرتا ہے۔ لوگوں کی ایذا و ملامت کو برداشت کرتا ہے۔ اور ان سے وہی معاملہ کرتا ہے جو ایک اچھا طبیب ایک خطرناک بیمار کے ساتھ کرتا ہے اور اس کی بد خلقی، ترش روئی اور نفرت کو برداشت کر لیتا ہے۔ اور خوشامد در آمد سے اسے دوا پلائے بغیر نہیں رہتا۔

ناصح کیا ہے؟ ناصح کا بھی یہی حال ہوتا ہے لیکن ڈانٹنے والا شرم اور غیرت دلاتا ہے۔ توہین و مذمت کرتا ہے اور نصیحت کے رنگ میں برا بھلا کہتا ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اگر وہ اپنے عزیز یا کسی محسن کو اسی کام پر بلکہ اس سے بھی برے کام پر دیکھتا ہے تو اسے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ اسی کی طرف سے اُلٹے عذر پیش کرتا ہے۔ اور اگر ہار جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے آخر وہ بھی انسان ہے اس سے بھی خطا ہوتی ہے۔ اس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہیں۔ اور اللہ مہربان اور مغفرت کرنے والا ہے۔

واضح فرق:- ایک فرق یہ بھی ہے کہ اگر ناصح کی نصیحت نہ مانی جائے تو وہ ناراض نہیں ہوتا اور کہتا ہے کہ اللہ مجھے اجر دے گا خواہ میری

بات کوئی مانے یا نہ مانے۔ اور پس غیبت دعائیں کرتا ہے اور لوگوں میں عیب ظاہر نہیں کرتا۔ اور موذن اس کے الٹ ہوتا ہے۔

مبادرت کیا ہے؟ مبادرت یعنی جلدی کرنا وقت کے اندر فرصت کو غنیمت جاننا ہے، اور فرصت سے نفع حاصل کرنا ہے۔

چنانچہ مبادر نہ تو وقت سے قبل کوئی کام کرتا ہے اور نہ ہی وقت کے بعد۔ بلکہ وقت کے اندر اسے جلدی جلدی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیسا کہ ضرورت کے وقت شیر شکار کرتا ہے یا جیسا کہ کوئی پھل پک جانے پر انھیں توڑنے میں جلدی کرتا ہے۔

عجلت کیا ہے؟ عجلت یعنی جلدی وقت سے قبل کام کرتا ہے۔ جیسا کہ کوئی پھل کچا ہی توڑ ڈالے۔

مبادرت کیا ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ مبادرت دو بری عادات کے مابین ہے۔ اسی وجہ سے جلدی شیطان کی جانب سے ہے کیونکہ یہ ہلکا پن، طیش اور تیزی ہے جو وقار و حلم اور بھاری پن کے خلاف ہے۔ اور چیزوں کو غیر محل میں رکھنے کو واجب کرتی ہے جس سے نوع بہ نوع کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور خیر و برکت سے منہ دھونا پڑتا ہے۔ جلدی ندامت کی ہمشیری ہے جس طرح کہ سستی ضائع ہونے کی ہمشیری ہے۔ جلدی کرنے والا ہمیشہ شرمندہ ہوتا ہے۔

حال کی خبر دینا کیسا ہے؟ جاننا چاہیئے کہ اخبار حال میں خبر دینے والے کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ جو علم اسے ہے اس سے خبردار کر دے یا اگر کسی نے اس سے کچھ مانگا ہے تو عذر پیش کر دے یا جس چیز میں وہ پھنسا ہوا ہے اس سے دوسروں کو خائف کرے اور ہوشیار کر دے اور خبر دینے سے نصیحت یا صبر دلانا مقصود ہو کہ میری طرح تم بھی صبر کرو۔ جیسا کہ

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے کسی نے شکوہ کیا کہا اے میرے دوست فلاں فلاں سال سے میری آنکھوں کی روشنی چلی گئی ہے اب میں کسی کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس خبر کے ضمن میں شکایت کرنے والے کو صبر و شکر پر تیار کرنا اور یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ تمہارے لیے نمونے موجود ہیں۔ خبر دینے والے کو اس پر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی صورت شکایت کی ہے مگر ارادہ نے دونوں کو جدا جدا کر دیا ہے۔ شاید اسی سے حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول ہے نہیں بلکہ مجھے چاہیئے ہائے میرا سر۔ یعنی میرے سر میں سخت درد ہے مگر میں پھر بھی دادرساہ نہیں کہتا۔ تم بھی مجھے نمونہ بناؤ اور دردِ سر کی شکایت نہ کرو۔ میرے ذہن میں اللہ رحیم و کریم نے ایک اور مطلب ڈال دیا ہے۔ چونکہ آپ محبوبِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کی محبوبہ بلکہ تمام ازواجِ مطہرات سے عزیزہ تھیں تو جب دردِ سر کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ تم سے محبت کرنے والا بھی یہی درد رکھتا ہے۔ یہ محب اور محبوب میں انتہائی موافقت کی علامت ہے کہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ سے اثر پذیر ہو۔ حتیٰ کہ اگر محبوب کے کسی خاص عضو میں تکلیف ہو تو محب کے بھی اسی عضو میں تکلیف محسوس ہو۔ اس مطلب کے اعتبار سے تکلیف کی خبر دینے سے یہ مقصد ہے کہ میری محبت حقیقی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ تمہارے دکھ سے مجھے بھی دکھ ہے مگر میں دردِ سر نہیں رکھتا تھا مگر اب ہو گیا۔ ایک عربی کا ترجمہ یوں ہے کہ" جو غم کے زمانے میں میں تمہارا غم خوار تھا تو تم خوشی کے زمانے میں اس کے غمخوار نہ ہو۔

شکوہ کی حقیقت: شکوہ میں درست طور پر ارادہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا منشا ناراضی ہوتا ہے اور اغیار سے شکوہ ہوتا ہے۔ اگر بارگاہِ الٰہی میں شکوہ و شکایت کی جائے تو یہ شکوہ نہ ہوگا بلکہ بارگاہِ خداوندی سے حلم اور کرم کی طلب ہوگی۔ جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا یعنی اے میرے پروردگار

مجھے دکھ نے گھیر لیا اور تو کمال مہربانی کرنے والا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا یعنی میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا الٰہی ہر تعریف تیرے لیے ہے۔ تیری ہی طرف شکایت ہے تو ہی میری مدد کرنے والا ہے تو ہی میری فریاد کو پہنچنے والا ہے۔ میں تجھ پر بھروسہ کیے ہوئے ہوں۔ اور طاقت و قوت اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔

ارشادِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء: حضور نبی غیب دان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے اللہ میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری کا اور لوگوں کی نظروں میں حقارت کا شکوہ کرتا ہوں۔ تو کمزوروں کا بھی پروردگار ہے اور میرا بھی پروردگار ہے۔ الٰہی مجھے کس کے سپرد کرتا ہے کیا ایسے اجنبی کے جو مجھ سے ترشروئی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جسے تو نے مجھ پر بااختیار بنا دیا ہے۔ اگر تیرا مجھ پر غصہ نہ ہو تو میں پرواہ نہیں کرتا۔ تاہم تیری عافیت میرے لیے گنجائش والی ہے۔ تیرے چہرے کے نور کے ذریعہ جس سے ظلمات منور ہوتے ہیں اور جس پر دنیا اور عقبیٰ کی صلاح موقوف ہے۔ میں اس بات سے پناہ کا طالب ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ اترے یا تو مجھ سے ناراض ہو جائے۔ میں تیری رضا کا طالب رہوں گا جب تک تو راضی نہ ہو جائے تو قوت اور طاقت تیری ہی جانب سے ہے۔

الحاصل کلام: معلوم ہوا کہ بارگاہِ خداوندی میں شکوہ کرنا کسی سبب سے بھی صبر کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی جانب سے فرمایا کہ ہم نے انہیں صابر پایا حالانکہ ان کی جانب سے شکوے کی بھی خبر تھی کہ مجھے تکلیف نے گھیر لیا۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی جانب سے فرمایا کہ آپ نے صبر جمیل کا وعدہ کیا تھا۔ اور نبی جب کوئی عہد کرتا ہے تو ہر طرح سے پورا کرتا ہے۔ اور یہ بھی قول نقل فرمایا کہ میں اپنی پریشانی کا شکوہ اللہ سے کرتا ہوں۔ اس شکوے سے

آپ کے صبر میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ہم نے مذکورہ بالا بیان سے اصولِ فرق کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔ جو ذہن رکھتا ہو اُس کے لیے یہی کافی ہے ورنہ تمام دین ہی فرق ہے۔ کتابِ مبین حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے اور حضور سید العالمین علیہ افضل التحیۃ والتسلیم لوگوں کے مابین حدِ فاصل ہیں۔ جس نے اللہ سے خوف کیا اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ اُس کے لیے غلط اور درست میں تمیز کرنے کا شعور عطا فرما دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یعنی اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا خوف رکھو گے تو وہ تمہارے لیے درست اور غلط میں فرق ظاہر فرمائے گا۔

یومُ الفرقان کی وجہِ تسمیہ: یاد رہے کہ بدر کو یوم الفرقان اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے دوستوں اور دشمنوں میں فرق ہو گیا۔ قرآن مجید فرقان حمید سراپا ہدایت ہے اور گمراہی خرابی ہے۔ جیسا کہ مشرکین نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی اور بتوں کی پوجا کو، محبتِ الٰہی کو اور بتوں کی محبت کو اور رضائے الٰہی کے کاموں کو اور تقدیری اُمور کو ملحق کر دیا۔ الغرض درست اور نادرست کو باہم ملا دیا اور قضاء و قدر کو محبت اور رضا کی دلیل ٹھہرایا۔ بیع و ربا کو جمع کر کے کہ بیع اور سود میں کیا فرق ہے۔ ذبح شدہ اور مُردہ جانور کو گڈمڈ کر دیا اور کہا کہ یہ تو عجوبہ بات ہے کہ ہم اپنے ہاتھ سے ذبح کیے ہوئے جانور کو تو کھا لیں مگر اللہ کے مارے ہوئے جانور کو نہ کھائیں۔ حلال و حرام میں تمیز ختم کر دی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ تمام مستورات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے پھر یہ کونسی بات ہے کہ بعض حلال ہیں اور بعض حرام ہیں۔ اسی طرح سب جانوروں کا پیدا کرنے والا اللہ ہے پھر بعض کو حرام کیوں کیا اور بعض کو حلال کیوں کیا۔ ایسے ہی اولیاء اللہ اور اولیائے شیطان کو گڈمڈ کر دیا۔

فرقۂ اتحادیہ کا انکشاف: ایک فرقہ جو فرقۂ اتحادیہ کے نام سے معروف ہے اس نے تو عجب غضب برپا کر دیا۔ یہ تمام

کائنات کو ایک ذات میں جمع کر کے کہتا ہے کہ یہ ذات کی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نصوص کا قول ہے کہ سب اشیاء ملحق ہیں جدا نہیں ہیں یعنی اچھائی اور برائی کچھ نہیں ہے۔ بلکہ طبیعت اور عادت اور شارع نے ان پر ایک خاص حکم لگا دیا ہے۔ الغرض اصحاب فرقان ہی ارباب بصائر ہیں۔ ملحقہ اشیاء میں سب سے فرق کرنے والے ہی سب سے زیادہ بصیرت والے ہیں۔

ظلمات سے چھٹکارا حاصل کرنا۔

یاد رہے کہ مشابہت اقوال، مشابہت اعمال، مشابہت احوال، مشابہت اموال اور رجال میں واقع ہوتی ہے۔ بکثرت علمائے کرام گنبد کی بھول بھلیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس ظلمات سے وہی نکل سکتا ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ وہ اس نور میں حقائق معلوم کر لیتا ہے اور حق و باطل اور درست اور نادرست میں تمیز کر لیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے یعنی جس کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے نور مقرر نہیں فرمایا اس کے لیے نور نہیں ہے۔ اس موضوع پر اس قدر ہی روشنی کافی ہے تمام مسائل میں یہی مسئلہ زیادہ نافع ہے اور اسی کی ہی سخت ضرورت ہے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں نور بصیرت عطا فرمائے تو تم اس سے ایک بہت بڑا فرق اور روشنی حاصل کر لو گے۔ یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی توحید میں اور صفات الٰہیہ سے معطل کرنے والوں کی توحید میں صفات کا ثبوت اور تشبیہ و تمثیل میں خاص عملی اور ارادی توحید میں اور ارباب مراتب کے مراتب کم کرنے میں حضور نبی کریم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کی خالص اتباع میں اور علمائے کرام کے اقوال اور آثار میں، علمائے کرام کی تقلید میں، علمائے کرام کے علم فہم میں، اولیاء اللہ میں اور بغض رکھنے والوں میں، ایمانی اور رحمانی حال میں، شیطانی اور نفسانی حال میں اور آفاقی واجب الاتباع حکم میں اور تاویل والے حکم میں امتیاز کر لو گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہر قسم کا مددگار رہے۔

اختتام

توحید انبیائے کرام علیہما السلام اور دیگر فرقوں کی توحید میں امتیاز

اب میں اپنی کتاب کو ایک لطیف اشارے پر ختم کرتا ہوں جس میں ذکر کردہ تمام فرقوں کی جانب اشارہ ہے۔ کیونکہ ہر فرق ایک مستقل اور مطول کتاب چاہتا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی توحید تفصیل سے اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے لیے کمال در کمال صفات کو ثابت کرتی ہے۔ اور یہی بتاتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کی پرستش و عبادت کی جائے۔ وہ یکتا ہے اور اُس کا کوئی ثانی نہیں، اُس کا ثانی ارادے میں، محبت میں، خوف و رجا میں، الفاظ و اقسام میں اور منت وغیرہ میں کسی کو تسلیم کیا جائے بلکہ انسان اپنے دل سے، اپنے ارادے سے، اپنی زبان سے اور اپنی عبادت سے اپنا ثانی ہٹا دے۔ جیسا کہ حقیقت میں شریک کا وجود نہیں۔ اسی طرح دلی یعنی قلبی اور زبانی یعنی لسانی وجود بھی نہیں۔ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ اور صفاتِ حسنہ کے حقائق کی نفی ہے۔ اور ان سے اللہ کو معطل کرنا ہے جس سے ممکن ہے کہ وہ اسماء و صفات کو زبان سے بھی معطل کر دیں۔ چنانچہ وہ کوئی ایسی آیۂ کریمہ زبان پر نہیں لاتے جس میں ان کا تذکرہ ہو۔ اور نہ ہی ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جس میں کسی صفت کی صراحت ہو۔ اور جو ان کے ذکر سے زبان کو محفوظ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ تحریف اور نفیِ حقیقت کے اسلحہ سے ان پر غلبہ پانے کی سعی کرتا ہے۔ اور انھیں بے معنی اسم قرار دیتا ہے یا چیستان کی جنس میں شامل کر دیتا ہے۔ پھر اگر کوئی ان کی طرف سے یہ تعطیل اٹھانے کے لیے کھڑا بھی ہوتا ہے تو نص کے معنی میں تحریف کر کے جو معنیٰ پیدا کرتا ہے۔ اس سے بھی وہی لازم آتا

ہے جس سے یہ بچا جاتا تھا۔ کیونکہ اگر تمثیل یا تشبیہ یا حدوث حقیقت میں لازم آتا ہے جو تاویل کیے ہوئے معنی کے اعتبار سے بھی لازم آئے گا جس پر نص ڈالی گئی ہے۔ اور اگر معنی محرف میں لزوم تو حقیقی معنیٰ میں بدرجہ اولیٰ نہیں۔ پھر جب وہ یہ بات معلوم کرتا ہے تو تمام صفات سے اللہ تبارک و تعالیٰ کو معطل کیے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ یہ اصل تعطیل کی مدافعت ہے۔ حالانکہ فرق

مدافعت سے بہت قریب ہے مگر مخالف تو باطل ہی کی جانب دیکھتا ہے۔ اللہ نے جو صفات اپنی ذات کی طرف منسوب کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو اس کے لیے ثابت کی جاتی ہیں اور بعض کا انکار کر دیا جاتا ہے حالانکہ دونوں میں باطل لازم ایک ہی ہے۔ اور لازم حق میں فرق نہیں کیا جاتا۔ الغرض ان گمراہوں نے اس تعطیل کا نام توحید رکھا ہے۔ حالانکہ یہ اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ اور صفات میں الحاد ہے۔ اور ان کے حقائق کو معطل کر دینا ہے۔

یاد رہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام

توحید انبیائے کرام علیہما السلام: نے اللہ سبحانہٗ تبارک و تعالیٰ کو تمام عیوب اور نقائص سے بری قرار دیا ہے۔ جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کو بری فرمایا۔ حقیقت میں عیوب و نقائص اس کے کمال کے اور اس کی ربوبیت اور اس کی عظمت کے کمال کے خلاف ہیں۔ مثال کے طور پر اونگھ، نیند، غفلت، موت، تھکاوٹ، ظلم اور ظلم کا قصد ظالم و ظلام کے نام شریک، بیوی، بچے، مددگار، اجازت کے بغیر شفاعت، بندوں کو یونہی چھوڑنا، ان کے بغیر مصلحت پیدا کرنا۔ زمین و آسمان اور دنیا کی تمام چیزیں کسی غرض کے بغیر پیدا کرنا کہ انھیں عذاب و ثواب سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور نہ ہی امر و نہی کے پابند ہوں دوستوں اور دشمنوں ... کفار اور مومنین میں مساوات

مشیتِ الٰہی کے بغیر کسی چیز کا ہونا۔ اللہ کا کسی صورت سے غیر کی طرف محتاج ہونا، اللہ کے ساتھ کسی غیر کا کسی بات میں شریک ہونا۔ اللہ پر غفلت یا بھول یا سہو کا طاری ہونا وعدہ خلافی کرنا۔ اس کے کلمات طیبات میں تغیر کا ہونا، اس کی طرف شر کی اضافت خواہ اسمی ہو یا وصفی یا فعلی ہو۔ یہ تمام باتیں شانِ خداوندی کے خلاف ہیں۔ اس کے تمام اسماء اسمائے حسنیٰ ہیں۔ تمام صفات کمال والی ہیں اور تمام افعال خیر و برکت اور حکمت پر مبنی ہیں۔ یہ انبیائے کرام علیہا السلام کی تنزیہہ ہے۔

صفاتِ الٰہیہ پر ایک اور نظر: گمراہوں اور معطل کر دینے والوں نے اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ کو ان تمام کمالات سے معطل کر دیا ہے۔ جن سے خود اس نے اپنی ذات والا صفات کو متصف فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نہ تو بالذات کلام کرتا ہے اور نہ کسی سے کلام کرتا ہے۔ وہ عرش پر مستوی نہیں۔ اس کی جانب ہاتھ نہیں اُٹھائے جاتے۔ اس کی جانب پاکیزہ کلمات نہیں چڑھتے۔ اس کے پاس سے کسی چیز کا نزول نہیں ہوتا۔ اس کی طرف نہ فرشتے چڑھتے ہیں اور نہ روح چڑھتی ہے۔ وہ اپنے بندوں کے اوپر نہیں اور نہ ہی اپنی تمام مخلوقات کے اوپر ہے۔ وہ ایک مٹھی میں آسمان اور ایک مٹھی میں زمین نہیں لے گا۔ نہ ہی ایک انگلی سے آسمان اور دوسری انگلی سے زمین، تیسری انگلی سے پہاڑ اور چوتھی انگلی سے درخت تھامے گا۔ نہ اس کا چہرہ ہے۔ اور نہ مومن اسے بہشت میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اور نہ ہی اس سے باتیں کریں گے اور نہ ہی اللہ سبحانہ، تبارک و تعالیٰ ان کے روبرو ہنستا ہوا متجلی ہوگا۔ اور نہ وہ ہر شب کو پہلے آسمان پر نازل ہو کر یہ اعلان کرتا ہے کہ کوئی ہے جو مغفرت چاہے

میں اس کی مغفرت کر دوں۔ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اسے دے دوں۔ وہ کسی کا کام کسی غرض سے نہیں کرتا بلکہ اس کے افعال بغیر حکمت کے اور بغیر غرض کے ہیں۔ اس کی مشیت ہمہ گیر نہیں، اس کا ارادہ کارفرما نہیں۔ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کی مشیت کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ بندوں کی مشیت کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح بندوں کی عدم مشیت کا تو ظہور ہوتا ہے لیکن اللہ کی عدم مشیت کا ظہور نہیں ہوتا۔ اس کا نام انہوں نے عدل رکھا ہے اور اس کا نام توحید۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ نہ کسی سے محبت کرتا ہے اور نہ کسی سے محبت کیا جاتا ہے۔ نہ ہی اس میں صفتِ رافت و رحمت ہے اور نہ ہی صفتِ غضب و رضا۔ بعض کے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ سمیع و بصیر بھی نہیں اور بعض کے نزدیک علم بھی نہیں رکھتا۔ اور بعض کے نزدیک وجود بھی نہیں رکھتا۔ یہ ملحدوں کی تنزیہ ہے اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تنزیہ ہے۔

تشبیہ و تمثیل کیا ہے؟

حضرت امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ہدایت یافتہ اماموں نے یہ فرق بتایا ہے کہ تشبیہ و تمثیل تو جب ہے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ اس کا کان میرا کان ہے۔ اس کی آنکھ میری آنکھ ہے۔ لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ کے کان، آنکھ، ہاتھ اور چہرہ ہے اس کے لیے استوا ہے۔ اور ان میں سے کوئی بھی مخلوق کی کسی صفت سے مشابہ نہیں۔ بلکہ صفت مخلوق اور صفت خالق میں وہی فرق ہے جو خالق اور مخلوق ہے۔ لہٰذا تمثیل و تشبیہ کہاں رہی۔ بس صرف ملحدوں کا مغالطہ اور تلبیس ابلیس ہے۔ اس حق کا انحصار جس پر اللہ کے تمام رسولانِ عظام کا اتفاق ہے یہ ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسولانِ عظام نے جن اوصاف سے اللہ کی ذات کو متصف قرار دیا ہے وہی اوصاف اس میں تشبیہ و تحریف کے بغیر بے چون و چرا مان لیے

جائیں۔ نہ تحریف کی حاجت ہے اور نہ معطل کرنے کی ضرورت ہے۔ صفات مانو اور مخلوق سے مشابہت کا انکار کرو۔ کیونکہ جس نے اللہ سبحانہ' تبارک و تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ قرار دیا وہ بھی کافر ہے اور جس نے حقائق اسماء اور صفات کا انکار کیا وہ بھی کافر ہے۔ صراط مستقیم پر وہی ہیں جو اسماء اور صفات کے حقائق کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کی مشابہت مخلوق سے نہیں مانتے۔

خالص توحید کیا ہے؟ جاننا چاہیئے کہ خالص توحید یہ ہے کہ مخلوق کو خالق کا کوئی حق اور کوئی خصوصیت نہ دی جائے اور نہ ہی اس کی عبادت کی جائے اور نہ ہی اس کے لیے نماز پڑھی جائے اور نہ ہی اس کی قسم کھائی جائے اور نہ ہی اُسے پروردگار عالم کے مساوی سمجھا جائے اور نہ ہی مشرکین کی طرح کسی کے سامنے سر کو جھکایا جائے اور نہ ہی اس کے لیے سر کو منڈایا جائے۔ اور نہ ہی اس کے نام کی قسم کھائی جائے اور نہ منت مانی جائے اور نہ ہی بعد از موت اس کی قبر کو سجدہ کیا جائے۔ اور نہ ہی کبھی اس سے مدد مانگی جائے۔ نہ دُعا کی جائے۔ اور نہ ہی اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے اسے خوش کیا جائے۔ اور نہ رضائے الٰہی کے لیے اس کی ناراضی کی پرواہ کی جائے اور نہ ہی اس کی انتہائی تعظیم و تکریم کی جائے۔ اور نہ ہی اس سے انتہائی محبت اور انتہائی خوف اور انتہائی اُمید کی جائے۔ پھر جب مخلوق سے ربوبیت کی خصوصیات ہٹا دی جائیں اور اسے خاص طور پر اللہ کی غلامی کا مقام دے دیا جائے تو اس سے ان کی تنقیص لازم نہیں آئے گی اور نہ ہی اس کی شان میں فرق آئے گا۔ اگرچہ مشرک کہا کریں۔

ارشاد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حد سے زیادہ نہ بڑھانا جس طرح کہ نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام کو حد سے بڑھا دیا۔ میں اللہ کا

بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ لوگو! میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے مقام سے اونچا لے جاؤ اور میری قبر پہ میلہ نہ لگانا۔ اے اللہ میری قبر کو تھان نہ بنانا کہ اس کو پوجا جائے یہ نہ کہو جو کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد نے چاہا۔ ایک آدمی نے آپ سے یہی جملہ کہا تو حضور تاجدار عرب و عجم نے فرمایا کہ تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا۔ ایک معصیت خواہ نے کہا اے اللہ میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں محمد سے نہیں۔ یہ سن کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے معرفت خداوندی حاصل کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا یعنی آپ کو معاملہ میں دخل نہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تمام کام رب تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اپنے نفع اور نقصان پہ بھی قدرت نہیں رکھتا مگر جس طرح کہ اللہ چاہے۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھے کبھی کوئی اللہ سے پناہ نہیں دے سکتا اور میں کبھی اس کے سوا کہیں پناہ نہیں پا سکتا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا، حضرت عباس اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کام نہیں آ سکوں گا۔ لیکن مشرکین نے اپنے بزرگوں کی ناجائز تعظیم کی۔ بتوں کی پوجا کی۔ مذکورہ بالا تمام باتیں اپنے بزرگوں اور معبودوں کے لیے جائز قرار دیں اور یہ دعویٰ کیا کہ جس نے بزرگوں اور بتوں کے یہ حقوق سلب کیے اس نے ان کی شان میں گستاخی کی اور مقام و مرتبہ کم کیا۔ حالانکہ انہوں نے خود سچے معبود کی شان میں گستاخی کی اور اس کے مرتبہ میں کمی کی۔

اتباع رسول کیا ہے؟

خالص اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ ہے کہ آپ کی حدیث پر کسی کا قول یا کسی کی رائے مقدم نہ کی جائے خواہ وہ کوئی ہو بلکہ سب سے پہلے حدیث کی پرکھ پڑتال کی جائے۔ پھر اس کے معنی کی پرکھ پڑتال کی جائے۔ پھر جب حدیث کے سند اور متن دونوں درست ہوں تو اس پر جم جانا چاہیے اگر دنیا والے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ناممکن ہے

کہ دنیا والے حدیث کے خلاف پر اتفاق کریں۔ اس پر کوئی نہ کوئی تو قائل ہوگا گو تمہیں معلوم نہ ہو۔ اپنی جہالت کو نبی پر اور اللہ پر حجت نہ بناؤ۔ بلکہ صریح حدیث پر عمل کرو اور سست نہ بنو۔ باقی علماء کرام کے مراتب اور محبت وضبط کے سلسلے میں ان کی امانت اور اجتہاد میں شک نہ کرو۔ انھیں تو ضرور اجر حاصل ہوگا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے قول کی وجہ سے درست حدیث کو ترک کیا جائے اور صرف اس وسوسہ پر کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں۔ ان کا قول حدیث پر مقدم کیا جائے۔ اگر یہ وسوسہ درست ہو تو جو صریح حدیث پر چل رہا ہے وہ بھی تم سے زیادہ عالم ہے اس کی موافقت کیوں نہیں کرتے۔ اگر کوئی احادیث کو علمائے کرام کے اقوال کے لیے معیار بنائے اور جو اقوال ان کے موافق ہوں انھیں لے لے اور مخالف اقوال چھوڑ دے۔ تو یہ ان کی شان میں گستاخی نہیں ہے اور نہ ہی ان کی حق تلفی ہے بلکہ ان کی اقتداء ہے کیونکہ سب کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی اقتدار کا حکم ہے اور سب نے اپنے ماننے والوں کو یہی حکم کیا ہے۔ ان کو سچا ماننے والا وہی ہے جس نے ان کے وصایا پر عمل کیا اور جو وصایا کے خلاف نہیں کرتا۔ لہٰذا ان کے اس قول کی مخالفت جو صریح حدیث کے خلاف ہو۔ اس وصیت کے خاص طور پر موافق ہے جو وہ کر گئے بلکہ یہ خلاف خلاف نہیں بلکہ خاص طور پر ان کے موافق ہے۔ یہیں سے تقلید اور فہم وبصیرت میں امتیاز ہوگیا۔

تقلید کیا ہے؟: مقلد کسی کا قول بغیر دلیل کے تسلیم کر لیتا ہے اور اس میں غور وفکر سے کام نہیں لیتا۔ لیکن محقق اپنی قدرتی سمجھ اور علم کی روشنی میں رسول تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ علمائے کرام کو دلیل کے طور پر پہلی دلیل کے سمجھتا ہے۔ پھر جب دلیل اول تک پہنچ جاتا ہے تو اب اسے دوسری دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی مثال کے طور پر کسی نے تارے سے قبلہ معلوم کیا۔ پھر جب اسے قبلہ معلوم ہوگیا تو اب تارے کی ضرورت نہیں رہی۔ امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس نے سامنے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کی سنت ظاہر ہو گئی اسے سنت کو کسی قول کی وجہ سے ترک کرنا اچھی بات نہیں۔

قرآن شاہد ہے کہ اللہ سبحانہٗ تبارک وتعالیٰ نے

اولیاء اللہ کی شانِ حقیقی:- فرمایا کہ میرے دوست نہ ہی خوف کھائیں گے اور نہ ہی غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ صاحبِ ایمان اور صاحبِ تقویٰ ہوں گے۔ قرآن میں کئی جگہ ان کا تذکرہ موجود ہے۔ اللہ رب تعالیٰ جل جلالہٗ کے دوست اللہ کے بندے مخلص رہیں جو حرم میں ہوں یا غیر حرم میں ہوں۔ ہر جگہ رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کو پیچ مانتے ہیں۔ آپ کے حکم کے سامنے کسی دوسرے کا حکم نہیں مانتے۔ اور اغیار کی وجہ سے آپ کی سنت کو ترک نہیں کرتے۔ نہ خود بدعتی ہیں اور نہ ہی بدعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اور نہ اللہ کے سوا اور رسولِ خدا علیہ التحیۃ والثناء کے سوا اور اولیاء اللہ کے سوا کسی دوسری جماعت سے واسطہ رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی رضائے الٰہی پر بڑے لوگوں کی صحبت کو ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن پر عمل کرتے ہیں اور ناچ گانا سے اجتناب کرتے ہیں۔ جو نورِ بصیرت سے محروم ہے وہ اولیاء اللہ اور اولیائے الشیطان میں تمیز نہیں کرتا۔ جو اللہ کی کتاب سے منہ موڑ لیتے ہیں وہ اللہ کے دوست نہیں بن سکتے۔ اور جنہوں نے اللہ کے رسول کی ہدایت اور سنت سے منہ موڑا اور آپ کی مخالفت کی اور آپ سے دشمنی کی وہ اولیاء اللہ نہیں ہے۔ اولیاء اللہ تو صاحبِ ایمان اور صاحبِ تقویٰ ہوتے ہیں۔ جو شخص قرآن و سنت سے دور ہوا وہ اولیائے شیطان ہے اولیائے رحمٰن نہیں ہے۔ ان باتوں پر مکمل ایمان ہونا چاہیئے کیونکہ یہ باتیں کسوٹی ہیں۔ اگرچہ وہ پانی پر چلتا ہو اور ہوا پر اڑتا ہو شریعت کے تابع نہ ہو اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

حالِ ایمانی کیا ہے؟ حالِ ایمانی یعنی کرامت اتباعِ رسول علیہ السلام پر خلوص عمل

اور خالص توحید کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو دین و دنیا میں نفع حاصل ہو۔ یہ سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جم جانے سے حاصل ہوتی ہے۔

حال شیطانی کیا ہے؟ حال شیطانی استدراج شرک اور فسق و فجور سے پیدا ہوتا ہے۔ بُرے اعمال کے سبب سے شیطان سے قرب و اتصال اور ایک قسم کی مشابہت پیدا ہوتی ہے اور کچھ عادت کے خلاف چیزوں کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ بت پرستوں، صلیب کی پوجا کرنے والوں اور شیطان کی پوجا کرنے والوں اور دوسرے باطل فرقوں میں یہ حال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ شیطان کی پوجا کرنے والا عبادت کر کے جب اسے خوش کرتا ہے تو وہ اسے خلعتِ حال سے نوازتا ہے جس سے وہ کمزور عقل اور کمزور ایمان والوں اور کمزور توحید والوں کے ایمان کو شکار کر سکے۔ بہت سے لوگ اس حال کے جال میں پھنس کر ہلاک میں پھنس جاتے ہیں۔ جو حال کتاب و سنت کے ترک کرنے سے پیدا ہو وہ شیطانی حال ہے۔ اکثر لوگ ان دونوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اس جہان میں فرق انتہائی قابل قدر چیز ہے یہ فرق اللہ کا دل میں ڈالا ہوا ایک نور ہوتا ہے جو درست اور نادرست کو چھانٹ دیتا ہے اور اچھے اور بُرے کا معیار ہوتا ہے۔ جو اس فرقان سے محروم ہے وہ بہر صورت شیطان کے جال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حکمِ آفاقی کیا ہیں؟ حکم آفاقی تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح طور پر بتا دیئے ہیں۔ لوگوں کو انہیں کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم ہے۔

تاویلی احکام کیا ہیں؟ تاویلی احکام مجتہدین کے ہوتے ہیں جو مختلف ہوتے ہیں اور جن کی اتباع ضروری نہیں۔ اور ان کے مخالفین کو فاسق و فاجر یا کافر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان اقوال والوں نے

یہ نہیں کہا کہ یہ اللہ کے اور اس کے رسول کے حکم ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ ہم نے اپنی رائے سے انہیں استنباط کیا ہے۔ اگر چاہتے ہو تو مان لیجئے اگر نہیں چاہتے نہ مانیے۔ ان کا امت کے لیے ماننا لازمی نہیں ہے بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تو یہ فرمان ہے کہ یہ میری رائے ہے۔ اگر میرے پاس کوئی اس سے بہتر رائے لائے گا تو میں اسے تسلیم کروں گا۔ اگر امام کی رائے بعینہٖ حکم الٰہی ہوتا تو امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی جرأت نہ ہوتی۔

امامین کا قول۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہارون الرشید نے مشورہ کیا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں لوگوں کو مؤطا کے مسائل کے مطابق چلاؤں۔ آپ نے اس بات سے خلیفہ کو منع کر دیا اور فرمایا کہ صحابہ کرام شہروں میں پھیل گئے اور ہر قوم کے پاس منفرد طور پر علم ہو گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ماننے والوں کو اپنی تقلید سے منع فرمایا اور یہ وصیت فرمائی کہ اگر قرآن و حدیث سے ثبوت مل جائے تو میرا قول ترک کر دینا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوؤں کی تدوین سے خوش نہیں تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میری تقلید نہ کرو بلکہ فلاں کی تقلید کرو۔ بلکہ جہاں سے انہوں نے لیا ہے وہاں سے لو۔ اگر امامین کو یقین ہوتا کہ ان کے اقوال واجب الاتباع ہیں تو اپنے ماننے والوں پر ان کی مخالفت حرام فرما جاتے اور ان کے ماننے والے نہ ہی کسی مسئلہ میں ان کی مخالفت کو روا جانتے اور نہ ہی امامین کے قول میں رجوع پایا جاتا۔ اسی لیے ایک ہی امام کے ایک ہی مسئلے میں بکثرت اقوال ملتے ہیں۔

الحاصل کلام۔ معلوم ہوا کہ رائے اور اجتہاد پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنا چاہیئے لیکن آفاقی حکم کے خلاف کرنا اہل اسلام کے لیے روا نہیں کہ اس سے بال برابر بھی ادھر ادھر ہوں۔ رہا تبدیل شدہ حکم سو وہ قابل قبول نہیں اور

نہ ہی اس کی ترویج جائز ہے اور نہ ہی اس کی پیروی روا ہے اور اس کا قابل کفر، فسق اور ظلم کے مابین ہے۔

نتیجہ: بہرحال یہاں مقصود یہ تھا کہ نفس مطمئنہ، نفس امارہ اور نفس لوامہ کے بعض احوال بیان کیے جائیں اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ تینوں کن کن باتوں میں شریک ہیں اور کن کن باتوں میں شریک نہیں ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے افعال، ہر ایک کے اختلافات، ہر ایک کے مقاصد اور ہر ایک کے ارادے بتا دیئے جائیں۔ اور اس سے ماوری کی جانب اشارہ مقصود تھا جو ایک ہی نفس ہے جو کبھی مطمئنہ کے روپ میں ہوتا ہے اور کبھی امارہ کے روپ میں ہوتا ہے اور کبھی لوامہ کے روپ میں ہوتا ہے۔ بکثرت اصحاب پر امارہ ہی کا غلبہ رہتا ہے۔ نفس مطمئنہ والے بہت تھوڑے لوگ ہیں مگر یہ مرتبہ و مقام میں اللہ کے نزدیک برتر ہیں۔ اللہ رب العالمین جل مجدہ الکریم نے انہیں کے متعلق فرمایا ہے یعنی اے نفس مطمئنہ خوشی خوشی اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا۔ اللہ تجھ سے راضی ہے اور میرے بندوں میں اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

اے اللہ العالمین ہمارے نفوس نفوس مطمئنہ بنا تاکہ تیرے دین پر گامزن رہیں اور تجھی سے خائف رہیں اور تیری ہی جانب راغب رہیں۔ اور ہمیں اپنے نفوس کی برائیوں سے اور اعمال بد سے محفوظ فرما۔ ہمارے قلوب سے غفلت کے پردے دور فرما۔ ہمیں حرص و ہوا کا پیروکار نہ بنا اور حد سے آگے نہ بڑھا۔ بروز محشر ہمیں دیدار الہیٰ نہ بنا۔ ہم پر حقیقت کے پردے کھول دے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم خوش فہمی میں پھنس کر محشر کے روز خالی ہاتھ رہ جائیں۔ الہیٰ تو ہی سمیع و بصیر ہے۔ ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت فرما۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ و صلی اللہ علی حبیبہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

الفقیر محمد شریف عارف نوری نقشبندی قادری رضوی (میوراتی) حال فاروق آبادی۔

اولیاء کے مُستند حالات و واقعات

اولیائے پاکستان

جلد اوّل

عالم فقری

شبیر برادرز، اُردو بازار، لاہور

حالات و واقعات
شانِ بابا فرید گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ
عالم فقری
شبیر برادرز ۔ اردو بازار ۔ لاہور

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء
صحیح بخاری شریف
20
8
تعلیقات علی البخاری
الموطا
سنن دارمی
مسند الامام زید
مسند الامام الشافعی
تحفہ باقیہ
شرح القدوری
شبیر
042-37246006